آغازِ سفر

سلسلۂ معارف اسلامی

کتاب اوّل

المہدیؑ ادارۂ تربیت اسلامی
آئی ایس او پاکستان

المہدیؑ ادارۂ تربیت اسلامی، آئی ایس او پاکستان

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۙ

اس خدا نے ناخواندہ لوگوں میں ایک رسول بھیجا، جو انہیں میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے، انکے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اگرچہ یہ لوگ بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔ (سورہ جمعہ آیت ۲)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اَللّٰهُمَّ كُنْ لِوَلِيِّكَ الْحُجَّةِ ابْنِ الْحَسَنِ
صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آبَآئِهِ فِي هٰذِهِ
السَّاعَةِ وَفِي كُلِّ سَاعَةٍ وَلِيًّا وَحَافِظًا
وَقَآئِدًا وَنَاصِرًا وَدَلِيلًا وَعَيْنًا حَتّٰى
تُسْكِنَهُ أَرْضَكَ طَوْعًا وَتُمَتِّعَهُ فِيهَا
طَوِيلًا ۝ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَآلِ
مُحَمَّدٍ وَعَجِّلْ فَرَجَهُمْ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں.

المہدیؑ ادارۂ تربیت اسلامی

آئی ایس او پاکستان

آغازِ سفر

سلسلہ معارف اسلامی

کتاب اوّل

سال طبع:	ربیع الاوّل ۱۴۴۳ھ، اکتوبر 2021ء
طبع:	ششم
تعداد:	۱۰۰۰
ناشر:	المہدی پبلیکیشنز لاہور، پاکستان

برائے رابطہ:

المہدیؑ ادارۂ تربیت اسلامی

5/A المصطفیٰ ہاؤس، مسلم ٹاؤن موڑ، وحدت روڈ، لاہور، پاکستان

فون: 04237078339,0334.4327768

ای میل: almahdi.isopak@gmail.com

انتساب

یہ مختصر سی کاوش

شہید قائد علامہ عارف حسین الحسینی

اور

شہید ڈاکٹر محمد علی نقوی

کی راہ پر چلتے ہوئے لبیک یا حسینؑ کا شعار بلند کرنے
والے ان حسینی جوانوں کے نام جنہوں نے روز قدس،
کوئٹہ کی سرزمین پر جام **شہادت** نوش کیا بالخصوص
شہید یاسر عباس اور میثم رضا کے نام۔اس دعا کے ساتھ
کہ خدا ہمیں بھی اس راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

فہرست

مقدمہ ۷

پہلا سبق: حقیقت کی تلاش ۹

مقدمہ ۱۱

کیا دنیا ہی انسان کا مقصد و ہدف ہے؟ ۱۲

راہ نجات کیا ہے؟ ۱۳

خاتمہ ۱۵

سبق کا خلاصہ ۱۵

سوالات ۱۵

مزید مطالعہ کیلئے ۱۶

مومن کو حقیر نہ جانو ۱۶

دوسرا سبق: کیا آپ معرفت الٰہی رکھتے ہیں؟ ۱۷

مقدمہ ۱۹

معرفت حاصل کرنے کا طریقہ ۱۹

لیکن ان حواس میں کون فرق کرے گا؟ ۱۹

عقل، اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت کرتی ہے ۲۰

روح، اللہ کی طرف ہدایت کرتی ہے ۲۱

سبق کا خلاصہ ۲۳

سوالات ۲۳

مزید مطالعہ کیلئے ۲۴

دوستی اور بھائی چارہ ۲۴

تیسرا سبق: اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی طرف بلاتا ہے ۲۵

اللہ ہمیں اپنی طرف کیسے بلاتا ہے؟ ۲۷

اللہ ہمیں اپنی طرف کیوں بلاتا ہے؟ ۲۸

اس دعوت کی حقیقت کیا ہے؟ ۳۰

خاتمہ ۳۱

سبق کا خلاصہ ۳۱

سوالات ۳۲

مزید مطالعہ کیلئے ۳۳

سید بحرالعلوم، نراقی مرحوم کا امتحان لیتے ہیں ۳۳

چوتھا سبق: ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟ (۱)

(طہارت کے ذریعے) ۳۵

مقدمہ ۳۷

بابِ تلبیہ کیا ہے؟ ۳۷

ہم پاکیزگی کیوں اختیار کرتے ہیں؟ ۳۸

ہم پاکیزہ کیسے ہوں؟ ۳۹

خاتمہ ۴۰

آپ کیسے وضو کریں؟ ۴۰

یاد رکھیں! ۴۱

سبق کا خلاصہ ۴۱

سوالات ۴۲

مزید مطالعہ کیلئے ۴۳

بوڑھا اور دو بچے ۴۳

پانچواں سبق: ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟ (۲)

(نماز کے ذریعے) ۴۵

مقدمہ ۴۷

اللہ نے ہمیں نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیا ہے؟ ۴۷

نماز کی حقیقت کیا ہے؟ ۴۸
حقیقی نمازی کون ہیں؟ ۴۹
نماز کے لئے کھڑے ہوں... ۵۱
قابل توجہ نکتہ ۵۱
سبق کا خلاصہ ۵۲
سوالات ۵۲
مزید مطالعہ کیلئے ۵۳
کیا وہ آزاد ہے یا غلام؟! ۵۳
چھٹا سبق: ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟ (۳)
(اللہ کا کلام سُن کر) ۵۵
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کیوں نازل فرمایا؟ ۵۷
کیا قرآن کو پاس رکھنا اور اسے متبرک سمجھنا کافی ہے؟ ۵۸
ہم تلاوت قرآن کریم سے کیسے استفادہ کر سکتے ہیں؟ ۵۹
خاتمہ ۵۹
ہم اور قرآن ۶۰
سبق کا خلاصہ ۶۱
سوالات ۶۱
مزید مطالعہ کیلئے ۶۲
رہبر معظم آیت العظمیٰ خامنہ ای دام ظلہ کا زُہد اور انکساری ۶۲
ساتواں سبق: ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟ (۴)
(دعا کے ذریعے) ۶۳
مقدمہ ۶۵
دعا کرنا کیوں ضروری ہے؟ ۶۵
کیا اللہ تعالیٰ کو ہماری دعاؤں کی ضرورت ہے؟ ۶۶
دعا کب فائدہ دیتی ہے؟ ۶۸
خاتمہ ۷۰
سبق کا خلاصہ ۷۰
سوالات ۷۰
مزید مطالعہ کیلئے ۷۱
مورچہ شہید سید عباس موسویؒ ۷۱
آٹھواں سبق: ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟ (۵)
(اللہ کے گھر میں حاضر ہو کر) ۷۳
مساجد کیوں تعمیر کی جاتی ہیں؟ ۷۵
احادیث نبویہ ﷺ تعمیرِ مساجد کی ترغیب دیتی ہیں ۷۵
مسجد کا ہماری زندگی میں کیا کردار ہے؟ ۷۶
مسجد کا ہم پر کیا حق ہے؟ ۷۷
خاتمہ ۷۸
نمازِ جماعت کی فضیلت ۷۸
سبق کا خلاصہ ۷۹
سوالات ۷۹
مزید مطالعہ کیلئے ۸۰
نماز کی پرواہ نہ کرنا ۸۰
نواں سبق: نبیﷺ، وسیلۂ الٰہی ۸۱
اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان وسیلہ کیا ہے؟ ۸۳
انبیاء کیا کہتے ہیں؟ ۸۴
پیغمبروں کے بارے میں ہمارا موقف کیا ہے؟ ۸۵
خاتمہ ۸۶
سبق کا خلاصہ ۸۷
سوالات ۸۷
مزید مطالعہ کیلئے ۸۸

نصیحت کا طلبگار ۸۸
دسواں سبق: امامؑ، وسیلۂ الٰہی ۸۹
کیا ہم وفات رسولؐ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادیان برحق
سے بے نیاز ہیں؟ ۹۱
نبیؐ کے بعد اللہ کی طرف کون رہبر و رہنما ہیں؟ ۹۳
ہم اللہ کے ولی سے کیسے تعلق قائم کر سکتے ہیں؟ ۹۴
خاتمہ ۹۵
سبق کا خلاصہ ۹٦
سوالات ۹٦
مزید مطالعہ کیلئے ۹۷
روز قیامت انسان شرمندہ ہوگا ۹۷
گیارہواں سبق: فقہائے کرام، وسیلۂ الٰہی ۹۹
مقدمہ ۱۰۱
زمانہ غیبت میں امت کس کی طرف رجوع کرے؟ ۱۰۱
تقلید کیا ہے؟ ۱۰۳
ہم کس کی تقلید کریں؟ ۱۰۳
ہم مرجع کی شناخت کیسے کریں؟ ۱۰۴
یاد رکھنے کی بات ۱۰۴
سبق کا خلاصہ ۱۰۴
سوالات ۱۰۵
مزید مطالعہ کیلئے ۱۰٦
رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای (دامت برکاتہ) کی اعلمیت پر شواہد ۱۰٦
بارہواں سبق: ولی امر، وسیلۂ الٰہی ۱۰۷
ولی امر کا ہونا کیوں ضروری ہے؟ ۱۰۹
ولی فقیہ کون ہیں؟ ۱۱۰
ولایت کی برکات ۱۱۱
خاتمہ ۱۱۲
سبق کا خلاصہ ۱۱۲
سوالات ۱۱۲
مزید مطالعہ کیلئے ۱۱۳
امام علی علیہ السلام کا مہمان ۱۱۳

گلستان جوانان

شہید قائد علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ ۱۱۷
بانی آئی ایس او شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ ۱۲۲
اسلامی تنظیم کی مشروعیت اور اہداف ۱۲۵
آئی ایس او پاکستان کا تاریخی ارتقاء ۱۳٦
آئی ایس او کیا ہے؟ ۱۴۵
آئی ایس او پاکستان کا ترانہ ۱۴٦
آئی ایس او کے شعارات ۱۴۸
حصول حق بوسیلہ حق ۱۵۰
تحریک پاکستان میں پیروان اہلبیتؑ کا کردار ۱٦۲
فلسطین ۱٦۹
ہم امریکہ مردہ باد کیوں کہتے ہیں؟ ۱۷۹
ہم اسرائیل مردہ باد کیوں کہتے ہیں؟ ۱۸۴
کتب اربعہ کا تعارف ۱۸۷
شبہات کے جوابات ۱۹۲
آیات موضوع ۲۰۵
احادیث موضوع ۲۱۰

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی اشرف خلقہ و اعزّ مرسلیہ محمد بن عبد اللہ و آلہ الطیبین الطاھرین المعصومینؑ

انسان کے کمال اور اس کی سعادت کی بنیاد معرفت ہے، جتنا انسان کی معرفت بلند ہوگی اتنا وہ کمال وسعادت سے ہمکنار ہوگا۔ معرفت کے نتیجے میں انسان تزکیہ و تہذیب اور عمل صالح کی طرف راغب ہوتا ہے، معرفت ہی کے نتیجہ میں انسان حق کی پیروی کرتا ہے، اور حق و باطل کی آمیزش کے موقع پر متردد و متحیّر نہیں ہوتا۔ اسی لیے امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: اول الدین معرفتہ، دین کی ابتداء معرفت سے ہی ہوتی ہے۔

کتاب ھذٰا معرفت کی ابتدائی ابحاث کا مجموعہ ہے جو عام روایتی دینی کورس کی کتب سے مختلف ہے۔ اس کتاب کا انداز علمی بھی ہے اور تربیتی بھی۔ عام طور پر کتابیں علمی ہوتی ہیں لیکن ان میں تربیت کا پہلو انتہائی کمزور ہوتا ہے۔ موجودہ کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ علمی پہلو کے ساتھ ساتھ تربیتی پہلو کو بھی نمایاں رکھا جائے۔ چنانچہ اس کتاب میں فطری سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے اور لکھنے کا انداز جاذب اور نوجوانوں کے مزاج کے مطابق ہے۔ کتاب میں تنوّع بھی ہے تاکہ بوریت کا احساس نہ ہو۔

آغازِ سفر کے پہلے ایڈیشن کا نوجوانوں نے بھرپور استقبال کیا جو اس بات کا متقاضی تھا کہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا جائے۔ لہٰذا کتابِ ھذا آغازِ سفر کا دوسرا ایڈیشن ہے جو کہ میٹرک سے بالاتر سطح کے طالبعلموں کیلئے قابل استفادہ ہے۔ اس کتاب کا نام آغازِ سفر اس لیے تجویز پایا تھا تاکہ یہ معرفت کے سفر کا آغاز قرار پائے۔ یہ کتاب بظاہر سادہ انداز میں تحریر کی گئی ہے لیکن اس کے اندر کئی ظریف نکات موجود ہیں جن کو دقت و تدبر کے ساتھ تلاش کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا قارئین محترم سے ہماری گذارش ہے کہ اس سے بھرپور استفادہ حاصل کرنے کیلئے کتاب کے متن کو پوری توجہ کے ساتھ پڑھیں۔

البتہ یہ آغازِ سفر ہے اور ابھی راہ طولانی طے کرنا ہے لہٰذا اسی سلسلہ معارف کی اگلی کڑیاں بھی ہیں جو اگلے مراحل میں شائع کی جائیں گی۔ خداوند تعالیٰ ہم سب کو اس الٰہی سفر میں استقامت نصیب فرمائے۔

(آمین)

المہدیؑ ادارۂ تربیت اسلامی

(آئی ایس او پاکستان)

پہلا سبق

- انسانی ذہن میں ابھرنے والے بنیادی سوالات کیا ہیں؟
- کیا دنیا ہی انسان کا مقصد وہدف ہے؟
- نجات کا راستہ کیا ہے؟

حقیقت کی تلاش

دعااورنماز

امام خمینیؒ اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود تلاوت قرآن، دعا اور اول وقت نماز پڑھنے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ آپ ہر روز تین سے پانچ مرتبہ تک قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے اور ماہ رمضان میں تین مرتبہ قرآن کریم کا ختم کرتے تھے۔ وہ زیادہ تر مفاتیح الجنان سے دعائیں پڑھتے تھے اور شب جمعہ دعائے کمیل پڑھا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ان کی وفات سے ایک دن قبل کسی خاتون نے مجھ سے کہا کہ چلیں امام خمینیؒ کے پاس پہنچ کر کوئی دعا پڑھتے ہیں چنانچہ وہاں پہنچ کر میں نے انہی کی زیر استعمال مفاتیح میں سے دعائے عدیلہ پڑھی جو احتضار کے وقت کی دعا ہے۔ اچانک میں نے دیکھا کہ کتاب میں کوئی نشان لگا ہوا ہے۔ جب غور کیا تو دیکھا وہ نشان دعائے عہد پر لگا ہوا تھا۔ یہ وہی دعا ہے جسے اگر کوئی شخص چالیس دن تک پڑھے اور اسے موت آجائے تو وہ وقت ظہور قبر سے اُٹھے گا اور اپنے امامؑ کی نصرت کرے گا۔

(آیت اللہ توسلی)

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ

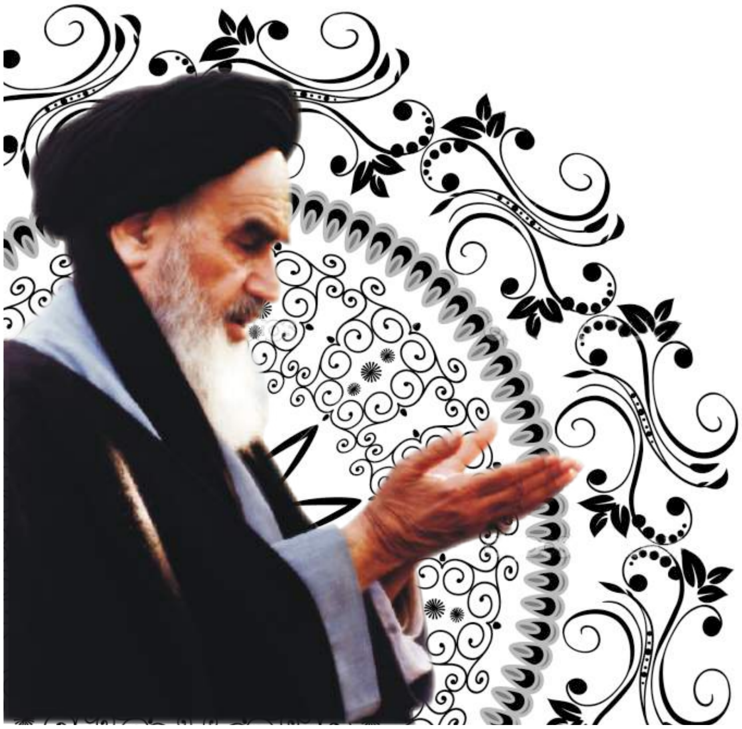

پہلا سبق

حقیقت کی تلاش

مقدمہ:

انسان کی خلقت کے آغاز سے ہی اس کی زندگی کا سفر شروع ہوا ہے۔اس نے کئی سالوں پر محیط عرصہ گزارا ہے جس میں اسے مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑا جو خطرات سے بھری ہوئی تھی۔جس میں توقعات،خواہشات،آرزوئیں اور تکالیف و پریشانیاں پر پھیلائے کھڑی تھیں۔لیکن اس کٹھن صورتحال کے باوجود متعدد سوالات اس کے ذہن پر سوار رہے اور وہ ان کے جوابات تلاش کرتا رہا۔اسے ہمیشہ ایک آواز سنائی دیتی ہے کہ میں حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔میں جہالت کے اندھیرے میں نہیں رہنا چاہتا...جب تک مجھے ان سوالوں کے جواب نہ مل جائیں مجھے سکون اور اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا ہے...

مَیں کون ہوں؟...

مجھے یہاں کون لایا ہے؟...

مَیں کیوں زندہ ہوں؟...

ایسے سوالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تاریکی پسند نہیں ہے...وہ جہالت سے نفرت کرتا ہے...وہ بیماری سے دور بھاگتا ہے...اور اگر اسے ان سوالات کا تسلی بخش جواب میسر نہ آئے تو وہ حیران و پریشان رہے گا،اسے کسی طور چین و قرار نہ آئے گا اور نہ ہی کسی نعمت سے لذت اُٹھائے گا۔چنانچہ انسان نامعلوم شئے کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتا کیونکہ غیر واضح صورتحال،تاریکی اور جہالت ہے جس سے وہ نفرت کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ

وہ اس کی طرح اندھیروں میں پڑا رہے گا اور وہاں سے باہر نہ نکل سکے گا(الانعام:۱۲۲)

کیا دنیا ہی انسان کا مقصد و ہدف ہے؟

انسان بچپن سے لے کر نوجوانی تک اپنی عمر کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے۔ پھر جوانی کا مرحلہ آتا ہے اس کے بعد ادھیڑ عمری اور پھر بڑھاپے کی منزل آجاتی ہے...ان تمام مراحل کی مخصوص علامات ہوتی ہیں جس میں انسان کا رجحان کسی ایک کام یا خواہش کی طرف ہوتا ہے۔ جب وہ بچہ ہوتا ہے تو کھیل کود کا شوقین ہوتا ہے پھر جب وہ تھوڑا بڑا ہوتا ہے تو اس کی توجہ سرگرمی اور تماشے کی طرف مبذول ہوجاتی ہے۔ جب اس کی عمر بڑھتی ہے تو وہ ملبوسات، سواری اور مکانات مثلاً موٹر کار وغیرہ کے حصول میں مگن ہوجاتا ہے اور حسن و جمال سے اس کا تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔ پھر جب وہ جوان ہوجاتا ہے تو اس کی مال و اولاد کی کثرت میں دلچسپی پیدا ہوجاتی ہے، پھر جب وہ بوڑھا ہوتا ہے تو اپنے حسب و نسب، علم و معرفت، جاہ و منصب اور مال و دولت کے حوالہ سے اپنے ساتھیوں پر فخر کرتا ہے....اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ وَّ زِیۡنَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیۡنَکُمۡ وَ تَکَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ ؕ

یاد رکھو! دنیوی زندگی محض کھیل تماشا اور زینت و آرائش اور تمہارے آپس میں فخر و مباہات اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب ہے (الحدید:۲۰)

پھر اللہ تعالیٰ اس تمام صورتحال کو ایک مثال کی صورت میں یوں بیان فرماتا ہے:

کَمَثَلِ غَیۡثٍ اَعۡجَبَ الۡکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَہِیۡجُ فَتَرٰىہُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَکُوۡنُ حُطٰمًا ؕ

...(ان کی مثال) اس بارش کی سی ہے کہ اس سے کھیتی اُگتی ہے اور کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے۔ پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر (اے دیکھنے والے!) تُو اس کو دیکھتا ہے کہ وہ پک کر زرد پڑ جاتی ہے اور پھر چورا چورا ہوجاتی ہے...(الحدید:۲۰)

یہ تو دنیاوی صورتحال ہے فرمایا:

وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۙ وَّ مَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانٌ ؕ وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ

اور آخرت میں (کافروں کیلئے شدید عذاب ہے اور (مومنین کیلئے) خدا کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے۔ اور دنیا کی زندگی تو فریب کا سامان ہے (الحدید:۲۰)

چنانچہ دنیا اپنی تمام خوبصورتی اور دلکشیوں کے باوجود فنا ہونے والی ہے۔ اس میں جو مخلوق اور جو کچھ موجود ہے وہ سب فنا ہوجائے گا..... اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو اپنے گرد و پیش ماحول پر نظر دوڑائیے...اپنی ماں کو دیکھیں...اپنے باپ کو دیکھیں...اپنے دادا کو دیکھیں...یہ بھی بچے، لڑکے اور نوجوان تھے اور...آج یہ آپ کی آنکھوں کے سامنے بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ان کے اعصاب جواب دے چکے ہیں۔ عمر کے سن و سال نے ان کے چہروں پر اپنے آثار چھوڑ دیئے ہیں۔ اب وہ کمزور اور بیمار پڑے ہیں۔...وہ جوانی کہاں ہے؟...قوت و طاقت کہاں ہے؟...وہ حسن و جمال کہاں ہے؟ وہ دلکشی کہاں ہے؟...کیا دنیا نے ان کیلئے کچھ باقی چھوڑا؟ کیا ان کے مال

یا خاندان یا ان کی قوت نے ان سے بڑھاپے اور بڑھتی عمر کو روکا؟...

کیا آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ آپ ان لوگوں کی مانند ہو جائیں جو دنیا میں کھو گئے اور دنیا نے انہیں فنا کر دیا... یا وہ لوگ آپ کیلئے مثال اور نصیحت وعبرت ہیں؟...

یہ ہے دنیا، کیا یہ اس لائق ہے کہ ہم حقیقی زندگی پر توجہ کئے بغیر اس فانی دنیا کے حصول میں اپنی عمریں اور توانائیاں ضائع کر دیں؟ امام خمینی (جنہوں نے پُرثمر اور بابرکت زندگی گزاری ہے) فرماتے ہیں:

دنیا مزاحمتوں سے پُر ہے اس کے وار سے بچتے رہو یہ ہر طرف سے حملہ آور ہے پس تم بھی ہر طرف سے اس سے اپنا دفاع کرو۔ کیونکہ یہ تیزی سے چلی جا رہی ہے اور ہم سب، زمانے کے پہیوں تلے کچلے جا رہے ہیں... مختلف ملتوں کے حالات وواقعات کے مطالعہ اور ان کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان کے مصائب وآلام کا بڑا حصہ جو کہ داخلی، نفسانی اور روحانی ہے وہ دوسرے تمام حصوں سے بڑا ہے۔ کیونکہ ان کی خواہشات اور آرزوئیں اس قدر زیادہ ہوتی ہیں جنہیں پورا نہیں کیا جا سکتا ہے اور جب ان خواہشات کو پورا نہ کیا جا سکے تو یہ انسان کیلئے سخت تکلیف دہ ہوتی ہیں چونکہ انسان کے ارمان شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ (عرفانی وصیتیں)

امام جعفر صادق علیہ السلام بھی ہمیں اس سے باخبر فرماتے ہیں کہ:

مَثَلُ الدُّنْيَا مَثَلِ مَاءِ الْبَحْرِ كُلَّمَا شَرِبَ مِنْهُ الْعَطْشَانُ ازْدَادَ عَطَشاً حَتَّى يَقْتُلَهُ

دنیا کی مثال سمندر کے پانی کی طرح ہے۔ کہ جب پیاسا اس میں سے پانی پیتا ہے تو اس کی پیاس بڑھتی چلی جاتی ہے اور بالآخر پانی پیتے پیتے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ (الکافی: ۲/ ۱۳۶)

اور ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو دنیا پر اوندھے منہ گرے پڑے ہیں اور انہوں نے دنیا کو اپنا مقصد وہدف بنا لیا ہے۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ

(اس کی مثال) ایسے شخص کی سی ہے جو اپنے منہ تک پانی پہنچانے کیلئے اپنے دونوں بازو پھیلائے آگے بڑھتا ہے لیکن وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتا (الرعد: ۱۴)

دنیا کی بھوک ختم نہیں ہوتی اور نہ اس کی پیاس ختم ہونے والی ہے۔ حق کی پیاس پانی کی پیاس سے زیادہ سخت ہوتی ہے اور وہ حقیقی پیاس ہے جو جگر کی پیاس سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔

راہ نجات کیا ہے؟

اس سے ثابت ہوا کہ دنیا مقصد وہدف نہیں ہے اور نہ ہی ہدف بننے کی صلاحیت رکھتی ہے کیونکہ یہ فنا ہو جائے گی اور ہم بھی اس کو چھوڑ کر

چلے جائیں گے۔ حقیقی زندگی جسمانی زندگی نہیں ہے بلکہ یہ تو روحانی زندگی ہے۔
اس روحانی زندگی کے حصول کے راستے کی رہنمائی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

اے ایمان والو! جب اللہ اور اس کے رسول تمہیں پکاریں تو ان کی آواز پہ لبیک کہو تاکہ وہ تمہیں زندگی عطا کریں (الانفال: ۲۴)

ایسی زندگی جس کی طرف اللہ اور اس کا رسولؐ ہمیں بلاتے ہیں وہی حقیقی زندگی ہے۔ جس میں ہم ایسی لذات و نعمات سے لطف اندوز ہوں گے کہ جو ختم نہ ہوں گی اور یہ اس زندگی میں اس ذات کی پہچان کرنا ہے جس نے ہمیں پیدا کیا اور اس کی معرفت سے آگاہ ہونا ہے کیونکہ وہی حقیقت ہے اور یہی مقصد و ہدف ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ عزوجل کی معرفت حاصل کرنے میں کتنی فضیلت ہے تو وہ دشمنانِ خدا کو ملنے والے مال و دولت اور دنیاوی نعمتوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ اور دنیا ان کی نظر میں پاؤں کے نیچے آنے والے ذرات سے بھی زیادہ حقیر ہوتی۔ کیونکہ وہ معرفت الٰہی کی نعمت سے سرفراز ہو چکے ہوتے اور جنت کے باغوں میں اولیائے خدا کے ہمراہ لطف اُٹھا رہے ہوتے...

اے امام! ایسا کیوں ہوگا؟ امام اس بات کو مکمل فرماتے ہیں...

"بیشک اللہ عزوجل کی معرفت ہر قسم کی تنہائی میں مونس ہوتی ہے۔" جس کی وجہ سے ہمیں وحشت نہیں ہوتی اور نہ ہی غربت و تنہائی میں زندگی گزارتے ہیں۔

"اور وہ ہر تنہائی کا ساتھی ہے" کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے ہم اس کے وجود کا شعور رکھتے ہیں اور اسے پہچانتے ہیں۔

"اور ہر تاریکی میں نور ہے۔" اس لیے ہم اندھیرے سے نہیں ڈرتے ہیں۔

"وہ ہر کمزوری میں قوت و توانائی اور ہر مرض سے شفاء ہے۔" اس وجہ سے نہ کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے اور نہ ہی ہم غمگین ہوں گے۔ (الکافی: ۲/ ۳۲۰)

آپ کے خیال میں کون اس دنیا کو قبول کرے گا اور اِسے اختیار کرے گا جو زائل اور فنا ہو جائے گی پھر ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔ اس کے مقابلہ میں وہ زندگی ہے جو باقی رہے گی، ہمیشہ رہے گی اور فنا نہیں ہوگی؟

آپ کے خیال میں کون اس زائل اور فنا ہو جانے والی اور ریزہ ریزہ ہو جانے والی زندگی کو ایسی زندگی سے تبدیل کرے گا جو فنا نہ ہونے والی اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے؟ اللہ کو چھوڑ کر اس کے بدلے میں کون دنیا قبول کرے گا سوائے احمق کے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

"جو دنیا سے اپنا دل لگائے گا تو اس کے دل میں تین خصلتیں پیدا ہوں گی: ایسا غم جو ختم نہ ہوگا، ایسی آرزو جو پوری نہ ہوگی اور ایسی توقع جو حاصل نہ ہوگی۔"

خاتمہ:

اے برادر عزیز! کچھ دیر ٹھہر کر غور وفکر کریں۔ کیا آپ حقیقی زندگی، دائمی لذت اور ایسا امن چاہیں گے کہ جس میں کوئی خوف نہ ہو اور آپ اللہ کی بارگاہ میں اس کی رحمت کے طالب، اس کی محبت سے سرشار دل کے ساتھ حاضر ہونگے یا اپنی عمر ایسے کاموں میں ضائع کریں گے جو نہ باقی رہے گی اور نہ ہی فائدہ مند ہوگی اور نہ بھوک سے نجات دے گی؟!! کیا آپ کو اللہ کی بارگاہ تک پہنچانے والا راستہ دکھائی دیتا ہے یا آپ ہر روز نئی شہوت اور خواہش کو پورا کرتے ہوئے دنیا کے اندھیروں میں حیران وسرگرداں پھرتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا پیغام قضا آجائے گا اور آپ اپنی موت کی آغوش میں چلے جائیں گے؟!! فیصلہ کریں کیونکہ فیصلہ کرنا آپ کے ہاتھ میں ہے...

سبق کا خلاصہ:

- بیشک انسان نامعلوم شئے کے ساتھ گزارا نہیں کرسکتا۔ اس لیے جب تک وہ اس سے ناواقف ہوگا وہ جہالت اور تاریکی میں رہے گا حالانکہ وہ اسے پسند نہیں کرتا ہے۔
- دنیا اپنی تمام تر خوبصورتیوں اور رعنائیوں کے باوجود فنا ہوجائے گی۔ دنیا کسی کیلئے کچھ نہیں چھوڑتی اور نہ اسے فنا ہونے سے روک سکتی ہے۔ دنیا ہدف ومقصد بننے کے لائق نہیں ہے کیونکہ یہ فنا ہوجائے گی۔

اور حقیقی زندگی جسمانی زندگی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ روحانی زندگی ہے۔ حقیقی زندگی میں اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور مہربان خالق کی طرف ہدایت ملتی ہے اور اس کی معرفت ہمارے لیے حقیقی زندگی کا مقصد اور ہدف ہونا چاہیے۔

سوالات

۱- کیا دنیا انسان کا مقصد وہدف ہے؟

۲- وہ کونسی زندگی ہے جس کی طرف اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہمیں بلاتے ہیں؟

۳- صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں:

أ- انسان ہر سوال کا جواب جاننا پسند کرتا ہے۔ ( )

ب- دنیاوی سعادت کون حاصل کرتا ہے جو آخرت میں ہرگز سعادت حاصل نہ کر پائے گا۔ ( )

ج- ہر فقیر ونادار بدنصیب ہوتا ہے اور ہر مالدار سعادت مند ہوتا ہے۔ ( )

د- انسان دنیا کو پسند کرتا ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ مکمل ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ ( )

مزید مطالعہ کیلئے

مومن کو حقیر نہ جانو

متقی و پرہیزگار عالم شیخ الاسلام الحاج شیخ محمد باقر نے فرمایا:

میری عادت یہ تھی کے نماز جماعت کے اختتام پر اپنے دائیں بائیں بیٹھے افراد سے مصافحہ کرتا تھا۔ایک روز مرحوم مرزا شیرازی اعلیٰ اللہ مقامہ کی اقتدا میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اپنے دائیں جانب بیٹھے فرد سے مصافحہ کیا جو کہ ایک ممتاز اہل علم شخصیت تھے ۔جبکہ میری بائیں جانب ایک دیہاتی بیٹھا تھا جسے میں نے معمولی سمجھ کر اس سے مصافحہ نہ کیا۔تھوڑی ہی دیر بعد میں نے اس گمراہ تصور پر اپنے دل میں ملامت کی اور کہا کہ ممکن ہے کہ یہ آدمی جو تیری نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا اللہ کی بارگاہ میں قابل احترام اور پیارا ہو! میں فوراً اس کی طرف مڑا اور انتہائی ادب کے ساتھ اس سے مصافحہ کیا۔اس وقت مجھے اس کے جسم سے مشک کی ایسی خوشبو آئی جو دنیوی مشک جیسی نہ تھی ۔مجھ پر انتہائی خوشی اور سرور کی حالت طاری ہوگئی ۔جس پر میں نے اس سے احتیاطاً پوچھ ہی لیا کہ کیا آپ کے پاس مشک ہے؟ اس نے جواب دیا۔میرے پاس مشک بالکل نہیں ہے۔

چنانچہ اس وقت مجھے یقین ہوگیا کہ یہ روحانی اور باطنی خوشبو ہے اور مجھے یہ بھی یقین حاصل ہوگیا کہ وہ ایک جلیل القدر روحانی (عالم) ہے ۔اس روز میں نے یہ ٹھان لیا کہ مَیں کبھی بھی کسی مومن کی طرف حقارت بھری نظر سے نہیں دیکھوں گا۔

دوسرا سبق

- اللہ عزوجل کی معرفت کے طریقے کون سے ہیں؟
- ہم اللہ کی طرف ہدایت کیسے حاصل کر سکتے ہیں (عقل کے ذریعے)؟
- ہم اللہ کی طرف کیسے ہدایت پا سکتے ہیں (روح کے ذریعے)؟

کیا آپ معرفت اِلٰہی رکھتے ہیں؟

رہبر کبیر امام خمینیؒ:

بہشتی یک ملت بود

بہشتی ایک ملت کی مانند تھے۔

شہید آیت اللہ بہشتیؒ:

حزب ما معبد ماست نہ معبود ما

ہماری تنظیم ہماری عبادت گاہ ہے ہمارا معبود نہیں ہے۔

شہید آیت اللہ بہشتیؒ

دوسرا سبق

کیا آپ معرفت اِلٰہی رکھتے ہیں؟

مقدمہ:

گذشتہ سبق میں یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ انسانی وجود کا مقصد اور ہدف اللہ عزوجل کی معرفت حاصل کرنا ہے اور اس سے رابطہ قائم کرنا ہے تو پھر یہ جاننا بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ اللہ عزوجل کی معرفت کے طریقے کونسے ہیں؟ اور ہم اللہ کی طرف ہدایت کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟

معرفت حاصل کرنے کا طریقہ:

انسانی ارواح اپنے گرد و پیش ماحول کے امور کو پہچانتی ہیں۔ وہ اشیاء کے درمیان فرق پہچان سکتی ہیں۔ چنانچہ مادی اشیاء حواس کے زیرِ اثر واقع ہوتی ہیں اور حواس اپنی مناسبت سے ان میں امتیاز پیدا کرتے ہیں اس لیے آنکھوں سے دکھائی دینے والی، کان سے سنائی دینے والی اور چھو کر محسوس کی جانے والی تمام اشیاء اور اسی طرح خوشبو یا بدبو اور کھانے پینے کی اشیاء یہ سب محسوسات ہیں۔ مزید یہ کہ ہم دلکش اور خوبصورت منظر کو حس سماعت سے ادراک نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی بلبل کی آواز اور کوّے کی آواز کے درمیان آنکھ کے ذریعہ فرق کر سکتے ہیں اور اسی طرح سونگھنا اور ذائقہ وغیرہ ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ہر معلوم شئے کو حواس میں سے کسی ایک ذریعہ سے محسوس کیا جاتا ہے۔

لیکن ان حواس میں کون فرق کرے گا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عقل کی دولت سے سرفراز ا ہے اور ہمیں تمام مخلوقات پر فضیلت دے کر اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ مثال کے طور پر ہم آگ میں اپنا ہاتھ نہیں ڈالتے، نہ زہر پیتے ہیں، نہ اپنے آپ کو چھری چاقو وغیرہ سے کاٹتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے پاس عقل موجود ہے جو ہمیں اس قسم کے غلط اعمال سرانجام دینے سے روکتی ہے۔ کیونکہ یہ ہمیں ہلاکت و تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ اسی طرح عقل ایک ایسی قوت ہے جس کے ذریعہ سے انسان اشیاء کا ادراک کرتا ہے، اُن کی چھان بین کر کے ان میں فرق واضح کرتا ہے۔
چنانچہ اگر یہ حواس خود معرفت الٰہی حاصل نہ کر سکیں... تو کیا عقل اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتی ہے؟

عقل، اللہ تعالیٰ کی طرف ہدایت کرتی ہے:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو وجود بخشا (ابراہیم: ۱۰)

اگر آپ کو خوبصورت نقشے پر تیار شدہ دلکش و بلند و بالا عمارت نظر آئے تو کیا آپ کو اس کے بنانے والے اور ڈیزائن کرنے والے پر شک ہوگا جس نے خوبصورت عمارت ڈیزائن کی ہے۔

ہم فرض کرتے ہیں کہ آپ کو کسی مقام سے دُھواں اُٹھتا دکھائی دیا یا آپ نے کسی شئے کے جلنے کی بُو سونگھی! کیا آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی شک ہوگا کہ کسی جگہ پر آگ لگ گئی ہے جس سے یہ بُو آرہی ہے اور اُس سے یہ دُھواں اُٹھ رہا ہے۔ نہیں بلکہ آپ کو یقین ہوگا کہ یہ بُو اور دھواں آگ سے اُٹھ رہا ہے۔

اگر آپ ساحل سمندر پر چل رہے ہوں اور آپ کو ساحل کی ریت پر مسلسل قدموں کے نشانات دکھائی دیں تو کیا آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی شک ہوگا کہ اس ریت پر کوئی آدمی چل رہا تھا جو اس ریت پر اپنے قدموں کے نقوش چھوڑ گیا۔

آئیے! ہم اپنے گردوپیش پر نظر دوڑاتے ہیں...رات کے وقت چاند اور چمکتے تاروں سے مزین یہ آسمان...ستارے اور سیارے جو ہزاروں بلکہ لاکھوں سال سے آسمان کی فضا میں تیرتے پھرتے ہیں اور آسمان میں یوں آویزاں ہیں جیسے قندیلیں ہوں۔ ان کے درمیان بے حساب فاصلہ ہے جنہیں بڑی باریکی اور احتیاط سے حساب کیا گیا ہے۔ اگر ان کی رفتار کا حساب نہ رکھا جائے تو یہ ایک دوسرے سے ٹکرا کر فضاء میں بکھر جائیں...کون ہے وہ ذات جو ان کے فاصلوں کا حساب رکھتی ہے۔ ان کے مدار و محور کو منظم رکھتی ہے اور ان کی رفتار کا اندازہ مقرر کرتی ہے...؟ کیا آپ کو اس امر میں شک ہوتا ہے کہ ایک زبردست عظیم اور تدبیر کرنے والی قوت موجود ہے جس نے یہ نظام ترتیب دیا ہے۔ اس کا حساب بنایا ہے اور بڑی احتیاط سے زبردست قوت کے ساتھ ان اُمور کو چلا رہی ہے۔

بارش کو دیکھ لیں، زمین اور اُسے زرخیز بنانے میں اس کا کتنا تعلق ہے۔ اس سے نباتات اُگتے ہیں، پھول کھلتے اور پھل نکلتے ہیں اور ان پھلوں کو لوگ کھاتے ہیں... اگر کوئی آپ سے کہے کہ کسی نے انہیں وجود بخشا اور انہیں ہمارے واسطے مسخر کیا تو کیا آپ اس میں شک کریں گے؟ وہ کونسی ذات ہے جس نے ان کے درمیان تعلق پیدا کیا ہے؟...

انسان آلات یا حیوانات کے ذریعے زمین میں ہل چلاتا اور اس میں بیج بوتا ہے۔ جانوروں کے گوبر سے کھیتوں میں کھاد فراہم کرتا ہے۔ زمین میں بوئے ہوئے بیجوں کو بارش سیراب کرتی ہے۔ پھر فصل اُگنا شروع ہوتی ہے اور پھول نکلتے ہیں۔ پھر ہوا چلتی ہے یا حشرات کیڑے مکوڑے وغیرہ آتے ہیں جو بیج کے دانوں کو ایک پھول سے دوسرے پھول پر منتقل کر دیتے ہیں تاکہ پھل پک جائے اور پھر مزید ار پھل بن جائے...کون ہے جس نے کسان اور زمین، بارش اور پھول اور حشرات الارض کے درمیان تعلقات برقرار کئے۔ کیا آپ کو شک ہے کہ وہ اللہ ہے؟ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

کیا اس اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے؟

عقل ایک مدبّر، قدرت رکھنے والے، حکیم و دانا اور مہربان عالم و خالق کے موجود ہونے کا حکم دیتی ہے...اللہ نے ہماری عقلوں کو ایسے معارف سمجھائے ہیں کہ جن میں شک نہیں ہوسکتا۔ ان معارف کے ذریعہ ہمیں اللہ پر ایمان رکھنے کی طرف ہدایت ملتی ہے۔ چنانچہ ہم نے اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا البتہ کائنات میں پھیلی ہوئی اس کی نشانیوں میں چھان بین کرتے ہوئے اس کی معرفت حاصل کی ہے اور اس کائنات کا وجود اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ ہمارا خالق ہے۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ

عنقریب ہم انہیں آفاق میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے... (فصلت:۵۳)

روح، اللہ کی طرف ہدایت کرتی ہے:

بات کرنے سے پہلے ہم سابقہ آیت پوری کرنا چاہتے ہیں کہ:

وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

اور خود ان کی روح میں اللہ کی نشانیاں موجود ہیں، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ اللہ برحق ہے (فصلت:۵۳)

لیکن روح اپنے رب کو کیسے پہچانے گی...؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تحقیق کرنے میں تنہا حیران و پریشان نہیں چھوڑ دیا بلکہ اپنی کتاب قرآن مجید میں اس طریقہ کی وضاحت فرمادی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو جبکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز اور لائق حمد ہے (فاطر:۱۵)

برادر عزیز! کیا آپ میرے ساتھ مل کر یہ نہیں دیکھتے...کہ بنی نوع انسان کو زندہ رہنے کے لئے ہوا کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ ہم سانس لے سکیں۔ اگر ہوا نہ ہو تو سانس رک جائے اور ہم مر جائیں گے...ہمیں کھانا کھانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ہمارے جسم میں قوت و توانائی فراہم ہو ورنہ ہم بھوکے مر جائیں گے۔ یہاں تک کہ ہمیں اپنے جسم کی ترکیب میں دو آنکھوں کی ضرورت ہے جس سے ہم دیکھیں، دو کانوں کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ ہم سن سکیں۔ دو ہاتھوں کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ ہم کچھ بنا سکیں کام کاج کر سکیں اور کھیتی باڑی وغیرہ کر سکیں...ہمیں پاؤں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ہم چل سکیں...ہمیں ان سب چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے...البتہ وہ شئے جو ہمیں حرکت دیتی ہے اور ہمارے ہاتھوں کو کام کرنے، پاؤں کو چلنے پھرنے وغیرہ پر آمادہ کرتی ہے وہ ضرورت ہے...کیونکہ ہم کمزور ہیں...ہمیں بھوک لگتی ہے...ہمیں پیاس محسوس ہوتی ہے...سردی سے ہمارے جسم ٹھٹھرتے ہیں اور سورج کی تپش ہمیں جھلسا دیتی ہے...چنانچہ ہماری ضرورت و احتیاج ہمیں کام کرنے اور محنت کرنے پر آمادہ کرتی ہے تاکہ ہم ان ضروریات کو پورا کر سکیں اور ان خواہشات کی تکمیل کر سکیں...ہم کھانا مہیا کرنے کی کوشش اس لیے کرتے ہیں تاکہ پیٹ بھر سکیں اور پانی فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اسے پی کر پیاس بجھائیں۔ اور لباس کے حصول کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ہم اپنے جسم کو سردی گرمی سے بچا سکیں...

لیکن جس طرح ہمیں جسمانی طور پر احتیاج ہوتی ہے اسی طرح روحانی طور پر بھی ہمیں کچھ ضروریات اور احتیاجات ہوتی ہیں... علم کی ضرورت ہوتی ہے، قوت و طاقت اور قدرت کی ضرورت پڑتی ہے، عزت و سربلندی کی ضرورت پڑتی ہے، پیار و محبت کی احتیاج ہوتی ہے۔ ہم حسن و جمال کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔

یہاں تک کہ اگر ہم شکم سیر ہوں تو پھر بھی ایک دوسری بھوک باقی رہ جاتی ہے جو جسم کے اندر سے آواز دیتی ہے:

کون مجھے رات کی تاریکی میں خوف سے امن دے گا؟...

کون تنہائی میں میرا مونس و غم خوار ہو گا؟...

کون میرا شریک سِفر ہو گا؟...

تو دل کی گہرائیوں سے یہ آواز آتی ہے: ان لوگوں سے یہ حاجت طلب نہ کر جو فقر و غربت اور احتیاج میں تجھ جیسے فقیر و نادار ہیں، وہ بھی تیری طرح غریب ہیں... وہ بھی تیری مانند بھوکے ہیں... آپ اور مَیں اور ہم سب... تمام لوگ، تمام مخلوقات یہاں تک کہ بڑی سے بڑی مخلوقات بھی فقیر و محتاج ہیں... ہم اپنے فقر و احتیاج میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہم تو فقر و احتیاج کا گھر بنے ہوئے ہیں۔ ہمیں ایسی تونگری چاہیے جس کی کوئی حد نہ ہو، جو ہماری نہ ختم ہونے والی حاجات پوری کرے اور ہمارے اس فقر کا خاتمہ کرے جس کی کوئی حد نہیں ہے...

ہمیں ہر شئے کی احتیاج ہے۔ ہم اس ذات کے محتاج ہیں جس کے پاس سب کچھ دستیاب ہو اور وہ خود ہر شئے سے بے نیاز ہو... آپ کے خیال میں وہ کون ہے؟

آپ کے وجدان کی گہرائی اور دل سے یہ جواب آئے گا کہ بیشک وہی اللہ ہے جو ہر لحاظ سے غنی ہے جس کا مال و دولت بے حساب ہے اور اس کے فضل و کرم کی کوئی حد نہیں ہے...

امام سجاد علیہ السلام کے دعائیہ فقرے سنیئے:

اے پروردگار! تُونے اپنی مخلوق سے بے نیاز ہونے کی صفت کا مظاہرہ کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تیری ذات ان (مخلوقات) سے بے نیاز ہی ہے۔ اور تُونے ان میں فقر و احتیاج کو رکھ دیا ہے اور بے شک وہ تیری محتاج ہیں۔ چنانچہ جس نے اپنے فقر و افلاس کو دُور کرنے کے لئے تیری بارگاہ کا رُخ کیا اور اپنی احتیاج کو پورا کرنے کے لئے تیری ذات سے رجوع کیا تو اس نے اپنی حاجت کو اس کے محل و مقام سے طلب کیا، اس نے اپنے مقصد و ہدف تک پہنچنے کیلئے صحیح راستے کا انتخاب کیا۔ (صحیفہ سجادیہ)

اس کے علاوہ امام خمینیؒ اپنے فرزند سید احمد کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

..... اور اگر تم کائنات کی موجودات سے مخاطب ہو کر سوال کر سکو جو کہ بذات خود بھی محتاج ہیں، اے احتیاج رکھنے والی موجودات! تمہاری احتیاج و ضروریات کون پوری کرتا ہے؟ تو وہ سب زبانِ فطرت سے جواب دیں گی کہ ہم اس ذات کے

محتاج ہیں جو ہماری طرح وجود میں آنے کے لئے کسی کا محتاج نہیں بلکہ اس کا وجود تو کمالِ وجود ہے۔

اور پھر آپ فرماتے ہیں:

اور اس غنی مطلق سے تعلق پیدا کرو یہاں تک کہ اس کے غیر سے بے پرواہ ہوجاوٴ... (موعد اللقاء: تجلیات رحمانیہ: ص ۵۴ ـ ۵۵)

برادر عزیز! اپنے نفس پر غور کریں اور اس سے یہ سوال کریں کیا تو محتاج و فقیر ہے یا نہیں؟! تو وہ تمہیں جواب دے گا ہاں۔... تو پھر آپ اس سے کہیں کہ آوٴ پھر ہم سب غنی مطلق، سب سے زیادہ عظمت و فضیلت کے مالک اللہ عزوجل کی معرفت حاصل کرتے اور اس کے پاس پناہ لیتے ہیں کیونکہ اس کی معرفت میں ہی ہر طرح کی سعادت اور کمال ہے اور اس کی پناہ میں ہی ہر قسم کی احتیاج رفع ہوتی ہے۔

سبق کا خلاصہ:

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بنی نوع انسان اپنے گرد و پیش ہونے والے معاملات سے واقفیت حاصل کرسکتا ہے۔ اشیاء کے درمیان فرق کرسکتا ہے اور عقل جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہے وہ ایسی قوت ہے جس کے ذریعہ انسان اشیاء کا ادراک کرسکتا ہے۔ چنانچہ جب انسانی حواس بذات خود اللہ کی بارگاہ تک رسائی نہ کرسکیں تو عقل اس کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں میں تحقیق و جستجو کر کے معرفت اِلٰہی حاصل کرسکتی ہے۔

سوالات

۱- اس سبق میں موجود معرفت اِلٰہی کا مختصر طریقہ بیان کریں۔

۲- معصومؑ سے ایک حدیث بیان کریں جس میں یہ بیان کیا گیا ہو کہ انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فقیر و محتاج ہے۔

۳- صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں:

اَ- جوں جوں انسان کی ذہانت بڑھتی ہے وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہوجاتا ہے۔(   )

ب- کائنات کی عظمت، خالق کے عظیم ہونے کی دلیل ہے۔(   )

ج- انسان اور باقی مخلوقات کا محتاج ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔(   )

د- انسان اللہ تعالیٰ سے دُور ہوجاتا ہے کیونکہ وہ اپنی ذات کو دوسروں سے بے نیاز سمجھتا ہے۔(   )

مزید مطالعہ کیلئے

دوستی اور بھائی چارہ

سید محمد باقر (المعروف سید داماد) اور شیخ بہائی میں بڑی دوستی اور ایسا عجیب و غریب بھائی چارہ تھا جس کی مثال کم ہی ملتی ہے، بیان کیا گیا کہ ایک دفعہ سلطان شاہ عباس صفوی اپنے کسی کام کے سلسلے میں سفر پر نکلا۔ سید داماد اور شیخ بہائی بھی اس سفر میں اس کے ہمراہ تھے کیونکہ اکثر یہ دونوں اکھٹے رہا کرتے تھے۔ شیخ بہائی کے برعکس سید داماد بھاری جسم کے مالک تھے۔ کیونکہ شیخ انتہائی کمزور اور نحیف بدن کے مالک تھے۔ بہرصورت سلطان صفوی نے ان دونوں کے سچے جذبات کو آزمانا چاہا۔ چنانچہ وہ سید داماد کے پاس آئے جو ہجوم کے آخر میں اپنے گھوڑے پر سوار تھے اور ان کے بھاری بدن کی وجہ سے ان کے چہرے پر تھکن و کمزوری کے آثار ظاہر ہو رہے تھے جبکہ شیخ بہائی کا گھوڑا ہجوم کے آگے آگے اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے اس پر کوئی سوار بیٹھا ہی نہیں ہے۔

یہ دیکھ کر سلطان نے کہا، ہمارے آقا! کیا آپ ہجوم کے سامنے اس شیخ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے اپنے گھوڑے کو دوڑا رہے ہیں؟ اور لوگوں کے سامنے آپ کی طرح ادب اور احترام کے ساتھ باوقار انداز میں نہیں چل رہے ہیں۔ تو سید نے فرمایا، بادشاہ سلامت! ہمارے شیخ کا گھوڑا اپنے اوپر بیٹھے شخص کی محبت کی وجہ سے سست رفتاری سے نہیں چل سکتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کون اس پر سوار ہے؟

پھر وہ شیخ بہائی کے پاس آیا اور اس سے کہا، اے ہمارے محترم! کیا آپ پیچھے نہیں دیکھتے کہ اس سید نے گھوڑے کو تھکا دیا ہے۔ اور اپنے بھاری بھرکم جسم کی وجہ سے اسے بوجھل کر دیا ہے۔ حالانکہ عالم کو تو آپ کی طرح ہلکا پھلکا اور خوش مزاج ہونا چاہیے۔ تو انہوں نے جواب دیا، نہیں اے بادشاہ سلامت! بلکہ گھوڑے کے چہرے سے اس لیے تھکن ظاہر ہو رہی ہے کہ وہ اس علم کے وزن کو اٹھانے سے عاجز ہے جو اس پر سوار عالم کے سینے میں ہے۔ کیونکہ اس علم کو اُٹھانے سے تو بلند و بالا پہاڑ بھی اپنی مضبوطی اور سختی کے باوجود عاجز ہیں۔

جب سلطان مذکور نے اپنے زمانے کے دو علماء کے درمیان یہ مکمل محبت اور خالص پیار دیکھا تو لوگوں کے سامنے اپنے گھوڑے سے نیچے اُتر آیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کیا اور اپنا چہرہ مٹی پر رکھ کر اس عظیم نعمت الٰہی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

تیسرا سبق

- اللہ ہمیں اپنی طرف کیسے بلاتا ہے؟
- اللہ ہمیں اپنی طرف کیوں بلاتا ہے؟
- اس دعوت کی حقیقت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی طرف بلاتا ہے

دوسروں کا خیال

امام خمینیؒ اس حد تک دوسروں کے حقوق اور اخلاقیات کا خیال رکھتے تھے کہ جب وہ رات کی تاریکی میں نماز شب کیلئے اُٹھتے تھے تو ایک چھوٹی سی ٹارچ استعمال کرتے تھے جو بس تھوڑی سی روشنی دیتی تھی، کبھی کمرے کا بلب نہیں جلاتے تھے اور بہت احتیاط سے چلتے تھے کہ کہیں کسی کی نیند خراب نہ ہو۔

(آقائے بروجردی امام خمینی کے داماد)

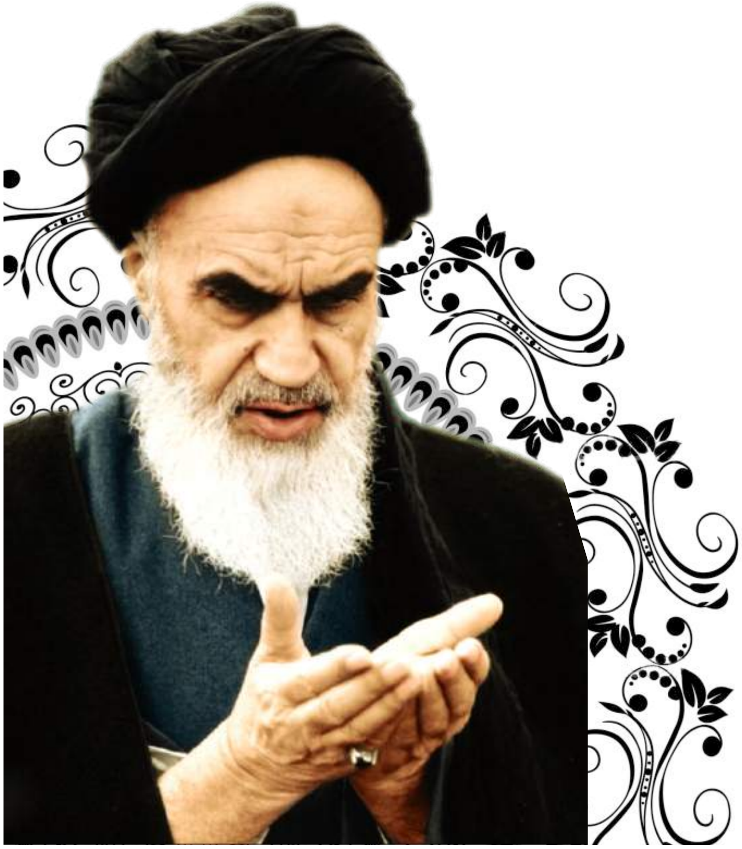

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ

تیسرا سبق

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی طرف بلاتا ہے

اللہ ہمیں اپنی طرف کیسے بلاتا ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمیں پیدا کیا اور ہماری تخلیق کا سبب بھی بیان فرمایا ہے کہ

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

مَیں نے جنات اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے (الذاریات: ۵۶)

اور اس کی تفسیر میں ارشاد فرمایا:

كنتُ كنزاً مخفياً أحببت أن أعرف

میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ میری پہچان ہو....

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ رب العزت جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اسے ہمیں پیدا کرنے کی حاجت نہیں، وہ ایسا کریم ہے جس کے کرم کی کوئی حد نہیں۔ ہم جو چاہتے ہیں وہ اس کے پاس موجود ہے اور وہ ہم پر اپنی جود و سخا کی بارش کرتا ہے۔ اس کائنات میں سب سے بڑی نعمت اللہ عزوجل کی معرفت ہے۔ چنانچہ اللہ نے ہمیں اس عظیم نعمت سے سرفراز کرنے کیلئے پیدا کیا ہے اور یہی ہماری خلقت کا ہدف و مقصد ہے۔ اللہ کے ہم پر کرم اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس نے ہمیں یہ نعمت عطا فرمائی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ

اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (کہدو) بیشک میں ان کے قریب ہوں (البقرہ: ۱۸۶)

اللہ تعالیٰ تو قریب ہے لیکن دُوری بندے کی طرف سے ہے... امام زین العابدین علیہ السلام دعا میں فرماتے ہیں:

(اے میرے پروردگار! مجھے یہ معلوم ہے) کہ تیری جانب سفر کرنے کا فاصلہ بہت قریب ہے۔ اور تُو اپنی مخلوقات سے مخفی نہیں ہوتا البتہ ان کے اعمال تیرے اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیتے ہیں۔ (دعائے ابوحمزہ ثمالی)

بلکہ اللہ ہمیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ وہ ہمیں اس لیے بلاتا ہے کہ ہم اس کی معرفت حاصل کریں۔ وہ ہمیں اپنی محبت کی طرف بلاتا ہے۔ وہ ہمیں روحانی طور پر اپنے قریب ہونے اور زیادہ معرفت حاصل کرنے اور اس معرفت سے لطف اندوز ہونے اور خوشحالی سے بہرہ مند ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ عزوجل نے ہر شئے میں اپنی قدرت وحکمت اور علم وکرم کی نشانی رکھ دی ہے۔ آئیے ہم امام زین العابدین علیہ السلام کا یہ فرمان سُنتے ہیں:

(اے پروردگار!) مَیں نے تجھے تیرے ہی ذریعہ سے پہچانا ہے، تو نے ہی اپنی جانب میری رہنمائی فرمائی ہے اور تو نے خود ہی مجھے اپنی جانب بلایا ہے۔ (سچ تو یہ ہے کہ) اگر تو نہ ہوتا تو میں نہ جان پاتا کہ تُو کون ہے۔ (دعائے ابوحمزہ ثمالی)

چنانچہ پوری کائنات پکار پکار کر اللہ کی طرف دعوت دے رہی ہے۔ ہمارے دلوں کی گہرائی میں ایک صدا بلند ہوتی ہے جو ہمیں اللہ کی جانب بلاتی ہے، یہ آوازِ فطرت ہے جیسا کہ امام کے دعائیہ کلمات ہیں کہ:

اے میرے مولا! تیرے بارے میں میری معرفت نے تیری جانب میری رہنمائی کی اور تجھ سے میری محبت تیری بارگاہ میں میری شفاعت کرنے والی ہے۔ (بحار الانوار: ج۹۵ ص۲۲۵)

کائنات میں موجود سب کچھ ہمیں اللہ کی جانب بلا رہا ہے اور کائنات میں موجود ہر شئے اللہ کی جانب ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ جب ہم دنیا میں موجود پھول، شہد کی مکھی، بیج کا دانہ، آسمان میں ستاروں کی کہکشاں اور اپنے جسم و جان میں جاری نظام پر غور وفکر کرتے ہیں تو ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب اشیاء اللہ تعالی کی نشانیاں ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے ہماری رہنمائی کر رہی ہیں۔ آئیے ہم یومِ عرفہ امام حسین علیہ السلام کی دعا سنتے ہیں:

....اے میرے پروردگار! آثار کے مختلف ہونے اور حالات کی تبدیلی سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ مجھ سے تیرا تقاضا یہ ہے کہ ہر شئے میں مجھے تیری معرفت حاصل ہو یہاں تک کہ کسی شئے میں تجھ سے ناواقف نہ رہوں۔

اللہ ہمیں اپنی طرف کیوں بلاتا ہے؟

اللہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان اور کائنات کے تمام امور کو چلاتا ہے اور ان کے معاملات کی تدبیر کرنا صرف اللہ کی دستِ قدرت میں ہے۔ وہی اس تمام نظامِ کائنات کو سنبھالتا ہے۔ چنانچہ وہ کائنات کو ایک نظم کے مطابق چلاتا ہے، وہ سورج اور چاند تخلیق کرتا اور انہیں ہمارے لئے مسخر کر دیتا ہے، وہ آسمان کو تھامے ہوئے ہے، بارش برساتا ہے اور کھیتی اُگاتا ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنے وجود کو برقرار رکھنے کیلئے جس چیز کی ضرورت ہے اللہ نے اسے ہمارے لیے تسخیر کر دیا ہے۔ اللہ ہی پروردگار ہے یعنی وہی تربیت

کرنے والا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اور تمام مخلوقات کی تربیت کرنا اس کے اختیار میں ہے ۔ وہی ذات ہے جو ہم سب کو ہمارے وجود کے ہدف اور سعادت تک پہنچاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے جس وقت سے ہم میں سے ہر کسی کو اس کے رحمِ مادر میں وجود بخشا ہے اس وقت سے لے کر اس جہان فانی سے انتقال کر جانے تک ہماری غذا کی فراہمی، ہماری تربیت اور ہماری جسمانی تکوین میں اور نشوونما کی ہے اور کسی لمحے وہ ہم سے غافل نہیں رہا ہے اور نہ ہی اس نے ہماری روحانی اور باطنی تربیت سے غفلت کی ہے ۔

چنانچہ جس طرح اللہ نے آسمان سے پانی برسایا ہے ۔ اسی طرح آسمانی کتب نازل فرمائی ہیں اور جس طرح اس نے روشن آفتاب اور چمکتا ماہتاب بنایا ہے اسی طرح اس نے دنیا میں انبیاء و رسل اور آئمہ علیہم السلام بھیجے ہیں ۔ بالکل اسی طرح اللہ ہمیں کھلاتا پلاتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الفاظ ہیں:

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ

وہ وہی ذات ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو مجھے شفا دیتا ہے (الشعراء: ۷۹، ۸۰)

اسی طرح وہی ہدایت دیتا ہے، تعلیم دیتا ہے اور تزکیہ کرتا ہے ۔

ارشاد ہوتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ

اور تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہیں تعلیم دے گا (بقرہ: ۲۸۲)

دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

بیشک اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے (النور: ۲۱)

اسی لیے ہم سید الساجدین حضرت زین العابدین علیہ السلام کو ملاحظہ کرتے ہیں کہ آپ اسی تربیت الٰہی کے بارے میں فرماتے ہیں:

اے میرے آقا! میں وہ چھوٹا بچہ ہوں جس کی تو نے پرورش کی ہے ۔ میں وہ ناواقف ہوں جسے تو نے علم سکھایا اور میں گمراہ ہو رہا تھا جسے تو نے ہدایت بخشی ۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ کی رحمت، اس کا لطف و کرم اور حکمت اور اس کا رب ہونا یعنی وہ ہمارا پالنے والا اللہ ہمیں اپنی طرف بلاتا ہے ۔ وہ ہمیں اس لیے پکارتا ہے کہ ہم اس کی معرفت حاصل کریں اور اپنی عقل و شعور اور قلب کی نسبت اس کے زیادہ قریب ہوں ۔

اسی لیے اس نے کتاب عزیز میں ان الفاظ کے ساتھ ہمیں اپنی طرف بلایا ہے تاکہ ہم اس کے زیادہ سے زیادہ قریب ہوسکیں ۔

ارشاد ہوتا ہے:

يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تمہیں پکاریں تو ان کی آواز پر لبیک کہو تاکہ وہ تمہیں زندگی بخشیں (انفال: ۲۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لیے بلایا ہے تا کہ ہمیں زندگی بخشے اور ہم زندہ لوگوں میں شمار ہوں...

اس دعوت کی حقیقت کیا ہے؟

سابقہ آیت (اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمہیں پکاریں تو ان کی آواز پر لبیک کہو تا کہ وہ تمہیں زندگی بخشیں) کو غور سے سُنو کیا آپ کے دل میں کوئی سوال اور تعجب پیدا نہیں ہوتا... کیا ہم زندہ نہیں ہیں... تو پھر اس" تا کہ وہ تمہیں زندہ کرے" سے کیا مراد ہے؟

تو آئیے جو زندگی ہم گزار رہے ہیں اس کے بارے میں غور و فکر کرتے ہیں تا کہ ہم ایک ساتھ اس حقیقت سے آگاہ ہو جائیں کہ... کبھی ہم اپنی کوتاہ نظر سے یہ دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ دل کی حرکت یا سانس لینا ہی زندگی ہے... طبی اعتبار سے یہ صحیح ہے... بعض دوسرے افراد کے نزدیک زندگی کی علامت کھانا پینا اور ازدواج کرنا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی نظر میں کہ جس نے موت و حیات تخلیق کی ہے۔ حقیقی زندگی کیا ہے...؟ کیا یہ حیوانیت والی زندگی حقیقی زندگی ہے؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کافروں کی سی زندگی کو ناپسند فرمایا ہے کیونکہ اس طرح کی زندگی جانوروں جیسی زندگی ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حقیقی زندگی تو عقل و شعور کے ساتھ روحانی زندگی ہے۔ بصورت دیگر جس کے پاس قوت سماعت تو ہے لیکن وہ اس سے استفادہ نہیں کرتا تو وہ بہرہ ہے اور جس شخص کے پاس قوت بصارت ہے اور وہ اسے استعمال نہیں کرتا تو وہ اندھا ہے۔ اس طرح وہ زندہ انسان جو اپنی زندگی سے فائدہ نہیں اُٹھاتا یعنی وہ اللہ کی ہدایت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور کلام الٰہی کو نہیں سنتا وہ مُردہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِيۡنَ

اے پیغمبر! بیشک آپ ان مُردوں کو اپنی آواز (نہیں) سنا سکتے، اور نہ ان بہروں کو جو پیٹھ پھیر کر چلے جائیں (النمل: ۸۰)

چنانچہ ایسی ارواح جو ایمان سے خالی ہوں اور جو ہدایت الٰہی کی پکار نہیں سنتیں یقیناً وہ مُردہ ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر ہم اللہ کی دعوت پر لبیک نہ کہیں اور ہدایت ربّانیہ کے انوار سے مستفید نہ ہوں تو ہم مُردہ ہیں۔ ہمیں اس موت سے نکل کر حقیقی زندگی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی ذات کی طرف توجہ دیں اور اس کے انبیاء اور اولیاء ؑ کے کلمات سنتے رہیں۔ اس طرح ہم جہالت سے نکل کر علم اور زندگی کے نور کی طرف آ جائیں گے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا

کیا جو شخص پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کیلئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے لوگوں میں (بے تکلف) چلتا پھرتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کی یہ حالت ہے کہ ہر طرف سے اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے کہ وہاں سے کسی طرح نکل نہیں سکتا۔ (الانعام: ۱۲۲)

خداوند تعالیٰ کے عطا کردہ نور کی روشنی میں زندگی گزارنے والا انسان اُس شخص سے بہتر ہے جو اندھیروں میں پھنسا ہوا ہے۔ کیونکہ واقعی طور پر یہ ایک ایسا عذاب ہے کہ جس پر نازل ہو رہا ہے وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اسے اس کے نازل ہونے کا احساس

ہوتا ہے۔ چونکہ وہ ذکرِ الٰہی سے منہ موڑ چکا ہے اس لیے وہ ہدایت پر مبنی آیات سنتا ہے نہ سزا کی تکلیف محسوس کرتا ہے نہ اس پر خوف سے کپکپی طاری ہوتی ہے۔ ارشادِ رب العزت ہے:

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى

اور جو میرے ذکر سے منہ موڑتا ہے اس کا روزگار تنگ ہو جاتا ہے اور روزِ قیامت ہم اسے اندھا محشور کریں گے (طٰہٰ: ۱۲۴)

جبکہ نیک لوگوں کی موت دراصل زندگی ہے... کیا اللہ تعالیٰ نے ارشاد نہیں فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً

جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو درحالانکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے اچھی زندگی عطا کریں گے (النحل: ۹۷)

اللہ ہمیں اس لیے بلاتا ہے تاکہ ہمیں حیاتِ طیبہ عطا فرمائے جو کہ اس حیوانی زندگی سے مختلف ہے یہ ایسی زندگی ہے جس میں ہم امن و سکون، سلامتی اور سعادت سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور یہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔ یہ وہ زندگی ہے جس میں ہمیں اللہ نعمتوں سے سرفراز تا ہے اور سب سے بڑی نعمت اس کا قرب ہے جو بندے کو حاصل ہوتا ہے۔

خاتمہ:

برادرِ عزیز! اگر اللہ تعالیٰ ہمارے جسموں کا پروردگار ہے جو ہمیں کھلاتا پلاتا ہے تو وہ ہماری ارواح اور عقول کا بھی رب ہے۔ وہ ہمیں تعلیم دیتا اور ہمیں ہدایت سے سرفراز کرتا ہے۔ کیا وہ ہم پر یہ حق بھی نہیں رکھتا کہ ہم اس کی بات سنیں اور اسے اپنا پروردگار تسلیم کرتے ہوئے اس کی اطاعت کریں۔ ارشادِ رب العزت ہوتا ہے:

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ

(اے پیغمبر!) آپ کہہ دیں کہ کیا میں غیر اللہ کو پروردگار بنالوں اور وہی تو ہر شئے کا مالک ہے اور جو کوئی (بُرا) کام کرتا ہے تو اس کا ضرر اسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ پھر تم سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا (الانعام: ۱۶۴)

سبق کا خلاصہ:

- بیشک اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کیا ہے اور اپنی کتاب قرآن کریم میں اس کا سبب بیان کر دیا ہے کہ اس نے اپنی عبادت کی خاطر مخلوق کو پیدا کیا ہے۔

- اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم اس کی معرفت سے بہرہ مند ہوں، اس سے محبت کریں اور اس کا قُرب حاصل کریں تاکہ اس کی زیادہ سے زیادہ معرفت اور قُرب ہماری سعادت اور کمال کا باعث بن سکے۔
- کائنات میں موجود ہر شئے ہمیں اللہ کی طرف دعوت دیتی ہے، پھول اور شہد کی مکھی سے لے کر بہتا پانی اور ساری کائنات اور سب کچھ جسے ہم دیکھتے ہیں ان سب پر اسمِ الٰہی کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔
- اگر ہم اللہ کی آواز پر لبیک نہ کہیں اور پروردگار کی طرف سے انوارِ ہدایت سے استفادہ نہ کریں تو ہم مُردہ ہیں۔ چنانچہ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم جہالت اور موت کے اندھیروں سے نکل کر اللہ کے نُور، علم اور حیاتِ طیبہ کی طرف آ جائیں۔

سوالات

۱-کیا کائنات کی ہر شئے ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی دعوت دیتی ہے؟ وضاحت کریں۔

۲-وہ حیاتِ طیبہ کیا ہے جس کی طرف اللہ ہمیں دعوت دیتا ہے؟

۳-صحیح یا غلط کی نشاندہی کریں:

اَ-انسان کی تخلیق کا بنیادی سبب اُسے جنت میں داخل کرنا ہے۔( )

ب-اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے شریعت اور پیغمبر بھیجے تاکہ وہ ہم پر صرف اتمام حجت کریں۔( )

ج-ہر انسان کی صرف ایک زندگی ہے۔( )

د-اللہ تعالیٰ جس زندگی کی طرف ہمیں دعوت دیتا ہے وہ سعادت سے بھرپور دائمی زندگی ہے۔( )

مزید مطالعہ کیلئے

سید بحرالعلوم، نراقی مرحوم کا امتحان لیتے ہیں:

بیان کیا جاتا ہے کہ ملا مہدی نراقی مرحوم کثیر علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے علم اخلاق اور تزکیہ نفس کے عنوان پر" جامع السعادات" نامی کتاب تالیف کی ہے۔ انہوں نے اپنی اس مذکورہ کتاب کا ایک نسخہ نجف اشرف میں سید بحرالعلوم کو ارسال کیا۔ اور کچھ عرصے بعد پھر خود بھی مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے کیلئے نجف اشرف تشریف لے گئے۔ علمائے کرام ان کے بلند مقام و مرتبہ کی تعظیم کرنے کیلئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن سید بحرالعلوم ان سے ملاقات کیلئے نہ آئے۔ کچھ روز بعد نراقی مرحوم، سید بحرالعلوم سے ملنے کیلئے گئے لیکن سید نے ان سے ملاقات میں گرمجوشی کا مظاہرہ نہ کیا۔ نراقی مرحوم ایک مرتبہ پھر سید بحرالعلوم سے ملنے ان کے گھر پہنچے اور ان کے ساتھ کچھ وقت گزارا۔ اس دفعہ بھی صورتحال پہلے سے زیادہ بہتر نہ تھی کیونکہ بحرالعلوم نے نراقی مرحوم کی آمد پر زیادہ توجہ نہ دی۔ نراقی اپنے گھر لوٹ آئے۔ نراقی ایک مرتبہ پھر بحرالعلوم سے یہ سوچے بغیر ملنے کیلئے آئے کہ ان کی ملاقات سے تو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور تیسری مرتبہ جب وہ سید کے گھر پہنچے اور ملاقات کی اجازت چاہی تو بحرالعلوم ننگے پاؤں ان کی زیارت کیلئے باہر آئے، ان سے بغل گیر ہوئے، ان کا بوسہ لیا اور پورے عزت و احترام سے گھر کے اندر لے گئے۔ احترام کے بعد سید نے نراقی سے خطاب کرتے ہوئے کہا، آپ نے علم اخلاق اور تزکیہ نفس کے موضوع پر ایک کتاب تحریر فرمائی ہے اور اس کا ایک نسخہ بطور ہدیہ ہمیں ارسال کیا تھا۔ میں نے بڑی احتیاط اور توجہ کے ساتھ اس کتاب کا آغاز سے لے کر اختتام تک مطالعہ کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس جیسی کتاب شاذ و نادر ہی دستیاب ہوتی ہے اور یہ بہت مفید کتاب ہے اور یہ معاملہ کہ جب سے آپ نجف اشرف میں تشریف لائے ہیں میں آپ کے استقبال اور ملاقات کیلئے حاضر نہیں ہوسکا اور جب میرے گھر تشریف لائے تو میں آپ کی عظمت کے مطابق خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکا تو میں نے یہ سب کام عمداً کیا تھا۔ تاکہ یہ معلوم کر سکوں کہ آپ نے جو کچھ کتاب میں لکھا ہے اس پر خود بھی عمل کرتے ہیں یا نہیں؟ آپ کے عمل سے یہ ظاہر ہوا کہ آپ تزکیہ نفس کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں اور صرف آپ کی کتاب ہی نہیں بلکہ آپ خود اپنے اخلاق سے دوسروں کو ہدایت دیتے ہیں۔

چوتھا سبق

- بابِ تلبیہ کیا ہے؟
- ہم کیوں پاک ہوں؟
- ہم کیسے پاک ہوں؟

(۱)

ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟

(طہارت کے ذریعے)

المھدیؑ

خمینیؒ بت شکن نے فرمایا

- بڑی طاقتوں خاص طور پر امریکہ نے پوری دنیا کو چبا جانے کیلئے جو دانت تیار کیے ہیں انہیں توڑ دیا جائے۔ اس وقت اشد ضرورت ہے کہ ہم دو راستوں میں سے کسی ایک راستے کو منتخب کرلیں یا شہادت کا راستہ یا فتح و کامرانی کا راستہ۔ اور ہمارے دین میں یہ دونوں راستے وہی ہیں جو ہماری کامیابی کی علامت ہیں۔
- مسلمانوں کی بدبختی کا سبب مغرب و مشرق سے وابستہ حکومتیں ہیں۔
- اسرائیل کا وجود عالم اسلام کے دل میں خنجر کی مانند ہے۔ یہ وہ سرطانی غدود ہے جسے کاٹ کر پھینک دینا چاہیے۔
- محرم الحرام وہ مہینہ ہے جس میں عدالت، ظلم کے اور حق، باطل کے مدمقابل اُٹھ کھڑا ہوا اور ثابت کردیا کہ تاریخ کے ہر دور میں حق کو باطل پر فتح نصیب ہوئی۔
- یہ سیدالشہداءؑ کا مقدس خون ہے جو تمام اسلامی امتوں کے خون میں جوش و حرارت پیدا کرتا ہے۔
- محرم کو زندہ رکھیں ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے اس محرم کی بدولت ہے۔

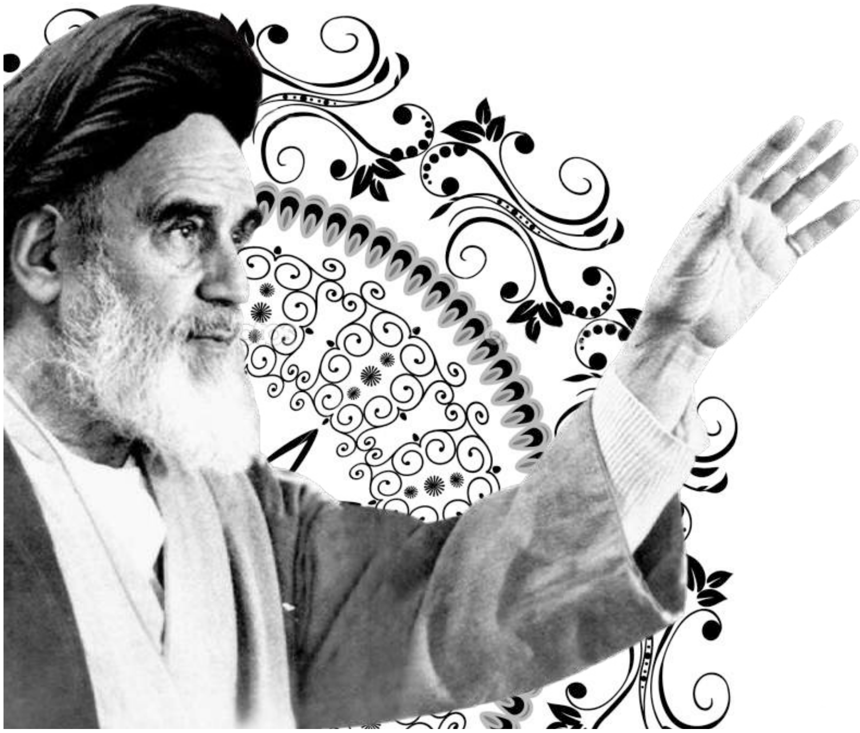

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ

چوتھا سبق

(۱)
ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟
(طہارت کے ذریعے)

مقدمہ:

گذشتہ سبق میں ہم یہ پہچان چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہم حقیقی زندگی بسر کریں اور یہ حقیقی زندگی اس ذاتِ الٰہی کی معرفت اور اس کا قُرب حاصل کئے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے ذات باری تعالیٰ نے ہمیں اپنی بارگاہ میں آنے کی دعوت دی ہے۔ اس کی ہم پر نظر شفقت اور عنایت کردہ عزت و احترام کو پہچانتے ہوئے اللہ کی دعوت پر حاضر ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس دعوت میں حاضر ہونے کے کچھ آداب ہیں۔ مثال کے طور پر طہارت، نماز، تلاوت قرآن، دعا اور جہاد وغیرہ۔ ہمیں اس سے پہلے کے مرحلہ اور دعوتِ الٰہی کو قبول کرنے سے پہلے اس دعوت کے آداب کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ جن میں سے پہلا ادب طہارت و پاکیزگی ہے۔

بابِ تلبیہ کیا ہے؟

گذشتہ اسباق میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں حقیقی خوشی اور سعادت کے متلاشی ہوتے ہیں اور ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ حقیقت جس کے لیے ہم وجود میں آئے ہیں اور وہ عظیم سعادت جس میں کوئی بدبختی اور بدحالی وجود نہیں رکھتی وہ معرفت الٰہی اور عبادت خداوندی ہے۔ کیونکہ اسی میں ہر طرح کی عظمت و سربلندی اور سعادت و خوشحالی ہے۔ جیسا کہ یہ بات گذر چکی ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعوت پر مدعو کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ دعوت دے کر ہمیں عزت و احترام بخشا ہے۔ اب ہمیں اس ضیافت کیلئے آمادہ ہونا پڑے گا کہ اب ہمیں اس عظیم عزت افزائی کیلئے تیار ہو جانا چاہیے کیونکہ اگر ایک عظیم اور جلیل القدر شخصیت ہم میں سے کسی کو اپنے پاس ضیافت پر مدعو کرے اور ہماری عزت افزائی کرنا چاہے۔ نیز ہم سے محبت کرے اور ہماری طرف سے بھی مہر و محبت کی خواہش رکھے تو ہم دیکھتے ہیں کہ

وہ شخص اس محبوب سے ملاقات کرنے کیلئے اپنے ظاہری روپ پر بڑی توجہ دیتا ہے، حسب ضرورت آرائش کرتا ہے، غسل کرتا اور خوشبو لگا تا ہے، صاف ستھرا لباس زیب تن کرتا ہے اور خوبصورت انداز میں دعوت میں شرکت کرتا ہے تاکہ اس کی توجہ اور خوشنودی حاصل کر سکے۔ اور اگر اسے معلوم ہو کہ دعوت کرنے والا میزبان کسی شئے کو ناپسند کرتا ہے تو وہ اس سے اجتناب کرتا ہے۔

پروردگار عالم بھی چاہتا ہے کہ ہم اس کی بارگاہ میں ہر ایسی شئے سے آراستہ ہو کر آئیں جس سے اس کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم ہر ایسی شئے کو اُتار پھینکیں اور دُور کر دیں جس سے وہ نفرت کرتا ہے۔

سب سے اہم بات جو وہ ہم سے چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم ہر قسم کے میل کچیل اور ہر قسم کی مادی اور روحانی غلاظتوں سے پاک صاف ہو جائیں۔ کیونکہ یہ ہمیں اللہ کی بارگاہ میں عزت و عظمت کے ساتھ حاضر ہونے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ ہمیں اپنی محبت و رضا حاصل کرنے کا راستہ دکھاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ

اس لیے اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے (بقرہ ۲۲۲)

اللہ تعالیٰ بہت زیادہ توبہ کرنے والوں، گناہوں اور جرائم سے پاک ہونے والوں سے محبت کرتا ہے۔ نیز وہ غلاظتوں اور نجاسات سے پاک ہونے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ

اس دنیا میں کچھ ایسے مرد ہیں جو یہ پسند کرتے ہیں کہ وہ پاکیزہ رہیں اور اللہ تعالیٰ پاکیزہ رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے (التوبہ: ۱۰۸)

ہم پاکیزگی کیوں اختیار کرتے ہیں؟

بلاشبہ مادی امور بھی معنوی امور کی ہی ایک صورت ہیں مثلاً اگر انسان اپنے جسم پر توجہ دینا چھوڑ دے، وہ غسل کرنا اور نہانا ترک کر دے، ایک عرصہ تک وہ یہی معمول بنالے تو اس کے درج ذیل نتائج برآمد ہوں گے:

۱- بدن میلا کچیلا ہو جائے گا اور اس کے اثرات اعضاء پر ظاہر ہو جائیں گے۔

۲- اس کے کپڑے میلے ہو جائیں گے اور اس کے روپ سے نفرت ہو جائے گی۔

۳- اس کے بدن اور کپڑوں سے آنے والی خوشبو بدبو میں تبدیل ہو جائے گی۔

اس تمام صورتحال سے جراثیم کثرت سے پیدا ہوتے ہیں جو بیماری کا سبب بنتے ہیں اور بسا اوقات انسان موت کے منہ میں جا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ لوگ اس انسان سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں اور وہ لوگوں سے دُور الگ تھلگ رہنے لگتا ہے جس سے بیماری کے سبب اس کا بدن اذیت و تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور لوگوں کے نفرت کرنے کی وجہ سے وہ دل میں کڑھتا رہتا ہے۔ چنانچہ جسمانی صحت برقرار رکھنے کیلئے صفائی کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ نیز

جسم کو بیماری میں مبتلا ہونے سے بچانے کیلئے صفائی اشد ضروری ہے۔اور قلبی و روحانی صحت و سلامتی کیلئے بھی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے۔
اسی لیے امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

صاف ستھرے کپڑے پہننے سے پریشانی اور غم دُور ہوجاتے ہیں نیز نماز کیلئے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔(الحقائق:ص ۲۱۰)

اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

بدترین انسان وہ ہے جو میلا کچیلا اور گندا رہتا ہو۔(ایضاً)

جسمانی صفائی اور صاف ستھرے کپڑے پہننے کی اہمیت کے حوالہ سے آپ ﷺ نے فرمایا:

پاکیزگی نصف ایمان ہے۔(ایضاً)

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے دو رُوپ ہیں:

پہلا: ظاہری اور جسمانی

دوسرا: باطنی اور قلبی

اس لیے کپڑوں اور بدن کی صفائی ظاہری پاکیزگی ہے جبکہ توبہ کرنا اور نیک عمل سرانجام دینا باطنی پاکیزگی ہے۔جیسا کہ اپنے اجسام اور کپڑوں اور کھانے پینے کی طرف توجہ کرنا ہم پر فرض ہے۔اسی طرح یہ بھی ہم پر فرض ہے کہ علم و معرفت کے حصول پر توجہ دیں تاکہ ہم اپنے باطن کو گناہوں اور جرائم سے آلودہ نہ کریں۔

چنانچہ ہم نجاسات جو کہ ظاہری اور مادی گندگیاں ہیں ان سے پانی کے ساتھ پاکیزگی حاصل کرتے ہیں اور ہم اپنے اجسام کی حفاظت کرتے ہیں اور لوگوں سے میل جول کے لائق ہوجاتے ہیں اور وہ ہم سے نفرت نہیں کرتے ہیں۔اسی طرح معنوی و باطنی نجاسات سے پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔

حدث جو کہ باطنی اور قلبی نجاست کا باعث بنتی ہے اور اس اہلیت اور استعداد کے حصول میں مانع ہوتی ہے کہ جس سے ہم نماز پڑھنے، دعا مانگنے یا بیت اللہ کا طواف کرنے کے قابل ہوتے ہیں اور کیونکہ خداوند متعال اس امر سے آگاہ ہے کہ پیشاب و پاخانہ، جنابت اور مس میت کے منفی اثرات ہیں جو عبادت کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ ہم ان رکاوٹوں کو کیسے دُور کریں۔

امام رضا علیہ السلام نے وضو کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

بندہ جب اپنے پروردگار کے سامنے اس کا مطیع و فرمانبردار ہو کر اس سے مناجات کرنے کے لئے آئے تو اسے غلاظتوں سے پاک ہونا چاہیے۔نجاست کے ساتھ ساتھ سُستی و کاہلی، اونگھنا چھوڑ کر دل کو پاک و صاف کر کے اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہو۔

ہم پاکیزہ کیسے ہوں؟

نجاست کی دو قسمیں ہیں: خبث اور حدث

خبث: وہ مادی نجاست ہے جو انسان کے بدن یا لباس پر لگ جاتی ہے اور یہ پیشاب، پاخانہ، خون منی، کتا، خنزیر، شراب، جو کی شراب (بیئر) اور مردار ہیں۔

حدث: یہ باطنی نجاست ہے جو انسان کے بعض کام کرنے کی وجہ سے واقع ہوتی ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

حدث اصغر: جس کے دُور کرنے کے لئے صرف وضو کی ضرورت پڑتی ہے، یہ نیند، پیشاب، پاخانہ اور بے ہوشی طاری ہونے کی وجہ سے واقع ہوتی ہے....

حدث اکبر: جس کو دُور کرنے کیلئے غسل کرنا پڑتا ہے، یہ جنابت اور مس میت وغیرہ ہیں....

خاتمہ:

پیارے دوست! آئیے جو کچھ بیان ہو چکا اس سے نصیحت حاصل کریں کہ انسان کی حقیقی زندگی کا تعلق اس کے قلب و باطن سے ہے نہ کہ اس کے جسم سے اسی لئے صرف جسم کی سلامتی اور ظاہری پاکیزگی اور صفائی ستھرائی کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ جسم سے بڑھ کر قلب و باطن کا پاک و طاہر ہونا ضروری ہے کیونکہ انسان کی حقیقت اس کے دل سے وابستہ ہے۔ اگر کوئی انسان خواہ کتنا ہی صاف ستھرا اور اپنے ظاہری روپ کا دھیان رکھنے والا ہو لیکن اگر وہ بدزبان ہو تو کیا وہ پاکیزہ ہوگا؟! اور اگر وہ ظالم اور سنگدل ہوگا تو کیا وہ پاکیزہ ہوگا؟!

جسم اور کپڑے کی صفائی ہوتی ہے اور دل و جان کی پاکیزگی ہوتی ہے۔ اس لئے ہمیں اللہ سے غفلت برتنے سے اپنے دلوں کو پاک کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنے دل کو توبہ کے پانی سے دھونا چاہیے اور ہمیشہ علم و نیک عمل اور صحیح عقیدہ کے ساتھ اس کو زندہ رکھنا چاہیے۔

اب ذرا سوچیئے! کیا ہم نے اپنے دل کو توبہ کے پانی سے دھولیا ہے؟ کیا ہم نے اپنی زبان کو غیبت اور جھوٹ کے گناہوں سے صاف کرلیا ہے؟ کیا ہم نے اپنی روح کو حسد اور کینہ سے پاک کرلیا ہے؟

جب آپ یہ عمل کرلیں گے تو آپ ان پاک رہنے والوں اور توبہ کرنے والوں میں شامل ہو جائیں گے جنہیں اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند کرتے ہیں۔

آپ کیسے وضو کریں؟

- وضو کی ابتداء میں:

۱۔ اپنے چہرے کو لمبائی میں بال اُگنے کی جگہ سے لے کر ٹھوڑی تک اور چوڑائی میں انگوٹھے اور درمیانی انگلی کے درمیان ایک مرتبہ دھونا کافی ہے۔

۲-اپنے دائیں ہاتھ کو کہنی سے لے کر انگلیوں کی طرف دھوئیں۔
۳-اپنے بائیں ہاتھ کو کہنی سے لے کر انگلیوں کی طرف دھوئیں۔
٤-اپنے سر کے اگلے حصے کا مسح کریں جس کی چوڑائی ایک انگلی سے کم نہ ہو۔
٥-اپنے دائیں ہاتھ کی اُنگلیوں سے دائیں پاؤں کے اوپر والے حصے کا اُنگلیوں کے سروں سے لے کر ٹخنوں تک۔
٦-اپنے بائیں ہاتھ سے بائیں پاؤں کے اوپر والے حصے کا انگلیوں کے سروں سے لے کر ٹخنوں تک۔

یاد رکھیں!

١-وضو کرنے سے پہلے یہ یقین کرلیں کہ اعضائے وضو پاک ہوں اور پانی کے پہنچنے میں کوئی مانع موجود نہ ہو۔
٢-پانی کا پاک اور مطلق ہونا واجب ہے نیز وہ غصبی بھی نہ ہو۔
٣-چہرے کو اوپر سے نیچے کی جانب دھوئیں،اس کے برعکس دھونا جائز نہیں اور ہاتھوں کو بھی کہنیوں سے انگلیوں کے سروں کی طرف دھوئیں،جبکہ اس کے برعکس عمل کرنا صحیح نہیں ہے۔
٤-سر کا مسح کرنے میں برعکس عمل کرنا جائز ہے۔

سبق کا خلاصہ:

اللہ تعالیٰ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی بارگاہ میں ہر ایسی خوبصورت شئے سے زیب وآرایش کرکے آئیں جو اس کے زیادہ سے زیادہ قُرب اور محبت کے حصول کا ذریعہ ہو۔اور ہم سے اس کی منشاء اور ارادہ یہ ہے کہ ہم ہر ایسی شئے کو چھوڑ دیں جو اسے ناپسند اور اس کی ناراضگی کا موجب ہو۔اس امر کی روشنی میں ہمیں چاہیے کہ طہارت و پاکیزگی حاصل کرنے کے بعد توبہ کرتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔

جسمانی صفائی ایک ایسا اہم کام ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہر وقت اور خصوصاً اس کے قُرب اور ملاقات کے وقت اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

اللہ پاک رہنے والوں اور توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

سوالات

۱-صفائی کے بارے میں تین احادیث لکھیں۔

۲-حدث اکبر اور حدث اصغر میں کیا فرق ہے؟

۳-صحیح یا غلط کی نشاندہی کریں:

اَ-اللہ تعالیٰ نے ہمیں صفائی کے حصول کیلئے وضو اور غسل کرنے کا حکم دیا ہے۔ (   )

ب-اولیائے خدا وہ ہوتے ہیں جو کبھی اپنے جسم کی طرف توجہ نہیں دیتے بلکہ اپنی روح کا خیال رکھتے ہیں۔ (   )

ج-وضو میں دو اعضاء کا دھونا اور دو کا مسح کرنا ہوتا ہے۔ (   )

د-دائیں اور بائیں ہاتھ کو تین مرتبہ دھونا واجب ہوتا ہے۔ (   )

مزید مطالعہ کیلئے

بوڑھا اور دو بچے

امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کا گزر ایک بوڑھے کے پاس سے ہوا جو وضو کر رہا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ بوڑھا صحیح طریقہ سے وضو نہیں کر رہا ہے۔ وہ اس وقت کمسن بچے تھے۔ لیکن دینی فریضۂ کی بناء پر ان معصومینؑ پر لازم تھا کہ اس کی ہدایت کریں اور اسے صحیح وضو کرنے کا طریقہ سکھائیں۔ لیکن سوال یہ تھا کہ اگر وہ اسے بتاتے ہیں کہ اس کا وضو صحیح نہیں ہے تو کہیں اسے ذہنی طور پر صدمہ نہ پہنچے اور ان کی طرف سے کی گئی اصلاح اس کے دل پر بُرا تاثر نہ چھوڑے کیونکہ ممکن تھا کہ وہ اس ہدایت کو اپنی تحقیر سمجھتا اور وہ ہٹ دھرمی پر اُتر آتا۔

دونوں بچوں نے کچھ دیر سوچا یہاں تک کہ ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ انہیں اس بوڑھے کو براہ راست ہدایت نہیں دینی چاہیے بلکہ غیر محسوس انداز سے اسے صحیح وضو کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ ان دونوں نے ظاہری طور پر آپس میں اختلاف کرنا شروع کر دیا۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ تم صحیح وضو نہیں کر رہے ہو۔

بوڑھا یہ منظر دیکھ رہا تھا بچے اس بوڑھے کے پاس آئے اور فرمایا: اے بزرگوار! آپ ہمارے درمیان فیصلہ کریں کہ ہم میں سے کون وضو صحیح کر رہا ہے۔ بوڑھا آمادہ ہوگیا۔ ان دونوں نے اس کے سامنے وضو کیا جبکہ بوڑھا انہیں وضو کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پھر انہوں نے پوچھا ہم میں سے کون صحیح وضو کر رہا ہے؟ بوڑھے نے کہا تم دونوں نے صحیح وضو کیا ہے لیکن یہ بوڑھا جاہل ہے جو صحیح وضو نہیں کرتا اور اب تم سے سیکھ چکا ہے۔

پانچواں سبق

- اللہ نے ہمیں نماز ادا کرنے کا حکم کیوں دیا؟
- نماز کی حقیقت کیا ہے؟
- حقیقی نمازی کون ہیں؟

(۲)

ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟

(نماز کے ذریعے)

فرمودات رہبر

- ایک نوجوان کو تین کام کرنے چاہئیں:

۱۔تحصیل علم ۲۔تزکیہ نفس ۳۔ورزش

- تنہائی کے جہنم کو کتاب کے ذریعہ بہشت بریں میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔
- خوش قسمت انسان وہی ہے جو دو چیزوں پر دسترس رکھتا ہو:

۱۔اچھی کتاب ۲۔ایسے دوست جو کتاب دوست ہوں

- ایسے افراد جو کتاب سے انس نہیں رکھتے وہ باتہذیب نہیں ہوتے۔
- انسانی سماج کے رشد و تکامل میں کتاب کی اہمیت کیلئے یہی کافی ہے کہ تمام الٰہی ادیان اور تاریخ بشریت کی عظیم شخصیات اس کتاب کے ذریعے ہی زندہ جاوید ہیں، انسانی معاشرے کے تمدنی روابط بھی کتاب کے ثقافتی رد و بدل اور کتاب کو اوڑھنا بچھونا بنانے سے قائم ہیں۔
- لوگوں کی امام حسینؑ سے محبت بقائے اسلام کی ضمانت ہے۔
- کربلا حادثہ نہیں بلکہ آئین زندگی ہے۔
- شہداء کی یاد منانا خود شہادت سے کم نہیں ہے۔

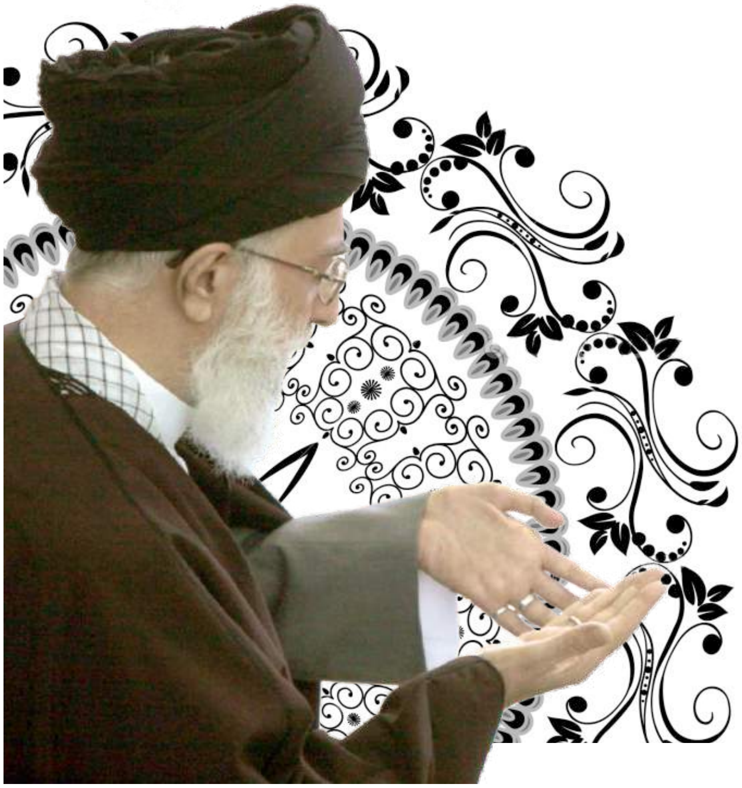

رہبر معظم سید علی خامنہ ای حفظہ اللہ

پانچواں سبق

(۲)

ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟

(نماز کے ذریعے)

مقدمہ:

اللہ زیادہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اس بحث کے بعد کہ ہم پاکیزگی کے حصول کیلئے اللہ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ اس دعوت کے اگلے مرحلے کی طرف بڑھتے ہیں اور وہ مرحلہ اللہ تعالی کی معرفت، اس کی جانب معراج اور ہر متقی و پرہیزگار کیلئے تقرب کا باعث ہے۔ اللہ نے سب سے زیادہ جس عمل کو انجام دینے کی تاکید کی ہے وہ نماز ہے۔ اللہ نے ہمیں یہ دعوت کیوں دی ہے اس کا سبب جاننے کے لیے بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

اللہ نے ہمیں نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیا ہے؟

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

اللہ نے مخلوق کو اس طرح پیدا فرمایا کہ اللہ بذات خود مخلوق کی اطاعت سے بے نیاز ہے اور ان کی معصیت و نافرمانی سے محفوظ ہے۔ کیونکہ مخلوق میں سے کسی کی معصیت اسے نقصان نہیں دے سکتی ہے اور نہ کسی کا اطاعت کرنا اسے کوئی فائدہ دیتا ہے۔ (بحارالانوار: ۶۴/ ۳۴۲)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ عزوجل یہ جانتا ہے کہ ہم دنیوی گھر میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور ان دنیوی مصروفیات، مشکلات و وسائل اور خواہشات میں ہم اپنی ذات کو بھی بھول جاتے ہیں اور بسا اوقات ہماری عمریں دنیوی زیب و زینت، لذات اور کھیل کود میں صرف ہو جاتی ہیں۔

دُنیوی غرور وتکبر، گھمنڈ، خود پسندی اور کھیل کو دُ ہمیں ایسے امور سے دُور کر دیتے ہیں جن امور کو سر انجام دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ ہم خالق کو ہی فراموش کر دیتے ہیں اور راہِ حق سے بھٹک جاتے ہیں۔ ہم صرف دُنیوی امور کی لذت اور شیرینی سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور عبادات کی لذت یعنی معرفت اِلٰہی سے محروم رہتے ہیں۔

حالانکہ ہمارا معنوی اور روحانی لذتوں سے محروم رہنا اللہ تعالیٰ کو کسی طور پسند نہیں ہے بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کے تقرب اور معرفت کے ذائقہ سے لطف اندوز ہوں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ وہ ہمیں غفلت اور نسیان کی وادیوں سے باہر نکال لائے اور اپنے ذکر، تقرب اور معرفت کے ذریعہ سے لہو ولعب سے دور کر کے اُنس ومحبت کی طرف لے آئے۔

ہمیں اللہ اور اپنے درمیان مضبوط رابطہ استوار رکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ ہمیں اللہ سے ایسا رابطہ رکھنے کی احتیاج ہے جو ہمارے قلوب کو سکون واطمینان مہیا کرے۔ اللہ جانتا ہے کہ ہمیں ایسی شئے کی ضرورت ہے جو ہمارے دل وجان کو غفلت ولاپرواہی اور گناہوں کی آلودگی سے پاک وصاف کر دے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل وکرم فرمایا، اپنے اور ہمارے درمیان دائمی رابطہ قائم رکھنے کے لئے ایک ذریعہ بنایا ہے اور وہ وسیلہ نماز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ

اور میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو (طٰہٰ: ۱۴)

اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز ہمارے دلوں میں یادِ خدا کو زندہ کرتی ہے اور ہمارے اس یقین کو مضبوط کرتی ہے کہ اللہ ایسا کریم معبود ہے جس نے نہ صرف ہمیں پیدا کیا ہے بلکہ بہترین انداز میں خلق کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ نماز ہمیں یقین دلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر مسلسل اپنی نعمتوں کی بارش کر رہا ہے۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کی ذات کا یہ لطف وکرم اور توجہ ہم سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ ہم اللہ کا ذکر کیا کریں۔ کسی لمحہ بھی اس کی یاد سے غافل نہ ہوں اور نہ ہی اس کو فراموش کریں۔ نماز پڑھنے کی ہمیں ضرورت ہے اس کی ذات تو پاک ومنزہ اور بے نیاز ہے۔

اور یہ بھی ہم پر اللہ کی ایک نعمت ہے کہ ہم اس کی عظیم نعمت کی بنیاد پر اس کی بارگاہ میں نماز ادا کریں۔ امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

ہم پر اللہ کی یہ عظیم نعمت ہے کہ اس نے ہماری زبانوں پر اپنا ذکر جاری فرمادیا ہے۔ (صحیفہ سجادیہ: ص ۴۱۸)

نماز کی حقیقت کیا ہے؟

سابقہ آیت میں نماز کو اللہ تعالیٰ کا ایسا ذکر قرار دیا گیا ہے جس کے ذریعہ سے انسان کا اللہ سے تعلق اور رابطہ قائم ہوتا ہے۔

ایسے اعمال وافعال جو ذکر الٰہی کو ہمیشہ باقی رکھنے کا سبب بنتے ہیں اور انسان کے پروردگار کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنے کیلئے روحانی و اخلاقی سرمایہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ اعمال ایک ایسا عامل تشکیل دیتے ہیں جو انسان کو بیدار کرتا ہے اور اسے اللہ کے تعیین کردہ صراط مستقیم پر چلنے میں رہنمائی کرتا ہے نیز اسے تباہی وبربادی اور گمراہ ہونے سے محفوظ رکھتا ہے وہ عامل تقویٰ ہے۔ نماز ہمیں غفلت اور دنیاوی لذتوں میں ڈوبنے سے خبردار کرتی ہے اور یہ ہمیں توجہ دلاتی ہے کہ ایک پروردگار موجود ہے، اور اسی طرح جنت بھی موجود ہے اور دوزخ بھی۔ اس

کے علاوہ کام کاج کرنے، سونے اور جاگنے کھیل کود اور مال و اسباب کی ذمہ داریوں کے علاوہ بھی ایک اہم ذمہ داری ہے جو ہماری ان مصروفیات سے کئی گنا زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ یہ ہمیں ہمارے وجود کے حقیقی اہداف و مقاصد یاد دلاتی ہے تاکہ ہم اپنی دوسری مصروفیات کے جھنجھٹ میں کہیں اسے فراموش نہ کر بیٹھیں۔ چنانچہ نماز کے ذریعہ سے ہم اپنے ربّ کا ذکر کرتے ہیں۔ نماز کے ذریعہ ہم اپنے اہداف و مقاصد تک پہنچتے ہیں اور نماز کے ذریعہ سے ہی ہم آخرت کو یاد رکھتے ہیں۔

نماز اصول دین کی عملی مشق اور توحید کی عملی تربیت ہے کیونکہ انسان کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنے اور صرف اسی کو لائق عبادت سمجھنے کا عملی ثبوت ہے۔ ہم نماز میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ (ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)۔ اور تشہد میں کہتے ہیں اشهد ان لا اله الا الله (مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں) اور دورانِ نماز تشہد میں ہم محمدﷺ کی نبوت کا زبانی اقرار بھی کرتے ہیں کہ اشهد انَّ محمداً عبده و رسوله (محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں)۔

عملی طور پر نماز پڑھ کر ہم اس چیز کا اظہار کرتے ہیں کہ جس ذات نے ہمیں نماز ادا کرنے کا حکم پہنچایا ہے اور ہمیں نماز پڑھنے کا طریقہ تعلیم کیا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے۔ نماز ادا کر کے ہم روزِ آخرت اور جنت و دوزخ پر اپنے ایمان کی عملی مشق کرتے ہیں۔ اس لئے ہم خشوع و خضوع کی حالت میں روزِ جزاء کا اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں (مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ) (تُو ہی روزِ جزاء کا مالک ہے)۔ اس کے متعلق امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

سب سے پہلے بندے سے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، اگر یہ قبول ہوگئی تو باقی اعمال بھی قبول ہو سکتے ہیں۔

حقیقی نمازی کون ہیں؟

انسان کے ذہن میں ایک سوال اُٹھتا ہے کہ آیا ہر وہ شخص جو تکبیرۃ الاحرام کہے، قراءت کرے، رکوع و سجود بجالائے، تشہد و سلام پڑھے کیا وہ اللہ کی بارگاہ میں نمازی شمار ہوتا ہے؟ یا نمازی کے لئے اللہ کی طرف سے کچھ شرائط بھی ہیں؟

اے برادر مؤمن! آپ کیا سمجھتے ہیں کہ نمازی کون ہیں...؟!

اللہ عزوجل نے نماز کا جو ہدف معین کیا تھا وہ یہ تھا کہ نماز ذکر الٰہی کا وسیلہ بنے۔ چنانچہ ہر وہ نماز جس میں اللہ کی ذات سے غافل رہا جائے۔ درحقیقت یہ نماز ہی نہیں ہے۔ چونکہ اس سے یہ غرض پوری نہیں ہوتی۔

اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ۙ الَّذِیۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ

ایسے نمازیوں کے لئے جہنم کی وادی (ویل) ہے جو اپنی نماز سے غافل ہوتے ہیں (الماعون: ۵)

چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی غفلت پر ان کی مذمت کر رہا ہے حالانکہ وہ نماز پڑھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو

اپنی غفلت اور لاپرواہی کے سبب اللہ تک نہیں پہنچتے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ

جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب بھی مت جاؤ یہاں تک کہ تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو (النساء: ۴۳)

اس آیت میں دنیاوی نشہ پر تنبیہ کی گئی ہے جس سے انسان کی توجہ قائم نہیں رہتی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ تو کیا ایسی نماز جس میں ہم مطالب اور معانی کی طرف متوجہ نہ ہوں اور دل میں خشوع نہ ہو تو کیا ایسی نماز حقیقی نماز ہو سکتی ہے؟

اگر ہم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم بھی حقیقی نمازیوں میں سے ہوں اور ہم پر اللہ کی حقیقی نظر کرم ہو تو ہمیں اپنی نمازوں میں اس طرح خشوع وخضوع کی حالت میں کھڑے ہونا چاہیے کہ ہمیں اس ذات کی عظمت وشان کا احساس ہو رہا ہو کہ ہم کس کے ساتھ کلام کر رہے ہیں۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ

اور ایسے لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع کرتے ہیں (المومنون: ۲)

کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام کی حالت یہ ہوتی تھی کہ

جب آپ وضو کرنے لگتے تھے تو خوفِ خدا کی وجہ سے آپ کے چہرہ اقدس کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔

اور آپ کی یہ حالت ہوتی تھی کہ جب نماز کا وقت ہوتا آپ کانپنے لگتے اور آپ کا رنگ تبدیل ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت مالک اشتر نے آپ سے اس بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا:

ایسی امانت کی ادائیگی کا وقت آ گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا کہ کون اسے اُٹھاتا ہے تو سب نے اس کا بار اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے خوفزدہ ہو گئے۔ (الحقائق: ص ۲۲۲)

یہاں تک نماز کے ایک پہلو پر بات کی گئی، اب دوسرے پہلو پر غور کرتے ہیں کہ حقیقی نماز وہی ہو سکتی ہے جس کا انسانی زندگی پر اثر دکھائی دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی نمازی وہ ہے جو نیک وصالح اور سیرت وکردار میں راہِ راست پر ہو۔ کیونکہ حقیقی نماز کے اثرات کی امید اس نماز سے ہوتی ہے جو ایک نیک اعمال انجام دینے والے انسان سے صادر ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ ۖ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ

اور نماز قائم کرو، بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی سے روکتی ہے (العنکبوت: ۴۵)

بدزبان انسان نمازی نہیں ہے، لوگوں کے مال ودولت کو لوٹنے والا، ان کی عزت وناموس اور شہرت سے کھیلنے والا، حرام کاموں کو حلال سمجھنے والا، مالِ حرام کھانے والا نمازی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ

جس کی نماز اسے بے حیائی اور بُرائی سے باز نہیں رکھتی اس کی نماز، نماز ہی نہیں ہے۔

نماز کے لئے کھڑے ہوں...

۱-وضو کرنے کے بعد قبلہ رُخ کھڑے ہو جائیں۔

۲- نیت کے ساتھ صرف ایک تکبیر کہیں، یہی تکبیرۃ الاحرام ہے۔

۳-سورہ الحمد پڑھیں۔

٤-کوئی دوسری مختصر سورہ کی تلاوت کریں مثلاً سورہ توحید پڑھیں۔

٥-تکبیر کہیں اور اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر جھک جائیں (رکوع کریں) اور کہیں سبحان ربّی العظیم وبحمدہ (میرا عظیم پروردگار بابرکت ہے اور اسی کے لئے حمد ہے)۔

٦-رکوع سے اپنا سر اُٹھائیں، پھر تکبیر کہیں اور سجدہ کرنے کے لئے جھک جائیں۔

٧-اپنے ساتوں مقامات سِجدہ- دونوں ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کے انگوٹھے اور اپنی پیشانی سجدہ میں رکھنے کے بعد کہیں سبحان ربّی الاعلیٰ وبحمدہ (میرا اعلیٰ ارفع پروردگار پاک ہے، تمام حمد اسی کی ہے)۔

٨-تکبیر کہیں اور اپنا سر سجدہ سے اُٹھائیں اور تھوڑی دیر سیدھا ہو کر بیٹھ جائیں پھر دوسرے سجدہ ادا کرنے کے لئے وہی تسبیح پڑھیں جیسا کہ پہلے سجدے میں پڑھ چکے ہیں۔

٩- دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوں اور بالکل اسی طرح عمل کریں جیسا کہ پہلی رکعت میں کر چکے ہیں بس فرق صرف اتنا ہوگا کہ اس میں تکبیرۃ الاحرام نہیں ہوگی۔ جب دوسرے سجدے سے فارغ ہوں تو دو زانو بیٹھ جائیں اور کہیں۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له و اشهد ان محمداً عبده و رسوله ، اللهم صل على محمد و آل محمد

اگر نماز ۳ یا ۴ رکعتی ہو تو کھڑے ہو جائیں ورنہ اس کے بعد یہ کہتے ہوئے نماز ختم کریں:

السلام عليك ايها النبى و رحمة الله وبركاته ، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، السلام عليكم و رحمة الله

قابلِ توجہ نکتہ:

۱- زمین یا زمین سے اگنے والی ایسی چیز پر سجدہ کیا جائے کہ جسے کھایا اور پہنا نہ جا سکتا ہو، اور یہ کہ وہ پاکیزہ ہو۔

۲- دورانِ نماز باتیں نہ کریں اور نہ ادھر اُدھر دیکھیں۔

۳-تکبیرۃ الاحرام ایک بار کہی جاتی ہے۔ اس سے زیادہ مرتبہ نہیں۔ اگر آپ دوسری مرتبہ تکبیر کہیں گے تو پہلی اور دوسری دونوں

تکبیریں باطل ہو جائیں گی۔

۴- اگر نماز تین یا چار رکعتی ہو تو دوسری رکعت میں دوسرے سجدے کے بعد تشہد پڑھنا کافی ہے۔ پھر مزید رکعتیں پوری کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ جبکہ قراءت میں یا اکیلی سورہ فاتحہ پڑھیں یا تین مرتبہ تسبیحات اِربعہ پڑھیں جو درج ذیل ہے:

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الّا اللہ واللہ اکبر جب آپ مطلوبہ رکعتیں پوری کرلیں تو تشہد وسلام پڑھیں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اور ہماری نماز قبول فرمائے۔ (آمین)

سبق کا خلاصہ:

اپنے دنیاوی معاملات کے سمندر میں ڈوبنے اور غرق ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ یہ جانتا ہے کہ ہمیں اس کے ساتھ ایک مضبوط و مستحکم رابطہ کی ضرورت ہے تاکہ ہم اس کی ذات سے غافل نہ ہوں۔ مزید یہ کہ ہمارے دل وجان مطمئن رہیں البتہ ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی ایسی شئے ہونی چاہیے جو ہمارے باطن (دل) کو پاک وصاف کردے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بڑے رابطہ کا ذریعہ ہے۔ نماز اصول دین کی عملی شکل اور عملی مشق ہے جسے ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

سوالات

۱- اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیا حالانکہ اسے ہمارے نماز پڑھنے کی احتیاج نہیں؟

۲- نماز میں کونسے امور کی طرف متوجہ ہونا واجب ہوتا ہے؟

۳- صحیح یا غلط کی نشاندہی کریں:

أ- نماز کے بعد سجدہ واجب نہیں ہے۔ (   )

ب- اللہ تعالیٰ نماز سے لا پرواہی کرنے والوں کے اعمال قبول نہیں کرتا ہے۔ (   )

ج- اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تمام نمازیوں کی نماز قبول کرلیتا ہے۔ (   )

د- نماز حرام کاموں سے بچنے کے لئے قوت فراہم کرتی ہے۔ (   )

مزید مطالعہ کیلئے

کیا وہ آزاد ہے یا غلام؟!

طبلے اور سارنگی کی دُھنیں بج رہی تھیں اور موسیقار شراب کے نشے میں مست ہو کر گا نے گا رہے تھے۔ اسی دوران گھر کا دروازہ کُھلا اور ایک کنیز کوڑا کرکٹ گلی میں پھینکنے کے لئے باہر نکلی۔ اچانک وہاں سے گزرنے والے ایک ایسے بزرگوار سے اس کا آمنا سامنا ہوا جس کے چہرے پر عبادت اور پرہیزگاری کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ اس بزرگوار نے کنیز سے پوچھا، اس گھر کا مالک آزاد ہے یا غلام؟ اس نے جواب دیا، آزاد ہے...

بزرگوار نے کہا، تم سچ کہتی ہو کیونکہ اگر وہ غلام ہوتا تو ضرور اپنے آقا سے خوف کھاتا۔

جب وہ کنیز گھر واپس گئی تو اسے دیر ہو چکی تھی۔ اس کے مالک نے پوچھا تمہیں دیر کیوں ہوئی؟

اس نے جواب دیا، گلی میں سے ایک بزرگوار گزر رہا تھا جس کے روپ سے نیکی اور تقویٰ کے آثار جھلک رہے تھے۔ اس نے مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھا اور مَیں نے اسے جواب دیا کہ وہ آزاد ہے۔

جب وہ اپنی بات ختم کر چکی تو اس نے کنیز کی باتوں پر غور کیا خصوصاً اس بات پر سوچا کہ اگر وہ غلام ہوتا تو اپنے آقا سے ضرور خوفزدہ ہوتا۔ یہ بات اس کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی۔ وہ اس بزرگوار کی تلاش میں ننگے پاؤں گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جب اس کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے۔ اس نے آپ کے سامنے اپنے گناہ سے توبہ کی اور اس دن کے بعد مرتے دَم تک کبھی پاؤں میں جوتی نہ پہنی۔ اس واقعہ سے پہلے وہ ابونصر بشر بن الحارث بن عبدالرحمن المروزی کے نام سے معروف تھا لیکن اس کے بعد وہ بشر حافی (ننگے پاؤں والا) کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اس واقعہ سے پہلے حارث گانے بجانے اور لہو و لعب کی محفلوں میں مشغول رہتا تھا لیکن امام علیہ السلام کی بات اس کے دل پر اثر کر گئی اور اس کی توبہ کا سبب بن گئی جس کی وجہ سے اسے معرفت نصیب ہوئی اور وہ عبادت گزار اور متقی و پرہیزگار شخص بن گیا۔

چھٹا سبق

- اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کیوں نازل کیا؟
- کیا قرآن کو پاس رکھنا اور اسے متبرک سمجھنا کافی ہے؟
- کیا آپ کو قرآن پڑھنے اور سُننے سے فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

(۳)

ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟

(اللہ کا کلام سُن کر)

اگر یہ شہداء نہ ہوتے . . .

طے تھا کہ رہبر انقلاب اسلامی ایک معین وقت پر کسی عالم دین کے گھر تشریف لائیں گے۔ ملاقات کا وقت پندرہ منٹ تھا۔ آپ وقت مقررہ سے پندرہ منٹ تاخیر کے ساتھ وہاں تشریف لائے، اس شخص نے کنایۃً حضرت سے کہا: آپ چند منٹ تاخیر سے تشریف لائیں ہیں۔ رہبر نے فرمایا: جی! میں اگر کبھی شہداء کے گھر والوں سے ملاقات کیلئے جاتا ہوں تو عموماً اگر ایک ہی گلی میں کئی شہداء کے گھرانے ہوں تو سب سے ملاقات کرتا ہوں ۔ پہلے کہا گیا تھا کہ جہاں ہم جارہے ہیں دو شہیدوں کے گھر موجود ہیں بعد میں معلوم ہوا، نہیں اور بھی ہیں لہٰذا تاخیر ہوگئی۔

یہ عالم دین پھر نہ سمجھے اور کہنے لگے اس طرح کا کام دلوں کو جذب کرنے کیلئے اچھا ہے! یعنی آپ لوگوں کے دلوں کو جذب کرنے کیلئے یہ امور انجام دیتے ہیں۔ قائد انقلاب اسلامی نے نہایت سنجیدگی کے انداز میں فرمایا: آپ اس کو جو بھی نام دے دیں لیکن جناب عالی کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر یہ شہداء اور ان کے خاندان نہ ہوتے، اگر ان کا پاک خون نہ ہوتا تو یہ عمامے ہمارے اور جناب کے سر پر نہ ہوتے۔

(حجۃ الاسلام والمسلمین موسوی کاشانی)

رہبر معظم سید علی خامنہ ای حفظہ اللہ

چھٹا سبق

(۳)

ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟

(اللہ کا کلام سُن کر)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کیوں نازل فرمایا؟

جیسا کہ گذشتہ سبق میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی نوع ِانسان کا پروردگار ہے جو کھانے، پینے اور پہننے وغیرہ اور ان جیسے تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اسی طرح ان کی روحانی و باطنی زندگی کا بھی انتظام چلاتا ہے تاکہ انہیں ایسے مقام پر پہنچائے کہ جہاں وہ اس کے تقرب سے بہرہ مند ہوں۔ چنانچہ وہی ذات بابرکت انسان کے جسم و جان اور عقل و روح کی پرورش کرنے والی ہے۔ اللہ نے انسان کو اپنی طرف بلایا ہے تاکہ بنی نوع ِانسان اس کی معرفت حاصل کرے۔ چونکہ اسے ظاہری آنکھ سے دیکھنا محال ہے اور انسان کو اپنے محبوب سے پیار کرنا چاہیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انسان کی وحشت و تنہائی کو دُور کرنے کیلئے چاہتا ہے کہ وہ انسان سے کلام اور خطاب کرے۔ کیونکہ اس خطاب کے ذریعہ سے ایک طرف جہاں اللہ سے محبت پیدا ہوتی ہے تو دوسری طرف انسان اللہ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے۔

قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے خطاب کرنا پسند کیا ہے۔ تاکہ اس کے الفاظ و کلمات کے ذریعہ اس کی معرفت حاصل کریں اور اس طرح یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے علم و حکمت سے بہرہ مند ہونے کا وسیلہ ہے۔ یہ اپنے مضمون کے اعتبار سے ایک ایسا خط ہے۔ جس کو اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کیلئے واضح طور پر ارسال کیا ہے۔

یہ عقل و روح کیلئے دعوت اور واضح بیان کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

بیشک یہ قرآن اللہ کی طرف سے ضیافت ہے اس لیے جس قدر ہو سکے اس کی ضیافت سے علم و حکمت حاصل کرو۔ (وسائل الشیعہ: ۴/۸۲۶)

قرآن کریم جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکل کر معرفت ِالٰہی کے نور کی طرف آنے کا وسیلہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

(قرآن) ایسی کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو تاریکیوں سے نور کی طرف لے آؤ (ابراہیم:۱)

اور یہ قرآن روحانی امراض کے علاج کیلئے نسخہ ہے۔ ارشاد قدرت ہوتا ہے:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اور ہم قرآن میں ایسی آیات نازل کرتے ہیں جو شفاء اور رحمت ہیں (الاسراء:۸۲)

قرآن کریم وہ کلام الٰہی ہے جو ہماری عقل وفہم کے عین مطابق ہے کیونکہ ہم قرآن کریم کی پُرحکمت آیات سے خدا کی حکمت کو پہچانتے ہیں اور ان آیات کی عظمت سے عظمتِ الٰہی کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ اس کی برتری وسربلندی سے اللہ کے اعلیٰ مقام ومرتبہ اور اس کے غلبہ سے آشنا ہوتے ہیں۔ اور اس کی شیریں بیانی سے اللہ کی مہربانی اور لطف وکرم سے آگاہ ہوتے ہیں۔

کیا قرآن کو پاس رکھنا اور اسے متبرک سمجھنا کافی ہے؟

بعض لوگ اپنے پاس قرآن کریم کے نسخے رکھ لیتے ہیں۔ ان کو خوبصورت بناتے ہیں۔ بسا اوقات اس پر سونے اور چاندی کا کام کرتے ہیں، اس کے لیے رحل اور صندوقچے تیار کرواتے ہیں۔ بعض اوقات انہیں مخصوص مقامات پر رکھ دیتے ہیں اور اس سے گرد وغبار صاف کر دیتے ہیں۔ اور کبھی اپنی حفاظت اور مصیبتوں اور مشکلات سے بچنے کی خاطر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور کبھی کبھار اسے پڑھ بھی لیتے ہیں۔

رب العالمین کے کلام کو بابرکت سمجھنا، اسے وسیلہ بنانا اور حفاظت طلب کرنا فطری طور پر ایک پسندیدہ امر ہے لیکن قرآن کریم صرف اس مقصد کیلئے نازل نہیں ہوا۔ بلکہ اگر ہم صرف یہی کام کریں تو اس طرح کرنے سے قرآن کریم کی اہانت کا پہلو ظاہر ہوتا ہے۔ اور جو شخص قرآن کریم سے اس طرح کا سلوک روا رکھتا ہے تو اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جس کو عظیم سخی اور کریم بادشاہ کی طرف سے اس شرط پر ایک معزز محفل کی دعوت دی جائے کہ وہ اس عظیم بادشاہ کے حضور میں وہاں آنے اور بیٹھنے کے اصول وآداب کی خصوصی طور پر پابندی کرے گا۔ یہ وہ شخص ہے کہ اس کے سامنے اس دعوت میں حاضر ہونے، وہاں آنے کے مقصد اور حاضر ہونے سے مستفید ہونے کی کیفیت واضح کردی جائے۔ لیکن جب وہ انسان اس دعوتی کارڈ کی زیب وزینت دیکھے اور یہ ملاحظہ کرے کہ اس پر شہنشاہ عالم کی مہر لگی ہوئی ہے تو وہ اس کا بوسہ لے، اس کیلئے ایک چوکھٹا، شیشہ اور ایک فریم تیار کروائے اور اس خط کو اس ڈبہ میں رکھ دے۔ اور اس ڈبے کو اپنے گھر کے سامنے والے حصہ میں رکھ دے تاکہ اپنے مہمانوں کے سامنے اس پر فخر ومباہات کر سکے لیکن وہ اس خط کو نہ تو پڑھے، نہ دعوت قبول کرے اور نہ ہی دعوت کے ادب وآداب کا خیال رکھے...

وہ اس خط کے بھیجنے والے سے خوش ہو، اور خط ملنے کے بعد اس پر نقش ونگار بنانا شروع کردے اور جب اس خط کو پڑھے تو صرف زبان سے الفاظ کو ادا کرتا چلا جائے اور اپنے کانوں سے صرف ان الفاظ کو سنے لیکن اس خط کے مفہوم کو نہ سمجھے... اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کے الفاظ اللہ تعالیٰ کا کلام اور نور ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کی قرأت، کتابت اور صرف اس کی طرف نظر کرنے میں بھی فائدہ

ہے ۔البتہ قرآن کریم کو نازل کرنے کا مطلب صرف دیکھنے یا سننے یا قرأت کرنے سے کہیں بلند ہے ۔ چنانچہ قرآن کے اہداف اوراس کی برکت اس سے کہیں زیادہ ہے ۔پس آئیے ہم ان فوائداور برکات کی معرفت حاصل کرنے کیلئے ان کے بارے میں تحقیق کریں ۔

ہم تلاوت قرآن کریم سے کیسے استفادہ کرسکتے ہیں؟

قرآن کریم کے نازل کرنے کے اہداف میں سے یہ ہے کہ یہ ہمیں حق کی طرف رہنمائی کرے، اللہ کی معرفت تک پہنچائے اوراس کے ساتھ ہمارے تعلق کو مضبوط اور مستحکم بنائے اور اللہ کے راستے پر چلنے میں ہماری مدد کرے ۔اسی لیے ارشاد قدرت ہے:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ

بیشک یہ قرآن ایسے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ محکم ہے (اسراء: ۹)

قرآن کریم میں دینی احکام، بشارت اور خوف خدا اور وعظ ونصیحت کا بیان ہے ۔اس میں دنیا وآخرت کے احوال بیان کئے گئے ہیں اس کے علاوہ سابقہ اُمتوں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں تاکہ ہم اس سے عبرت حاصل کریں ۔اس میں ختم نہ ہونے والے علوم ومعارف موجود ہیں ۔اس لیے صرف پڑھنا یا سننا ہی مقصد نہیں ہے ۔بلکہ جیسا کہ چراغ کی قدر وقیمت یہ ہے کہ رات کی تاریکی میں اس سے روشنی حاصل کی جائے تاکہ راستہ دکھائی دے ۔اسی طرح یہ واضح نور ہے ۔جو جہالت وگمراہی کے اندھیروں سے نکالتا ہے ۔اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مقصد اس کی آیات میں غور وفکر کرنا اور اس پر اس طرح عمل کرنا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور جنت کے حصول کا شوق پیدا ہوجائے ۔دل دنیا کے ساتھ تعلق سے منہ موڑلے ۔قرآنی آیات نفسانی وروحانی بیماریوں کا علاج ہیں ۔اس لیے جو شخص قرآن میں تدبر نہیں کرتا اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو ڈاکٹر کے پاس اس لیے جاتا ہے کہ وہ اس کا علاج معالجہ کرے ۔ڈاکٹر اسے علاج کیلئے دواؤں کا نسخہ لکھ کر دیتا ہے ۔وہ شخص ڈاکٹر سے نسخہ لے کر اسے چومتا ہے اور اپنے سر پر رکھتا ہے ۔پھر اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے اوراس پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اسے بیماری سے نجات مل جائے گی ۔بعینہ یہی حال تارکین قرآن کا ہے کیونکہ قرآن شفا بخش الٰہی نسخہ ہے جو ہر بیماری اور مرض سے نجات دیتا ہے لیکن اس شخص کو جو اس نسخے پر عمل کرے ۔

خاتمہ:

برادر عزیز! آئیے ہم بھی قرآن کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔کیونکہ جب ہم اس کی معرفت حاصل کرلیں گے تو ہم اسے اپنا ساتھی بنالیں گے اور جب ہم اُسے اپنا دوست بنالیں گے تو ہمیں اس سے اُنس و پیار ہوجائے گا۔اس طرح ہمارا اس سے ایسا تعلق قائم ہوجائے گا جو اس کے اعلیٰ اہداف ومقاصد تک پہنچادے گا۔اس کے بعد ہم کبھی وحشت وتنہائی محسوس نہ کریں گے ۔امام سجاد (ع) سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

اگر مشرق ومغرب میں بسنے والی تمام مخلوقات موت سے ہمکنار ہوجائیں لیکن اگر قرآن میرے پاس ہو تو میں کبھی تنہائی محسوس نہ کروں گا ۔

ہم اور قرآن:

١- قرآن کو نجس کرنا جائز نہیں ہے اور اسی طرح اس کی بے حرمتی اور اہانت کرنا بھی جائز نہیں ۔

٢- طہارت (وضو، غسل یا تیمم) کئے بغیر قرآن کے حروف اور اعراب زبر، زیر، پیش وغیرہ کو مس کرنا جائز نہیں ۔

٣- مجنب کیلئے سات آیات سے زیادہ تلاوت کرنا مکروہ ہے ۔

٤- قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے طہارت سے ہونا مستحب ہے ۔

امیر المومنین (ع) سے روایت ہے کہ

جو قاری قرآن ... نماز کے علاوہ طہارت کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرے گا ۔ اسے پچیس نیکیاں ملیں گی اور جو طہارت کے بغیر تلاوت کرے گا اسے دس نیکیاں ملیں گی ۔

٥- مسواک کرنا مستحب ہے ۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے کہ

قرآن کے راستے کی صفائی کرو ۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول ﷺ! قرآن کا راستہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا آپ لوگوں کے منہ ۔ پوچھا گیا کس چیز سے صاف کریں؟

آپ ﷺ نے فرمایا مسواک سے ۔

٦- قبلہ رُخ ہونا ۔

٧- شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ کر تلاوت شروع کرنا ۔

کیونکہ ارشاد قدرت ہے:

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

پس جب تم قرآن کی تلاوت کرو تو پہلے شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لو (النحل: ٩٨)

٨- قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر خوبصورت آواز میں پڑھنا ۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے روایت ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے خوبصورت آواز میں تلاوت کرنے کے سوا اونچی آواز میں بولنے کی اجازت نہیں دی ۔

٩- روزانہ کم از کم پچاس آیات کی تلاوت کرنا ۔ کیونکہ جن گھروں میں تلاوت قرآن ہوتی ہے وہ ملائکہ کی نظروں میں روشن ہوتے ہیں ۔ اسی لیے حدیث شریف وارد ہوا ہے:

تلاوت قرآن سے اپنے گھروں کو منور کرو ۔

اس کی آیات اور سورتوں کو زبانی یاد کرنے کی کوشش کرنا ہمارا فرض ہے ۔

سبق کا خلاصہ:

قرآن کریم ایک ایسا وسیلہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے کلام کرنے کیلئے پسند فرمایا ہے کہ وہ اس کی معرفت حاصل کریں۔ دوسری طرف سے یہ روح اور عقل کیلئے دعوت وضیافت ہے۔علاوہ ازیں یہ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آتا ہے۔

اسی بناء پر قرآن کریم کو اپنے پاس رکھ لینا یا ہمارا اس کو سجانا اور مزین کرنا کافی نہیں کیونکہ قرآن اس مقصد کیلئے نازل نہیں ہوا۔بلکہ اس کا ہدف صرف اس کی زیارت کرنے یا سننے یا قرأت کرنے سے کہیں زیادہ ہے۔بلکہ قرآن کے اہداف اور اس کی برکت اس سے بہت زیادہ ہے۔اور وہ یہ ہے کہ اس سے معرفت اور ہدایت لی جائے اور اپنی دنیوی واخروی امور کی اصلاح کی جائے۔

سوالات

۱- قرآن کریم کے حوالے سے ہماری کیا ذمہ داری ہے؟

۲- ہم قرآن کریم سے کیسے استفادہ کر سکتے ہیں؟

۳- صحیح یا غلط کی نشاندہی کریں:

ا۔ علم تجوید، اہم ترین قرآنی علوم میں سے ہے۔ ( )

ب- قرآن کریم کی طباعت اور اس کو انتہائی خوبصورت بنانا اہم ترین کام ہے۔ ( )

ج- قرآن میں غور وفکر کا مطلب کثرت سے قرأت کرنا ہے۔ ( )

د- جب آپ بغیر وضو کے ہوں تو صحیفہ (قرآن) کو اُٹھانا جائز نہیں۔ ( )

مزید مطالعہ کیلئے

رہبر معظم آیت العظمیٰ خامنہ ای دام ظلہ کا زُہد اور انکساری

مجلس شوریٰ میں تہران کے نمائندہ حجتہ الاسلام والمسلمین سید اکبر حسین کہتے ہیں:

حضرت آیت العظمیٰ خامنہ ای دام ظلہ سے انتہائی قریبی تعلقات کی بناء پر میں نے انہیں ایک ایسا سچا اور حقیقی زاہد و عبادت گذار شخص پایا جو آخرت سے لو لگائے ہوئے ہے۔ ان کی شخصی زندگی میں اس قدر سادگی اور زہد و تقویٰ پایا جاتا ہے کہ بعض اوقات عام لوگوں کیلئے اس حقیقت کو سمجھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

زخمیوں کے علاج معالجہ سے متعلق انقلاب اسلامی کے ادارہ کے ڈائریکٹر برادر محسن رفیق کہتے ہیں:

جب آپ (خامنہ ای) اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر تھے تو اس وقت آپ کے گھر میں ریفریجریٹر تک موجود نہ تھا۔ یہ دیکھ کر مَیں نے ان کیلئے ایک ریفریجریٹر مہیا کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ خراب ہو گیا لیکن انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں کسی پر بھی یہ ظاہر نہ کیا کہ ان کا ریفریجریٹر خراب ہو گیا ہے اور انہوں نے اپنی صدارت کا پورا دور اس کے بغیر ہی گزار دیا۔

ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ رہبر معظم کے گھر میں ایک پھٹا پرانا قالین بچھا ہوا تھا۔ مَیں نے ان کی غیر موجودگی میں وہ قالین وہاں سے لپیٹ کر بازار میں فروخت کر دیا اور اپنے ذاتی مال میں سے کچھ رقم شامل کر کے نیا قالین اور کچھ تکیے وغیرہ خرید کر لایا اور ان کے گھر میں وہ قالین بچھا دیا۔ لیکن جب آپ گھر واپس تشریف لائے تو مجھ سے پوچھا، محسن یہ کیا ہے؟! مَیں نے جواب دیا، ہم نے پرانا قالین تبدیل کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا تم نے غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ اس لئے جاؤ اور وہی پرانا قالین واپس لے آؤ۔ ہم بازار گئے اور بمشکل اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے اور اسے آپ کے گھر میں واپس لے آئے۔

ساتواں سبق

- دعا کیوں کی جائے؟
- کیا اللہ کو ہماری دعاؤں کی ضرورت ہے؟
- دعا کرنے سے کب فائدہ ہوتا ہے؟

(۴)

ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟

(دعا کے ذریعے)

علم کی جستجو

آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہریؒ کے ایک سوانح نگار ان کی علمی پیاس اور جستجو کے بارے میں لکھتے ہیں:

کتاب میں دلچسپی پانچ سال کی عمر میں ہی مرتضیٰ میں دیکھی جانے لگی۔ اس عمر میں وہ اپنے والد کی لائبریری میں چلے جاتے اور ترتیب سے رکھی ہوئی کتابوں کو خراب کر دیتے۔

ان کے بھائی ان دنوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

ہماری والدہ کہتی ہیں: گرمیوں کے ایام تھے، چاند کی چودھویں یا پندرھویں کی رات تھی، نیند سے بیداری ہوئی تو دیکھا مرتضیٰ بستر پر نہیں ہیں۔ میں بہت پریشان ہوئی سوچا شاید بیت الخلاء گیا ہوگا لیکن وہاں بھی نہیں تھا۔ سب کو بیدار کیا اور سب جگہ اسے تلاش کرنا شروع کر دیا۔ صبح کے وقت دیکھا گاؤں کا ایک کاشتکار اسے بغل میں اٹھائے لا رہا ہے۔ ہم نے پوچھا یہ کہاں تھا؟ اس مرد نے کہا: میں گلی سے گزر رہا تھا کہ دیکھا یہ بچہ مکتب خانے کے دروازے پر سر زانوؤں میں رکھے بیٹھا ہوا ہے۔ کتاب اس کی بغل میں تھی اور وہ نیند کی حالت میں تھا۔ ماں نے کہا: بیٹا اس وقت مکتب خانے کیوں گئے تھے؟ کہنے لگا: میں جب بیدار ہوا تو دیکھا روشنی ہو چکی تھی، میں نے سمجھا صبح ہو گئی ہے، لہٰذا مجھے مکتب خانے جانا چاہیے۔ تو میں مکتب خانے چلا گیا۔

آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہریؒ

ساتواں سبق

(۴)

ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟

(دعا کے ذریعے)

مقدمہ:

گزشتہ اسباق میں طہارت، نماز اور تلاوت قرآن کے متعلق بحث کرنے کے بعد اس سبق میں ہم خدا کے ساتھ رابطہ استوار کرنے کے ایک اور وسیلے کے متعلق گفتگو کریں گے۔ یہ خدا کے ساتھ رابطہ برقرار کرنے اور اس کی بارگاہ میں گڑ گڑانے کا ایک آزادانہ وسیلہ ہے کہ جس میں ہر وقت اور ہر جگہ جب بھی ہم ضرورت محسوس کریں خدا کے ساتھ رابطہ برقرار کر سکتے ہیں۔ اس میں نماز کی طرح خاص اوقات اور خاص قرآنی الفاظ کی کوئی قید نہیں ہے۔ پس جب بھی ہم ضرورت محسوس کریں اور دل میں خدا کی طرف توجہ کا احساس کریں تو خدا کے ساتھ گفتگو کا آغاز کر سکتے ہیں۔

دعا کرنا کیوں ضروری ہے؟

ہم میں سے ہر فرد کے اندر ایک وجدانی احساس موجود ہے۔ مجھے اور آپ کو بھوک لگتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں کھانے کی ضرورت ہے۔ مَیں، آپ اور سب لوگ بیمار ہوتے ہیں اور ہمیں علاج معالجہ اور دوا کی ضرورت پڑتی ہے۔ مجھے اور آپ کو سردی اور گرمی لگتی ہے اور ہم درد و تکلیف اور خوف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہم اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہیں اور اس چیز کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں گرم اور ٹھنڈا رکھنے والی، یا کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا تمام وجود اپنی تمام تفصیلات کے باوجود ضرورت مند اور محتاج ہے.... کیا آپ نے غور کیا کہ یہ سب کیوں ہوتا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اللہ عزّوجل کے مقابلے میں محتاج ہیں۔ یعنی وہ غنی بالذات ہے اور ہم فقیر بالذات ہیں۔ اس نے ہمیں

اپنے دَر کا گدا اور محتاج پیدا کیا ہے تا کہ ہمارے لئے اس کی بارگاہ میں متوجہ ہونے کا کوئی نہ کوئی محرک وسبب موجود ہو اور ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر گریہ وزاری کریں تا کہ ہم فقر وفاقہ سے محفوظ رہیں اور مصائب ومشکلات میں اسے پکاریں اور اس سے ملنے کے شوقین رہیں۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

اے لوگو! تم (سب) خدا کے محتاج ہو۔ اللہ بے نیاز اور حمد وثناء کے لائق ہے (الفاطر: ١٥)

اللہ تو بے نیاز ہے.... اور ہم نہ صرف احتیاجات اور ضروریات میں گھرے ہوئے ہیں بلکہ ہمارا پورا وجود ہی فقر اور احتیاج کا مجسمہ ہے.... ہم اپنی غربت وتنگدستی کو دُور کرنے کے لئے کس کے پاس جائیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ

اور تمہارے ربّ نے فرمایا: مجھے پکارو، میں تمہاری دعا سنتا ہوں.... (غافر: ٦٠)

اللہ تعالیٰ ہمیں اس امر کی دعوت دیتا ہے کہ ہم اپنی ضروریات کو پورا کرنے اور ہر قسم کی ضروریات کو دُور کرنے کے لئے اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ وہ ہماری دعاؤں کو قبول کرنے کی ضمانت دیتا ہے اور اس کا وعدہ فرماتا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنے عہد وپیمان کو پورا کرنے والا ہے؟ صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے آخر میں اس انسان کو متکبرین میں شمار کرتا ہے جو اس سے دعا نہیں کرتا۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ

اور یقیناً جو لوگ میری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے (غافر: ٦٠)

اس سے ثابت ہوا کہ دعا کرنا ہمارے احساسات وجذبات کا فطری اظہار ہے کہ بحیثیت انسان ہمیں اللہ کے وجود کا یقین ہے۔ وہی مال ودولت، عظمت وکمال اور جود وسخا کا منبع ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ کو ہماری دعاؤں کی ضرورت ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین کتاب میں فرمایا ہے:

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا

اے نبیؐ! آپ کہہ دیں اگر تم (اللہ کو) نہیں پکارتے تو میرا پروردگار بھی تمہاری کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ تم نے اس کی تکذیب کی ہے چنانچہ اس کی سزا تمہیں ضرور ملے گی (الفرقان: ٧٧)

اس آیت میں اس سوال کا جواب موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے، ہماری عبادت سے اور ہماری دعاؤں سے بے نیاز ہے۔ اسے ان کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ انسان کو اللہ کی ذات اور اس سے دعا مانگنے کی احتیاج ہے۔ اگر دعا نہ ہوتی تو اللہ ہماری طرف متوجہ نہ ہوتا اور نہ ہی

ہماری کوئی پرواہ کرتا۔

ہم خدا کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے، اپنی احتیاجات اور فقر کو رفع کرنے کیلئے دعا کرنے کے محتاج ہیں۔ چنانچہ جس طرح ہمیں اپنی ضروریات و حاجات پوری کرنے کیلئے اللہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح دعا میں بھی ہم اس کے محتاج ہیں۔ کیونکہ دعا کے ذریعہ سے ہم اللہ کی معرفت حاصل کرتے ہیں، اس کی ذات کو اپنے قریب دیکھتے ہیں اور اپنے ساتھ اس کے تعلق کو مستحکم کرتے ہیں۔ دعا کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ ہمیں دعا کے ذریعہ سے اللہ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ ہماری ضروریات و حاجات پوری ہوتی ہیں اور تیسرا یہ کہ ہمیں اللہ کی معرفت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ اس کے قُرب کی مٹھاس سے لذت اُٹھاتے ہیں اور اس کا وہ فضل و کرم ملاحظہ کرتے ہیں جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِی عَنِّی فَإِنِّی قَرِیبٌ

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو یقیناً میں قریب ہوں (البقرہ: ١٨٦)

اللہ قریب ہے اس لیے وہ سنتا ہے۔ وہ حاجت کو جانتا ہے اور اسے پورا کرنا اس کے دست قدرت میں ہے۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

أُجِیبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو مَیں اس کی پکار سنتا ہوں (البقرہ: ١٨٦)

سوال یہ ہے کہ جب خدا ہمارے دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے تو پھر وہ کیوں ہم سے چاہتا ہے کہ ہم اس سے دعا کریں اور پکاریں کیا وہ ہماری احتیاجات کو نہیں جانتا؟ تو اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے: فَلْیَسْتَجِیبُوا لِی

تاکہ تم میری آواز پر لبیک کہو (البقرہ: ١٨٦) یعنی خدا بندے کی پکار سننا چاہتا ہے تاکہ

وہ دعا مانگ کر اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرے کیونکہ اس طرح اس کے ایمان کو تقویت ملتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلْیُؤْمِنُوا بِی لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُونَ

اور انہیں مجھ پر ایمان لانا چاہیے تاکہ وہ ہدایت حاصل کریں (البقرہ: ١٨٦)

دعا مانگ کر ہم اپنے مبدأ وجود سے آگاہ ہوتے ہیں جو کہ اللہ کی ذات بابرکت ہے۔ ہم اس کی بے نیازی سے واقف ہوتے ہیں۔ ہم اپنے فقر و احتیاج کا اقرار کرتے ہیں اور اس کے فضل و کرم، قدرت اور رحمت پر ایمان کی مشق کرتے رہتے ہیں۔

اس طرح کرنے میں اپنی مخلوق سے باخبر اللہ کی حکمت پوشیدہ ہے۔ اس میں ہماری تربیت کا موقع میسر آتا ہے تاکہ ہم مقصد تخلیق کو پورا کرسکیں اور ہمیں بے نیاز ہونے کا احساس و شعور ہی نہ ہو اور ہم سرکشی و نافرمانی کے مرتکب نہ ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى

(مگر) انسان سرکش ہو جاتا ہے، وہ اپنے آپ کو غنی سمجھتا ہے (العلق: ٦،٧)

ایک سبب یہ ہے کہ ہم اپنے خالق کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے اس کی بارگاہ میں سعی وکوشش کرتے ہوئے اس سے مربوط رہیں اور ہم اسکے وجود، فضل و کرم اور رحمت سے اپنے احساس کی گہرائی میں جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے:

افضل العبادة الدعا بہترین عبادت دعا کرنا ہے۔ (وسائل الشیعہ: ٤/ ١٠٨٨)

اس سے معلوم ہوا کہ فقر وغربت، ضرورت واحتیاج، مصائب وآلام اور مشکلات جو ہم پر گزرتی ہیں وہ ہم پر یہ عیاں کردیتی ہیں کہ ہم کتنے کمزور اور اپنے اہداف کو حاصل کرنے میں کس قدر قاصر ہیں۔ چنانچہ دعا ہمیں اللہ تعالیٰ سے رابطہ میں رہنے کا عادی بنادیتی ہے۔ ہمارے نفس کی اصلاح کرتی ہے تاکہ ہم اپنے نفس کو پاک کرکے اس کی معرفت حاصل کریں نیز اس نفس کے پرودگار اور خالق کی معرفت حاصل کرسکیں تاکہ یہ اللہ سے مربوط ہوجائے اور ہم اپنی کمزوری اور گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے نفس میں پائی جانے والی سرکشی ونافرمانی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکیں... اس نفس کی اصلاح اور اس کو امراض سے شفایاب کرتے ہوئے ہم اللہ کی بارگاہ میں جانے کی رغبت رکھتے ہیں۔

دعا انسان کے دل میں اپنے ربّ سے محبت کا بیج بوتی ہے۔ یہ اللہ کے جمال اور فضل و کرم سے ہمارے شعور واحساس کو تقویت دیتی ہے۔ امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الدعا سلاح المومن وعمود الدین و نور السماوات والارض دعا مومن کا ہتھیار ہے، یہ دین کا ستون اور آسمانوں وزمین کا نور ہے۔ (الکافی: ٤٦٨)

دعا کب فائدہ دیتی ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا

اور اللہ سے اس کے فضل و کرم کا سوال کرو۔ بیشک اللہ ہر شئے کو بخوبی جانتا ہے (النساء: ٣٢)

انسان کی کچھ ایسی ضروریات اور حاجات ہوتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے پر موقوف کررکھا ہے اور کچھ ایسے روحانی و باطنی مقامات ومراتب ہیں جنہیں دعا کئے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اے میسر! دعا مانگا کرو اور یہ نہ کہا کرو کہ جو ہونا ہے وہ پہلے سے طے ہوچکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسے درجات ومراتب ہیں جنہیں سوال کرکے ہی حاصل کرسکتے ہو۔ اگر کوئی بندہ اپنی زبان بند رکھے اور اللہ سے سوال ہی نہ کرے تو اسے کچھ عطا نہیں کیا جاتا ہے۔ اس لئے تم اللہ سے مانگو تاکہ تمہیں عطا کیا جائے۔ اے میسر! کوئی دروازہ ایسا نہیں ہے کہ اسے کھٹکھٹایا جائے اور وہ دستک دینے والے کے لئے کھول نہ دیا جائے۔ (الکافی: ٢/ ٤٦٦)

البتہ قبولیتِ دعا کے لئے یہ شرط لازم ہے کہ انسان اپنی ضرورت وحاجت کی تکمیل کے لئے عملی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اور یہ کہ انسان جو دعا مانگے اس میں کوئی مصلحت کارفرما ہو۔ اگر اجابتِ دعا میں تاخیر ہوجائے تو انسان اللہ تعالیٰ پر یہ ایمان رکھے کہ اللہ اپنے بندے کے لئے وہی اختیار کرتا ہے جو اس کے لئے مفید ترین ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر اس کی قبولیت میں تاخیر ہوجائے تو اس میں بھی اللہ کی

کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے معصوم علیہ السلام نے فرمایا:

(اے اللہ!) شاید میری اجابت دعا میں تاخیر میرے حق میں بہتر ہو کیونکہ تیری ذات تمام امور کے انجام سے باخبر ہے۔
(تہذیب الاحکام: ۳/ ۸۹)

ہمارا فرض ہے کہ ہم دعا مانگتے ہوئے گریہ وزاری کریں۔اس کے ساتھ ساتھ اپنا عملی فریضہ بھی سرانجام دیں، نہ یہ کہ ہم گھر میں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے قبولیتِ دعا کا انتظار کرتے رہیں۔کیونکہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

بغیر عمل کے دعا مانگنے والے کی مثال بغیر کمان کے تیر چلانے والے جیسی ہے۔

یہ بھی ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی قلبی توجہ مبذول کرنے کیلئے مناسب حالات سے استفادہ کریں۔اس کے علاوہ دعا کرتے ہوئے انسان کو باطہارت ہونا چاہیے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم یہ یقین رکھیں کہ جس کام کے لئے دعا کر رہے ہیں وہ جلد پورا ہو جائے گا۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

جب تم دعا مانگو تو یہ گمان کرو کہ تمہاری حاجت تمہارے دروازے پر موجود ہے۔(الکافی: ۲/ ۴۷۳)

اس کے علاوہ ہمیں دعا کرتے وقت خدا کی بارگاہ میں آہ وزاری اور خشوع وخضوع پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔کیونکہ ارشاد ہوتا ہے:

تم اپنے پروردگار سے گریہ وزاری کرتے ہوئے تنہائی میں دعا مانگا کرو۔

حدیث قدسی کے الفاظ ہیں:

اے عیسیٰ! مجھ سے ایسے دعا کرو جیسے پانی میں غرق ہونے والا غمگین دعا کرتا ہے کہ جس کی دعا سننے والا کوئی نہ ہو۔اے عیسیٰ! اپنے دل میں میرے لیے عاجزی پیدا کرو اور تنہائیوں میں میرا اکثر ذکر کیا کرو۔ یاد رکھو! میری خوشی اس امر میں ہے کہ تو میری طرف اُمید بھری نگاہوں سے دیکھو، تُو اس دنیا میں زندہ رہو لیکن بظاہر مُردہ ہو جاؤ اور مجھے اپنی دُکھ بھری آواز سناؤ۔

ہمیں چاہیے کہ ہم دعا کیلئے افضل اوقات خصوصاً شب جمعہ سے استفادہ کریں۔

چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے: اللہ تعالیٰ ہر شب جمعہ آغاز شب سے آخر شب تک ندا دیتا ہے۔۔کیا کوئی ایسا مومن بندہ ہے جو طلوع فجر سے پہلے میری بارگاہ میں اپنے گناہوں سے معافی کا طالب ہو اور میں اس کے گناہ معاف کردوں؟ کوئی بندہ مومن ہے کہ جس کی روزی میں نے تنگ کر رکھی ہو وہ طلوع صبح سے قبل مجھ سے وسعت رزق طلب کرے میں اس کی روزی میں وسعت عطا کروں؟ آیا کوئی بیمار مومن ہے جو مجھ سے طلوع صبح سے پہلے شفا کا طالب ہو تو میں اسے شفا دے دوں،؟ کوئی قیدی وغم زدہ مومن ہے جو صبح جمعہ سے پہلے مجھ سے سوال کرے تو میں اسکو قید سے رہائی دے کر اس کا غم دور کروں؟ آیا کوئی مظلوم مومن ہے جو طلوع صبح سے پہلے ظالم کے ظلم کو دور کرنے کا مجھ سے سوال کرے تو میں اس کیلئے ہر ظلم کرنے والے سے انتقام لوں اور اس کا حق اسے دلادوں، پس وہ فرشتہ جمعہ کی صبح طلوع ہونے تک اسی طرح آواز دیتا رہتا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ طلوع فجر تک یہ ندا دیتا رہتا ہے۔(روضۃ الواعظین ص ۳۳۳)

خاتمہ:

اس لیے میرے بھائی! آؤ ہم بھی اس دروازے سے غافل نہ ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کھول رکھا ہے اور اس نے اپنی ذات پر یہ لازم قرار دیا ہے کہ اگر ہم اس سے مانگیں تو وہ ہمیں عطا کرے اور جب ہم اس سے دعا کریں تو وہ ہماری دعا مستجاب کرے۔ یعنی ہم بھی دعا کرنا ترک نہ کریں اور اپنے آپ کو عادت ڈالیں کہ ہر نماز میں باقاعدگی کے ساتھ دعائے قنوت پڑھیں۔ دعائے قنوت ہر نماز کی دوسری رکعت میں سورہ الحمد اور دوسری سورہ پڑھنے کے بعد رکوع سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ ہمیں دعائے قنوت میں آئمہ اہلبیت علیہم السلام سے منقول دعائیں پڑھنا چاہئیں یا ایسی دعائیں پڑھیں جو قرآنی آیات پر مشتمل ہوں۔ اس لیے آئیے ہم ان قیمتی اوقات سے فائدہ اُٹھائیں اور شب جمعہ مساجد میں حاضر ہوں تاکہ وہاں دعائے کمیل کی محفل میں شریک ہوسکیں۔ خود دعائے کمیل پڑھیں اسکے عظیم معانی و مفاہیم میں غور و فکر کریں۔ اسی طرح بدھ کی شب بھی مساجد میں جائیں تاکہ دعائے توسل کی محفل میں شرکت کرسکیں اور اللہ کی بارگاہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے پاک اہلبیت علیہم السلام سے توسل کرسکیں جو بارگاہِ ایزدی میں ہمارا وسیلہ ہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو اس کا عادی بنانے کیلئے دلوں سے اُٹھنے والی سرکشی کو مہار کرنا چاہیے اور کوشش کرنا کہ اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔

سبق کا خلاصہ:

۱- ہم محتاج اور فقیر ہیں، اللہ نے ہمیں ایسا اس لیے بنایا ہے تاکہ ہم اس کی طرف متوجہ ہوں۔
۲- دعا معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہے اور اللہ سے رابطہ کو مستحکم کرنے کا وسیلہ ہے۔
۳- دعا ایک ایسا مکتب ہے جس میں انسان کی تربیت ہوتی ہے اور اپنے پروردگار کے ساتھ اس کا تعلق پروان چڑھتا ہے۔

سوالات

۱- دعا کی قبولیت کیسے ہوتی ہے؟
۲- دعائے کمیل کا ایسا فقرہ بیان کریں جو انسان کی فقیری اور اللہ عزوجل کی بے نیازی اور کرم کو ظاہر کرتا ہے۔
۳- غلط یا صحیح کی نشاندہی کریں:
أ- جو انسان اللہ سے دعا نہیں کرتا وہ متکبر ہے۔( )
ب- اگر اللہ تعالیٰ فوراً انسان کی دعا قبول نہ فرمائے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی۔( )
ج- ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالی سے صرف اپنے ضروری اور بنیادی امور کے سلسلہ میں دعا کریں۔( )
د- اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی مطلوبہ چیز دے دیتا ہے اگرچہ وہ دعا نہ بھی کرے۔( )

مزید مطالعہ کیلئے

مورچۂ شہید سید عباس موسویؒ

.....دشمن کے جنگی ہوائی جہاز دھواں اُڑاتے ہمارے سروں کے اوپر سے گزر رہے تھے۔ میرے ساتھیوں نے فوراً مجھے اشارہ کیا کہ میں ایک اوٹ کے پیچھے چھپ جاؤں تاکہ صیہونی دشمنوں کے طیارے مجھے دیکھ نہ پائیں... ہمیں وہاں زیادہ دیر نہ رکنا پڑا یہاں تک حالات پرسکون ہو گئے... معمولی گفتگو کے بعد کمانڈر نے ہمیں حکم دیا کہ قریبی مورچہ سید عباس میں پناہ لے لیں... مجھے اس نام سے انسیت ہوگئی اور مجھے اس امر میں کوئی شک نہ رہا کہ شہید سید عباس موسوی اپنی عظیم جہادی زندگی کے مراحل میں یہاں تشریف لائے ہوں گے۔ کیونکہ وہ وقتاً فوقتاً جنگی محاذوں پر آیا کرتے تھے۔ وہ مجاہدین کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کے مسائل اور مشورے سنتے تھے اور مجاہدین بھی ان کی ہدایات کو بغور سنتے تھے۔ البتہ یہ بات قابل توجہ ہے کہ شہید عباس موسوی ہرگز اس مورچہ میں نہیں آئے، انہوں نے کبھی یہاں نماز نہیں پڑھی اور نہ کبھی مجاہدین کے ساتھ بیٹھے لہٰذا یہ سوال اپنی جگہ بجا ہے کہ یہ مورچہ سید عباس موسوی کے نام سے کیوں مشہور ہے؟

درحقیقت واقعہ اس طرح ہے کہ اس مقام پر مجاہدین میں سے کوئی ساتھی ایک رات اس مورچے کے قریب سے گزرا۔ اس نے مورچے کے اندر سے دعا مانگنے کی آواز سنی۔ وہ آواز بڑی شفیق و مہربان اور دلسوز تھی۔ جب اس مجاہد نے غور سے سنا تو وہ سید عباس موسوی کی آواز تھی جنہیں وہ اچھی طرح پہچانتا تھا.. لیکن اس مورچے میں سید عباس کی آمد کی کوئی توقع نہ تھی کیونکہ سید کو شہید ہوئے ایک عرصہ گزر چکا تھا... اسی طرح وہاں پر کوئی دوسرا شخص بھی موجود نہ تھا کیونکہ جب وہ مجاہد یہ دیکھنے کے لیے آیا کہ اس میں کوئی ہے، اس کے اندر داخل ہوا تو وہ خالی تھا لیکن اب آواز بھی دب چکی تھی یہاں تک کہ وہاں پر آواز پیدا ہونے کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا... دوسرے روز بھی اس نے وہی آواز سنی اور اس کو مزید توجہ سے سنا... اور اس نے اپنے برادران کو اس واقع سے مطلع کیا.. جس پر انہوں نے اس مورچے کا نام سید عباس رکھ دیا... حالانکہ صرف یہی ایک مقام تھا جہاں پر سید عباس اپنی زندگی میں نہیں آئے تھے... شاید ان کی شہادت کے بعد ان کی روح یہاں پرواردہوئی ہو...!!

آٹھواں سبق

- مساجد کیوں تعمیر کی جاتی ہیں؟
- ہماری زندگی میں مسجد کا کردار کیا ہے؟
- مسجد کا ہم پر کیا حق ہے؟

(۵)

ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟

(اللہ کے گھر میں حاضر ہو کر)

امام خمینیؒ کی ذات میں اس طرح سے ضم ہو جاؤ
جیسے کہ وہ اسلام میں ضم ہو چکے ہیں۔

آیت اللہ شہید باقر الصدرؒ

اسرائیل شر مطلق ہے۔

آیت اللہ موسیٰ الصدرؒ

آٹھواں سبق

(۵)

ہم اللہ کی دعوت پر کیسے لبیک کہیں؟

(اللہ کے گھر میں حاضر ہو کر)

مساجد کیوں تعمیر کی جاتی ہیں؟

اگر آپ مسلم ممالک کی سیر وسیاحت کریں تو آپ کو ایک بہت مانوس منظر دکھائی دیتا ہے جو کہ مسلم ممالک کی ایک نمایاں علامت ہے۔ یہ گنبد اور فلک بوس بلند و بالا مینار ہیں جن سے نماز کے اوقات میں نماز جماعت کی ادائیگی کے لئے باآوازِ بلند پکارا جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مسجد ایسی ماں کی حیثیت رکھتی ہے کہ جب وہ اپنے بچوں کو بلاتی ہے تو وہ اس کی طرف ایسے دوڑے چلے آتے ہیں جیسے چوزے اپنی ماں کے پاس پیار ومحبت سے چلے آتے ہیں۔ مسجد اور مسلمانوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے یوں ایک تعلق پیدا کیا ہے کہ انہیں مساجد تعمیر کرنے اور ان میں نماز ادا کرنے کا حکم دیا اور اپنے اس فرمان کو قرآن پاک کی آیات میں کئی مقامات پر ذکر کیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

وَاَقِيۡمُوۡا وُجُوۡهَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ

اور تم سب ہر نماز کے وقت اپنا رُخ قبلہ کی طرف سیدھا رکھا کرو اور خدا کو خالص دین کے ساتھ پکارو (الاعراف: ۲۹)

احادیث نبویہ ﷺ تعمیرِ مساجد کی ترغیب دیتی ہیں:

ابوجعفر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: جو شخص کبوتر کے گھونسلے جتنی بھی مسجد تعمیر کرے گا...... اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر تعمیر فرمائے گا۔ (المحجۃ البیضاء، ج ا ص ۳۵۶)

لوگ اپنی زندگی میں مختلف قسم کے کام کاج کرتے ہوئے تھک جاتے ہیں۔ انہیں اپنی مادی زندگی میں تسلسل برقرار رکھنے، اپنی توانائیوں کو نئے سرے سے بحال کرنے اور اپنے جسموں کو ضروری قوت وتوانائی فراہم کرنے کے لئے غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی

طرح ہمیں بھی بحیثیت انسان اپنی اکثر مصروفیات کے نتیجہ میں اپنے روح و جان کو ایسی مناسب روحانی قوت مہیا کرنے کی احتیاج ہوتی ہے تاکہ ہم اپنی اس زندگی کا پہیہ رواں دواں رکھتے ہوئے قوی تر ہوتے چلے جائیں اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے ربط و تعلق میں بہتری پیدا کر کے اس کی ذات بابرکت سے روحانی قوت اور باطنی جذبات کو تسکین فراہم کر سکیں۔

ہم مسجد سے قلبی و روحانی سکون و اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ ہمارے لئے اللہ سے ملاقات اور اس کی زیارت سے مشرف ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس حاجت سے بخوبی واقف ہے۔ وہ کریم ذات ہے جو ہماری دعوت و ضیافت کے لئے اس دنیا میں ایک گھر کھول دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس امر کی تکمیل کے لئے اس نے ہم سے اپنی ملاقات کا بندوبست کرنے کی خاطر کچھ مقامات کو دعوت کے لئے گھر اپنا قرار دیا ہے۔ حدیث نبویؐ میں وارد ہوا ہے کہ:

بے شک کتاب تورات میں لکھا ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ مساجد روئے زمین پر میرے گھر ہیں۔ چنانچہ جو بندہ میرے گھر کی صفائی کرے اور میرے گھر میں مجھ سے ملاقات کرے تو اسے جنت مبارک ہو۔ یاد رکھو! میزبان کے سامنے مہمان کی عظمت و حیثیت مدنظر ہوتی ہے۔ آگاہ ہو جاو! شب کی تاریکی میں مساجد کی طرف چل کر جانے والوں کو روزِ قیامت ایک درخشندہ نور عطا کئے جانے کی بشارت دی گئی ہے۔

مسجد کا ہماری زندگی میں کیا کردار ہے؟

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مومن اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے مسجد ہمارے لئے باطنی اور روحانی قوت و توانائی کے حصول کا سرچشمہ ہے۔ یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں پر ہم اپنے دین اور اپنی اُمت مسلمہ کے دفاع کے لئے باہم رابطے میں رہتے ہیں۔ اسی لئے امام خمینی نے فرمایا:

مساجد تمہارا مورچہ ہیں انہیں ہمیشہ پر رکھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کو بیت اللہ کا مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ روحانی تیاری کے حوالہ سے وہ ایک چھاؤنی کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس کے علاوہ یہ ایک سیکرٹریٹ کی صورت رکھتی تھی کہ جہاں سے عوام الناس سے متعلقہ امور سرانجام دیئے جاتے تھے۔ دین اسلام اور مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت اور دفاع کرنے کے لئے لشکر تیار کئے جاتے تھے۔ نیز مسجد میں ہی لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ اسی مقام پر جمع ہو کر مسلمان اپنی مشکلات اور بحرانوں کا حل تلاش کیا کرتے تھے۔ یہی ان کے میل ملاقات کی جگہ تھی۔ مزید یہ کہ مسجد ایک ایسے مدرسہ کا مقام رکھتی تھی کہ جس میں آ کر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مقرر کردہ آئمہ مساجد سے اپنے دینی احکام سیکھتے تھے۔

مسجد میں انسان کی دوسرے مومنین سے جان پہچان اور تعارف ہوتا ہے۔ ان میں سے کچھ مومنین ایک دوسرے کو اپنا بھائی اور دوست بنا لیتے ہیں۔ مسجد کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ ہم اس میں نماز ادا کرتے ہیں اور عملی طور پر عبادت اِلٰہی کو سرانجام دینے کے لئے دوسروں کو بھی نماز پڑھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ مسجد میں اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا منظر روز روشن کی طرح عیاں ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عبودیت میں اتحاد کا عنصر نمایاں ہوتا ہے جس میں امیر و غریب اور آقا و غلام کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ ہم اللہ عزوجل کی بارگاہ میں نماز پڑھنے

کی خاطر صفیں درست کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد نہ صرف نمازِ جماعت قائم کرنے کی جگہ ہے بلکہ یہ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کے ساتھ جمع ہونے کا مقام ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے مسجد میں جانے کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

جو شخص مسجد میں آمدروفت رکھے گا اسے آٹھ قیمتی اشیاء میں سے ایک ضرور نصیب ہوگی: کوئی ایسا برادر ایمانی ملے گا جو راہِ خدا میں اس کا معاون ثابت ہوگا، یا کوئی عمدہ و نفیس علم حاصل ہوگا، یا محکم نشانی ملے گی، یا رحمت الٰہی میسر ہوگی، یا کوئی ایسی بات سمجھ میں آجائے گی جو فضولیات و خرافات سے مانع ہوگی، یا وہ کوئی ایسی بات سنے گا جو اسے راہِ ہدایت پر گامزن رکھے گی، یا وہ خوفِ خدا، یا شرم و حیا کی وجہ سے گناہ و معصیت ترک کر دے گا۔ (المحجۃ البیضاء، ج ۱ ص ۳۵۶)

مسجد کا ہم پر کیا حق ہے؟

اس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ مساجد اللہ کا گھر ہیں وہ اللہ جو ان تمام نعمتوں کا مالک ہے جن سے ہم شب و روز استفادہ کر رہے ہیں۔ جس ذات نے ہمیں بن مانگے اپنی نعمتوں سے سرفراز اہے۔ اسی لئے وہ ہمیں واضح طور پر فرماتا ہے کہ ہمیں مساجد کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے، جیسا کہ ارشاد قدرت ہوتا ہے:

اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ

بیشک اللہ کی مساجد کو صرف وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں (التوبہ: ۱۸)

اسی لئے اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہم مساجد کو تعمیر کریں۔ البتہ ہر شئے کی تعمیر اپنے خاص لحاظ سے ہوتی ہے جیسا کہ جسم کی تعمیر غذا فراہم کرنے سے اور روح کی تعمیر عبادت و ریاضت کرنے سے ہوتی ہے۔ ذرا سوچئے کہ آپ کے خیال میں مساجد کی تعمیر کیسے ہوتی ہے؟

جب ہم یہ غور کرتے ہیں کہ مساجد اللہ کا گھر ہیں جو کہ عظیم ترین ذات ہے جو تمام آسمانوں و زمینوں پر قبضہ و اختیار رکھتا ہے۔ وہ ایسا معبود حقیقی ہے جو غلبہ و اقتدار کا مالک اور عظیم ترین شہنشاہ ہے تو ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کے مالک کی عظمت کے پیش نظر ہماری اہم ترین ذمہ داری یہ ہے کہ ہم مسجد کی تعظیم اور احترام کریں چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

جب تم مسجد کے دروازے پر پہنچو تو یاد رکھو کہ تم ایک ایسے عظیم بادشاہ سے ملاقات کرنے کے خواہشمند ہو جس کے صحن میں صرف پاک لوگ آتے ہیں اور اس کی بارگاہ میں صرف سچے لوگوں کو بیٹھنے کی اجازت ہے۔ تم اس کی بارگاہ میں ایسے چل کے آؤ جیسے بادشاہ کے رُعب و دبدبہ کے سامنے اس کے دربار میں پیش ہوتے ہیں۔

مساجد وہ مقامات ہیں کہ جہاں پر اللہ رب العزت کی عبادت کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عظمت کے پیش نظر ان کی صفائی و ستھرائی اور ان کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ مسجد میں آہستہ آواز میں بات کرنا چاہیے اور ذکر الٰہی کے سوا کوئی دوسری بات نہیں کرنا چاہیے۔ وہاں پر عبادت میں مشغول رہنا چاہیے، درس قرآن اور درس اخلاق میں حاضر ہونا چاہیے۔ مسجد میں نماز ادا کرنا چاہیے اور مسجد میں آمدورفت کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ:

تین چیزیں اللہ عزوجل کی بارگاہ میں شکایت کریں گی: ایسی ویران مسجد جس میں اہل علاقہ نماز نہ پڑھتے ہوں، جاہل لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرنے والا عالم دین اور وہ قرآن مجید کہ جس کی تلاوت نہ کی جاتی ہو بلکہ اس پر گرد وغبار پڑا ہو۔(فضل الجمعہ والجماعۃ ص ۹)

انسان کے لئے مستحب ہے کہ اپنے گھر میں اپنے آپ کو پاک کرنے کے بعد مسجد میں جائے اور مسجد کے مختلف مقامات پر نماز پڑھے۔کیونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: مساجد میں مختلف مقامات پر نماز پڑھا کرو کیونکہ روزِ قیامت ہر جگہ نمازی کے حق میں گواہی دے گی۔(فضل الجمعہ والجماعۃ ص ۹)

اس کے علاوہ مسجد کی طرف پیدل چل کر جانے والوں کے اجر وثواب کے بارے میں آپ سے ہی روایت ہے کہ

جو شخص مسجد کی طرف پیدل چل کر جائے گا تو جس خشک وتر جگہ پر وہ اپنا قدم رکھے گا تو اس زمین کے نیچے سات زمینوں تک وہ جگہ اس بندے کے حق میں تسبیح کرتی رہے گی۔

مسجد کے پڑوس میں رہنے والوں کیلئے مسجد کے علاوہ کسی دوسرے مقام پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

لا صلاۃ لجار المسجد الا فی المسجد (مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی مگر مسجد میں)(فضل الجمعہ والجماعۃ ص ۹)

خاتمہ: نمازِ جماعت کی فضیلت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم نماز قائم کریں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نماز کو زندہ اور قائم رکھیں۔یہ مسلمہ امر ہے کہ ہر شئے کی زندگی اس کے مطابق ہوتی ہے۔اس لیے کرسی قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس طرح رکھا جائے کہ وہ اپنے چار پایوں پر کھڑی ہو اور بچے کو قائم کرنے کا مطلب، اسے پاؤں پر کھڑا کرنا ہے۔بہر حال نماز زندہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آداب،سنتوں، طہارت واخلاص،توجہ،حضورِ قلب اور اللہ کے سامنے خشوع وخضوع جیسے اس کے عظیم حقوق کا خیال رکھنا۔کبھی کبھی ایسا کرنا بوجھل اور مشکل ہوتا ہے۔ارشادِ رب العزت ہوتا ہے: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ

صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو نماز مشکل کام ہے مگر اُن لوگوں کے لیے جو خشوع وخضوع والے ہیں۔(بقرہ:۴۵)

شاید میں اور آپ نماز کا صحیح حق ادا نہ کرتے ہوں اور وہ نماز اللہ کی بارگاہ میں شرف قبولیت نہ پاتی ہو۔اس لیے ہمیں چاہیے کہ نماز کو اس کے صحیح مقام تک پہنچانے اور اللہ کی بارگاہ میں اس کے مرتبہ کو بلند کرنے کیلئے ایک دوسرے کیساتھ تعاون کریں اور یہ کام نمازِ جماعت کے ساتھ ہی پورا ہو سکتا ہے کیونکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے تمام نمازیوں کی نماز قبول ہو جاتی ہے۔اگرچہ اس میں ایک نمازی ہی کیوں نہ ہو تب بھی نماز کئی گنا زیادہ اجر وثواب کے ساتھ قبول ہو جاتی ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث میں روایت ہے کہ آپ صلے نے جبریل سے پوچھا:

میری امت کو نماز جماعت کا کیا اجر وثواب ملے گا؟ تو انہوں نے بتایا کہ اگر نماز جماعت میں دو افراد ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر نمازی کی ایک رکعت کے بدلے ڈیڑھ سو نمازوں کا ثواب لکھے گا۔اور اگر ان کی تعداد تین ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک نمازی کو ایک رکعت کے بدلے چھ سو رکعت کا ثواب لکھے گا۔اسی طرح اگر نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہو گا تو

اجر وثواب بھی بڑھتا چلا جائے گا یہاں تک کہ جبریل نے کہا کہ اگر ان کی تعداد دس سے بڑھ جائے گی تو اگر آسمان و زمین کے تمام سمندر روشنائی بن جائیں، درخت قلم بن جائیں اور دونوں جہان کی مخلوق فرشتوں کے ساتھ مل کر لکھنے والے بن جائیں تو وہ ایک رکعت کا ثواب بھی نہیں لکھ سکیں گے۔ اے محمدؐ! مومن نمازی امام جماعت کے ساتھ جو ایک تکبیر کہتا ہے وہ اس کیلئے ساٹھ ہزار حج و عمرے سے بہتر ہے اور دنیا و مافیہا سے ستر ہزار گنا بہتر ہے۔ اور ایک رکعت نماز جو مومن امام کی اقتداء میں پڑھتا ہے غرباء و مساکین کو ایک لاکھ دینار صدقہ دینے سے بہتر ہے۔ اور نماز جماعت میں ہر ایک سجدہ مومن امام کے ساتھ کرتا ہے اس کا ثواب ایک سو غلاموں کو آزاد کرنے سے بہتر ہے۔ (نماز جمعہ و جماعت کی فضیلت: ص ۱۱،۱۲)

اور بہترین جماعت عالم کی اقتداء میں نماز پڑھنا ہے۔ امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے:

عالم کی اقتداء میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار رکعت نماز کا اجر وثواب ملتا ہے۔ (ایضاً: ص ۱۲)

سبق کا خلاصہ:

۱- مساجد ہمارے ملک اور دوسرے ممالک میں مسلمانوں کے وجود کی اہم علامت ہیں۔

۲- مسجد مسلمانوں کیلئے روحانی حوالے سے چکی کے مرکزی کیل کی مانند ہے جس میں مسلمانوں کی قوت و طاقت کی تجدید ہوتی ہے۔

۳- مسجد کے ہم پر کچھ حقوق ہیں جنہیں ادا کرنا ہمارا فریضہ ہے۔

۴- مساجد میں نماز پڑھنا نماز میں تعاون کرنے کے مترادف ہے۔ ہم ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں تا کہ اللہ کی رحمت ہم سب کے شامل حال ہو۔

سوالات

۱- ہم پر مسجد کے کیا حقوق ہیں؟

۲- نماز جماعت کا ثواب کیا ہے؟

۳- صحیح یا غلط لکھ کر جواب دیں:

أ- مسجد ایسا مقام ہے جہاں مسلمان اس لئے جمع ہوتے ہیں کہ وہ ایک بند مٹھی کی مانند متحد ہو جائیں۔ (   )

ب- نمازِ جماعت کے دوران اکیلے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (   )

ج- گھر میں نماز پڑھنے اور جماعت سے دُور رہنے کی وجہ سے روزِ قیامت مسجد ہمارے خلاف شکایت کرے گی۔ (   )

د- انسان مسجد کے علاوہ کہیں روحانی تسکین حاصل نہیں کرسکتا۔ (   )

مزید مطالعہ کیلئے

نماز کی پرواہ نہ کرنا:

حضرت زہراء سلام اللہ علیہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ بابا جان! جو مرد اور عورتیں اپنی نماز کی پرواہ نہیں کرتے ان کی سزا کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے فاطمہ! جو مرد و زن اپنی نماز کی پرواہ نہیں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں پندرہ خصلتوں میں مبتلا کرے گا۔ چھ اس دنیا میں ہوں گی، تین مرنے کے بعد اور تین قبر میں ہوں گی اور تین اس وقت ہوں گی جب روز قیامت وہ اپنی قبر سے باہر نکلے گا۔ وہ خصلتیں جن میں دنیا میں مبتلا ہوگا ان میں سے پہلی یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر گھٹا دے گا، اس کے رزق سے برکت ختم کردے گا، اللہ تعالیٰ اس کے چہرے سے نیک بندوں والی نشانیاں مٹا دے گا، وہ جو بھی نیک عمل کرے گا اس کے اجر و ثواب سے محروم رہے گا، اس کی دعا آسمان کی طرف بلند نہ ہوگی اور چھٹی خصلت یہ ہے کہ نیک بندوں کی دعاؤں میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔

ایسی خصوصیات جو موت کے وقت اسے پہنچیں گی پہلی یہ ہے کہ وہ ذلیل و رسوا ہو کر مرے گا، دوسری یہ ہے کہ وہ بھوکا مرے گا، تیسری یہ ہے کہ وہ پیاسا مرے گا اگر اسے پوری دنیا کے دریاؤں کا پانی پلا دیا جائے تب بھی اس کی پیاس ختم نہ ہوگی۔

جو خصوصیات اسے قبر میں نصیب ہوں گی ان میں سے پہلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسے فرشتے کے حوالے کرے گا جو اسے قبر میں تکلیف پہنچائے گا۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ فشارِ قبر میں مبتلا ہوگا یعنی اس کی قبر تنگ ہو جائے گی۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کی قبر میں اندھیرا ہوگا۔

اور ایسی خصلتیں جو اسے روزِ قیامت جب وہ اپنی قبر سے نکلے گا اس وقت کو نصیب ہوں گی۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسے سخت گیر فرشتے کے سپرد کرے گا جو اسے منہ کے بل زمین پر گھسیٹے گا اور لوگ اسے دیکھ رہے ہوں گے۔ دوسری یہ ہے کہ اس کا سخت حساب لیا جائے گا۔ تیسری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر کرم نہیں فرمائے گا، نہ اسے گناہوں سے پاک کرے گا اور اس کیلئے دردناک عذاب ہوگا۔ (المستدرک)

اے اللہ! تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد علیہم السلام پر درود بھیج اور ان کے آخری چشم و چراغ حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور میں تعجیل فرما۔

نواں سبق

- خالق اور مخلوق کے مابین وسیلہ کی ضرورت کیوں ہے؟
- خالق اور مخلوق کے مابین وسیلہ کون ہے؟
- پیغمبروں علیہم السلام کے بارے میں ہمارا موقف کیا ہے؟

نبی سلام اللہ علیہ، وسیلۂ الٰہی

امام خمینیؒ سے عشق

شہید علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ زمانہ طالب علمی سے ہی حضرت امام خمینیؒ کے مقلد تھے۔ جس کے ناطے آپ حضرت امام خمینیؒ کے ہر حکم کی تائید واجب سمجھتے تھے۔ جب عراق کی حکومت امام خمینیؒ کو کیمونسٹ اور ایک جنگجو مولوی سے تشبیہہ دیتی تھی، اس وقت عراق میں علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ ایک غیر ملکی طالب علم ہونے کے باوجود حضرت امام خمینیؒ کی ذات میں جذب ہو گئے۔

آپ شہید باقر الصدرؒ کے اس فرمان کی عملی تفسیر تھے کہ امام خمینیؒ کی ذات میں اس طرح ضم ہو جاؤ جیسے وہ اسلام میں ضم ہو چکے ہیں۔

آپ نے حضرت امام خمینیؒ کے ہر حکم کی بجا آوری اور اطاعت لیے جو شب و روز جد و جہد کی اسے تاریخ صدیوں تک اپنے دامن میں محفوظ رکھے گی۔

شہید علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ

نواں سبق

نبی سلام اللہ علیہ، وسیلۂ الٰہی

اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان وسیلہ کیا ہے؟

جب کوئی ننھا معصوم اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو والدین کو بڑی خوشی ہوتی ہے۔ وہ اسے پیار و محبت کرتے ہیں اور اسے دودھ پلاتے ہیں۔ وہ اس کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں یہاں تک کہ وہ مضبوط و قوی ہو جاتا ہے۔ جوں جوں وہ پرورش پاتا ہے اور اس کے دانت نکلتے ہیں والدین کی خوشیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جب بچہ بولنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اسے بولنا سکھاتے ہیں۔ سب سے پہلے الفاظ جو وہ اسے بولنا سکھاتے ہیں وہ عموماً ''ماما'' اور ''بابا'' ہوتے ہیں اور جب وہ پہلی مرتبہ یہ الفاظ بولتا ہے تو ان کی خوشی و مسرت کا ٹھکانہ نہیں رہتا۔ پھر وہ پوری طرح اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور اسے زندگی کی مشکلات برداشت کرنے کا اہل بناتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ اس کی تعلیم و تربیت کا بندوبست کرتے ہیں اور اسے مطلوبہ اخلاقیات سے آراستہ کرتے ہیں تاکہ وہ زندگی گزارنے کے طور طریقے سیکھنے کے بعد خوش اسلوبی سے اپنے امور سرانجام دے کر اعلیٰ مراتب پر پہنچے۔ اس طرح وہ بہترین اور جامع نتائج حاصل کرے تاکہ وہ دنیا کی بھیڑ میں اپنی حیثیت کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو جائے۔

اور وہ ذات جو اپنی مخلوقات میں سے بنی نوع انسان کی اس سے بھی بہتر دیکھ بھال کرتا ہے وہ اللہ عزوجل ہے۔ اس نے انسان کے والدین بنائے تاکہ انسان کی جسمانی حفاظت ہو سکے اور اس کی مادی نشو ونما کا خیال رکھا جائے۔ وہ ذات جس نے اس وجہ سے انسان کو پیدا کیا کہ وہ اس کی معرفت حاصل کریں۔ وہ اس امر کا سب سے زیادہ حق دار ہے کہ وہ انسان کیلئے ایسا رہنما بنائے جو اسے اپنے خالق کی طرف رہنمائی کرے اور اس کی روحانی اور دینی حوالے سے نگرانی کرے جس طرح اللہ نے اس کی دنیاوی دیکھ بھال کیلئے والدین بنائے۔

اللہ تعالیٰ یہ پسند فرماتا ہے کہ لوگ اس کی معرفت حاصل کریں اور وہ ان کے ساتھ ایسے بات کرے جس طرح ماں اپنے بچے سے

بات کرتی ہے اور اس سے سرگوشیاں کرتی ہے ۔اس لئے کوئی واسطہ ضروری ہے کہ جس کے ذریعہ سے وہ ان سے کلام کرے جس طرح سے ماں اپنے بیٹے سے پیار ومحبت کا اظہار کرنے کیلئے اپنی زبان کو وسیلہ بناتی ہے ۔اسی طرح اللہ تعالی بھی لوگوں سے سچی زبان سے بات کرتا ہے وہ زبان صادق انبیاء ورسلؑ ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالی اپنا کلام مخلوق تک پہنچاتا ہے ان سے کلام کرتا ہے اور ان سے اس انداز میں گفتگو کرتا ہے جس طرح ماں اپنے بچے سے گفتگو کرتی ہے اور چونکہ لوگ انسان ہیں اس لیے ضروری تھا کہ انبیاورسلؑ بھی انہیں میں سے ہوں تا کہ وہ ان سے اجنبیت محسوس نہ کریں اور اس کے سوا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ وہ ان سے مانوس ہوں اور ان سے میل جول رکھیں ۔ لہٰذا اللہ تعالی نے انہیں میں سے انبیاورسلؑ بھیجے جو ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کرتے تھے...

امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب ایک مادہ پرست نے آپ سے سوال کیا کہ انبیاورسلؑ کو کس نے مقرر کیا؟ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا:

> بیشک جب ہمیں یہ باور ہوگیا کہ ہمارا ایک خالق ہے جو اپنی تمام مخلوقات سے افضل ہے اور وہ خالق حکمت و دانائی والا بلند و برتر ہے ۔اور یہ ضروری نہیں ہے کہ مخلوق اس کا مشاہدہ کرے اور نہ وہ اسے اس طرح محسوس کریں کہ وہ ان کے روبرو ہو اور مخلوق اس کے آمنے سامنے ہو اور وہ اس سے بحث ومباحثہ کریں ۔تو یہ ثابت ہوا کہ اس کی مخلوق میں اس کے کچھ نائبین ہیں جو مخلوق اور بندوں کو اس ہستی کے بارے میں خبر دیتے ہیں ۔ان کی مفادات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ جن کے حصول میں ان کی بقا ہے اور انہیں ترک کرنے میں ان کی تباہی ہے ۔ (علل الشرائع:۱/ ۱۲۰)

اس سے ثابت ہوا کہ پیغمبر اللہ کی مخلوق میں سے اس کا نائب ہوتا ہے ۔وہ انہیں تعلیم دیتا ہے، زیورِادب سے آراستہ کرتا ہے، ان کی تربیت کرتا ہے اور انہیں خالق کی معرفت عطا کرتا ہے ۔وہ ان پر اللہ کی طرف سے حجت ہوتا ہے جو انہیں گمراہ ہونے سے بچاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا دیانتدار ہونا ضروری ہے تا کہ وہ بغیر کمی بیشی کے پیغام الہی پہنچائے اور اس کی صداقت ظاہر ہو ۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ معصوم عن الخطا ہو اور اسے اللہ تعالی کی طرف سے اسے معجزات عطا کئے گئے ہوں ۔

انبیاءؑ کو کیوں مبعوث کیا گیا؟

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا

اے پیغمبر! ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۔خدا کی طرف بلانے والا اور چراغِ روشن بنا کر بھیجا ہے) (الاحزاب:۴۵،۴۶)

اللہ تعالی اپنے فضل وکرم اور ربوبیت کی وجہ سے یہ چاہتا ہے کہ انسان اس کی بارگاہ میں حاضر ہو، اس کی معرفت حاصل کرے ۔یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے انبیاورسلؑ کو مبعوث فرمایا اور ان کے آخر میں ان کے سردار حضرت محمد مصطفیٰؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا تا کہ وہ اللہ کے

حکم سے لوگوں کو اس کی جانب دعوت دیں۔اس لیے کہ خداوند کریم کے ہاں اس کے بندوں کیلئے آخرت میں نعمات کا ایک وسیع سلسلہ موجود ہے اور اس نے انسان ہونے کے ناطے اس کی یہ عزت افزائی کی ہے۔پس پروردگار اس سلسلۂ نعمات کی طرف دعوت دینے کیلئے اپنے پیغمبروں کے ذریعے پیغام روانہ کرتا ہے اور ان کو بندوں کی ہدایت کیلئے راہنمائی کا ایک سلسلہ بھی فراہم کرتا ہے تاکہ انسانوں میں اپنے اصلی شرف کی طرف بڑھنے کا شوق تیزتر ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ اس آتش شوق کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اسوۂ حسنہ پیغمبر ﷺ کی صورت میں ایک داعی فراہم کرتا ہے جو امام عمل اور رہبر بصیرت ہوتا ہے تاکہ وہ خوشخبری اور خوف دلانے کے ذریعے بندوں کی ہدایت کرے۔گویا وہ ان تمام نعمات آخرت کا عینی شاہد اور گواہ ہے۔ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

اے پیغمبر! ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا، ڈرانے والا اور خدا کی طرف بلانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

پس اس طرح انبیاء، اللہ کی راہ کے راہیوں کے قافلہ سالار، اسوہ اور خالق کی بارگاہ میں مخلوق کے نمائندہ ہوتے ہیں۔وہ ایک ایسی شخصیت ہیں جو راستہ کو روشن کرتے ہیں۔وہ ایک مثالی نمونہ ہوتے ہیں وہ ان کے سامنے اس لیے ہوتے ہیں تاکہ اعلیٰ منازل اور بلند مراتب کی طرف ان کی قیادت کرسکیں۔

ان میں سے آخری رسولؐ حضرت محمد ﷺ ہیں۔اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اس لیے مبعوث کیا تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو تعلیم دیں اور انہیں آداب سکھائیں ان کے سامنے عقائد و شرائع اور قوانین کی وضاحت فرمائیں اور انہیں حقیقی سعادت کی طرف رہنمائی فرمائیں۔ارشاد ہوتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ

وہ ذات جس نے ناخواندہ (ان پڑھ) لوگوں میں انہیں میں سے (محمد ﷺ کو) پیغمبر بنا کر بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھتے، ان کو پاک کرتے، کتابِ الٰہی کی تعلیم دیتے اور حکمت و دانائی کی باتیں سکھاتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔ (الجمعہ:۲)

پیغمبروںؑ کے بارے میں ہمارا موقف کیا ہے؟

اللہ عزوجل جو اس کائنات میں موجود تمام نعمتوں کا خالق و مالک ہے چونکہ اس نے یہ پوری کائنات ہماری خدمت کے لئے مسخر کردی ہے۔لہٰذا ان نعمتوں کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ہمیں ان کو قبول کرنا چاہیے اور ان سے احتراز نہیں کرنا چاہیے۔

چنانچہ اگر اس کی طرف سے ہمارے پاس کوئی پیغمبر آئے تو ہم اسے قبول کریں گے، اس کی اتباع کریں گے، اس کی عزت و احترام کریں گے اور اس سے محبت کریں گے۔کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے آیا ہے۔چنانچہ انبیا و رسل خصوصاً حضرت محمد ﷺ کے حوالے سے ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر یقین رکھیں اور جو کچھ پیغام الٰہی آپ ﷺ لے کر آئے ہیں اس کی تصدیق کریں اور ایسے

احکامات کی پابندی کریں جو آپ ﷺ نے ہم تک پہنچائے ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ ہم پیروی رسول ﷺ سے ہی رسول کی دعوت پر لبیک کہہ سکتے ہیں اور اس ذات کی دعوت پر لبیک کہہ سکتے ہیں جس نے انہیں رسول ﷺ بنا کر مبعوث فرمایا۔اس طرح ہماری زندگی اپنی حقیقی صورت میں تبدیل ہو جائے گی۔ارشاد قدرت ہوتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو جب رسول ﷺ تم کو ایسے کام کی طرف بلاتے ہیں جو تمہیں حیات جاوداں بخشتا ہے۔ (الانفال:۲۴)

اور جو شخص پیغمبر ﷺ کی دعوت پر لبیک نہیں کہتا درحقیقت وہ رسول ﷺ کا احترام ہی نہیں کرتا اور نہ وہ آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان رکھتا ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کے احکامات پر عمل کرتا ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کی سنت کی پیروی کرتا ہے وہ شخص اندھا، بہرہ اور عذاب میں مبتلا ہے بلکہ اس کی صورتحال مردے سے بھی بدتر ہے۔

ارشاد قدرت ہوتا ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى

اور جو میرے ذکر سے لاپرواہی کرے گا اس کیلئے زندگی کی تنگی بھی ہے اور ہم اُسے قیامت کے دن اندھا بھی محشور کریں گے۔ (طٰہٰ:۱۲۴)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کو دنیا میں بصارت (آنکھوں) جیسی نعمت سے سرفراز کیا ہو اور وہ صحیح راستہ پر چلتے ہوئے اس سے استفادہ نہ کرے تو اس کی مثال اندھے کی سی ہے جسے بصارت کی نعمت سے محروم رکھا گیا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے انبیاء اور رسولوں علیہم السلام کو بھیجا کہ جن کے ذریعہ ہم حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہیں اور ان کے ذریعہ ہم غلط اور صحیح کی شناخت کر سکتے ہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایسی شخصیت کو مبعوث فرمایا جو حق و باطل کے معاملے میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ چنانچہ اگر ہم پیغمبر ﷺ اور قرآن سے روگردانی کریں گے تو ہم اس اندھے کی مانند ہو جائیں گے اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ آخرت میں بھی اندھے ہی رہیں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو اس برے انجام سے محفوظ رکھے!

خاتمہ:

پیارے دوست!

غور و فکر سے کام لیں کہ کیا آپ نے اللہ کی دعوت پر لبیک کہا؟! اس سوال کا جواب آپ کے ذمہ ہے کیونکہ اگر آپ نے ابھی تک اللہ کی دعوت پر لبیک نہیں کہا ہے تو آپ کے پاس اب بھی فرصت کے لمحات موجود ہیں۔ان سے استفادہ کرتے ہوئے اللہ کی دعوت وضیافت میں شریک ہو جائیں اور اس کے ذکر سے لاپرواہی نہ کریں اور اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کا حق پہچانیں۔

سبق کا خلاصہ:

۱-اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ ہم اس کی معرفت حاصل کریں، اس سے ہم کلام ہوں، اس سے مناجات کریں اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔

۲-انبیاو رسل علیہم السلام ہم سے بہتر ہیں جو ہمیں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اوامر سے آگاہ کرتے ہیں۔

۳-پیغمبرؐ کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ رہبر، مثالی نمونہ عمل اور صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرنے والا ہوتا ہے۔

سوالات

۱- انبیاو رسل علیہم السلام کے حوالہ سے لوگوں کی ذمہ داری کیا ہے؟

۲- ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق کا ذریعہ کیا ہے؟

۳- صحیح یا غلط کی نشاندہی کریں:

ا-اللہ تعالیٰ یہ پسند فرماتا ہے کہ انسان اس کی معرفت حاصل کرے کیونکہ اس میں انسان کی اپنی بھلائی ہے۔ (   )

ب-انبیاو رسل علیہم السلام کے وسیلہ کے بغیر اللہ تعالیٰ تک پہنچنا محال ہے۔ (   )

ج-نبیؐ سے جن گناہوں کا ارتکاب ہو جائے وہ گناہ صغیرہ ہوتے ہیں۔ (   )

د-اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو معجزہ عطا کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں پر اپنی قوت و طاقت کے ذریعہ غالب آ جائے اور لوگ اس کے مطیع ہو جائیں۔ (   )

مزید مطالعہ کیلئے

نصیحت کا طلبگار

صحرائے عرب سے ایک آدمی مدینہ آیا اور نبی ﷺ کے پاس نصیحت حاصل کرنے جا پہنچا۔ نبیؐ نے اس سے فرمایا: ''غصہ مت کرنا'' جب وہ آدمی اپنے قبیلہ میں واپس آیا تو اسے پتہ چلا کہ اس کے قبیلے کے چند لوگوں نے دوسرے قبیلے سے کچھ مال چرالیا ہے۔ جس پر انہیں دستور کے مطابق سزا دی گئی۔ جس کے نتیجہ میں دونوں قبیلے ایک دوسرے کے مدمقابل صف آرا ہو گئے ہیں اور ان کے درمیان جنگ کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ چنانچہ وہ تیار ہوا، اس نے اپنا اسلحہ اٹھایا اور اپنی قوم کی صف میں شامل ہوگیا۔ اس دوران اس کے ذہن میں بار بار یادوں کی ایک لہر اٹھتی رہی۔ اچانک اسے یاد آیا کہ وہ مدینہ گیا تھا اور نبی ﷺ سے نصیحت کرنے کی درخواست کی تھی۔ نبی ﷺ نے اسے نصیحت فرمائی تھی کہ ''غصہ مت کرنا''۔

عین اسی لمحے اس اعرابی کو راہِ ہدایت مل گئی اور اس کی عقل نے دوبارہ کام شروع کر دیا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ جنگ اور قتل و غارت کی یہ تیاری کیوں ہو رہی ہے؟ اور بغیر کسی وجہ کے یہ غصہ کیوں ہے؟ اس گھڑی نبی ﷺ کی نصیحت، اسے اپنے دشمنوں کے سرداروں کو نصیحت کرنے کا محرک بنی اور اس نے انہیں پکارا اے لوگو! یہ جھگڑا کیسا ہے؟ اگر تم میں سے کوئی زخمی ہوگیا ہے، قتل ہوگیا ہے یا کسی کو مارا پیٹا گیا ہے اور اس کا کوئی معاوضہ دینے والا نہیں ہے تو میں تیار ہوں کہ اپنے مال سے وہ دیت دوں۔ لہذا اب جنگ کرنے اور خون بہانے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ گئی ہے۔

جب قوم کے سرداروں نے اس کی گفتگو سنی تو ان کے دلوں میں غیرت وحمیت جاگ اٹھی اور وہ بولے" جو کچھ تم نے کہا ہم تم سے زیادہ اس کے حق دار ہیں۔" اس پر دونوں طرف کے لوگوں نے صلح کر لی اور دونوں گروہ اپنے اپنے قبیلے کی طرف لوٹ گئے۔

دسواں سبق

- کیا ہم وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادیان برحق سے بے نیاز ہیں؟
- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہادی کون ہیں؟
- ہم اولیاء اللہ کے ساتھ کیسے تعلق قائم کریں؟

امام علیہ السلام، وسیلۂ الٰہی

تعلیم زندگی اور موت کا مسئلہ ہے

آپ تعلیم پر پورا دھیان دیں۔ اپنے آپ کو عمل کیلئے تیار کریں۔ یہ آپ کا پہلا فریضہ ہے۔ آپ کی تعلیم کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ آپ دورِ حاضر کی سیاست کا مطالعہ کریں۔ یہ دیکھیں کہ آپ کے گرد دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ ہماری قوم کیلئے تعلیم زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دنیا اتنی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے کہ اگر آپ نے اپنے آپ کو تعلیم یافتہ نہ بنایا تو نہ صرف یہ کہ آپ پیچھے رہ جائیں گے۔ بلکہ خدانخواستہ، بالکل ختم ہو جائیں۔ تعلیم کی اشاعت کیلئے بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اس مقصد کی خاطر جتنی بھی مصیبتیں جھیلی جائیں کم ہیں۔

(قائداعظم محمد علی جناحؒ)

(ولیکا ٹیکسٹائل ملز کی افتتاحی تقریر 26 ستمبر 1947)

قائداعظم محمد علی جناحؒ

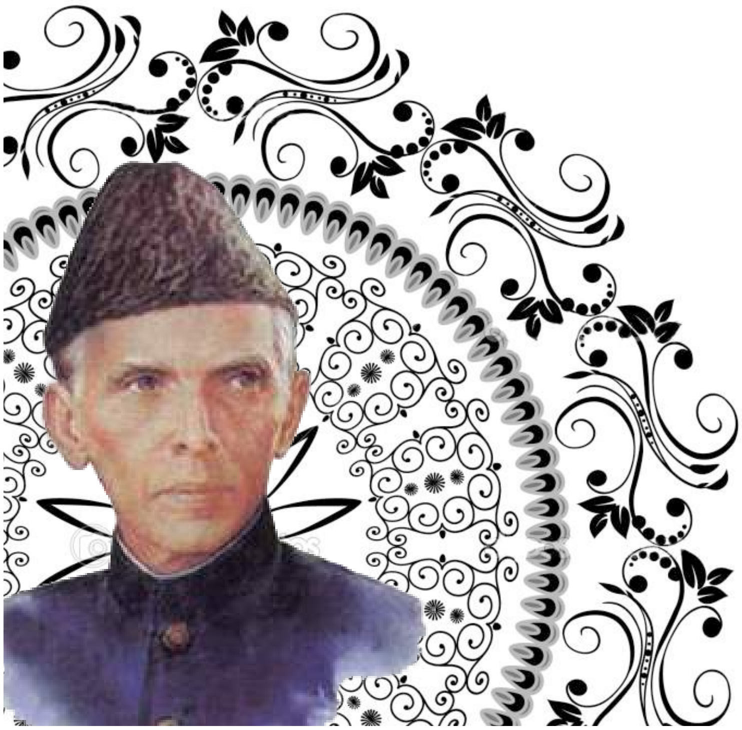

دسواں سبق

امام علیہ السلام، وسیلۂ الٰہی

کیا ہم وفات رسول ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہادیان برحق سے بے نیاز ہیں؟

اس حقیقت میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنا فریضۂ رسالت بطریق احسن سرانجام دیا اور پیغام الٰہی کو پہنچانے میں اپنی ذمہ داری سے بخوبی عہدہ برآ ہوئے۔ آپ ﷺ اپنی پوری زندگی میں خالق کی طرف سے اس کی مخلوق کی رہنمائی کرتے رہے۔ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اور آپ کی رسالت کے دشمنوں نے آپ کو ان احکام کی پوری تفصیل بیان کرنے کا موقع نہ دیا جو آپ ﷺ پر نازل ہوئے تھے۔ خاص طور پر ان لوگوں کیلئے جن کا رسول ﷺ اور رسالت اسلام کے ساتھ ابتدائی تعلق قائم ہوا تھا۔ اب رسول ﷺ کے بعد کیا دین اسلام کو کسی محافظ کی ضرورت نہ تھی یا احکام دین کو اس امر کی حاجت نہ تھی کہ کوئی ان کی نگہبانی کرے تا کہ کوئی ان کو کھیل تماشہ نہ بناسکے۔ وہ کونسا ضامن ہے کہ جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس رسالت کو صحیح و سالم رکھنے کی ضمانت دیتا ہے اور اس کو محمد رسول اللہ ﷺ کے راستے پر ثابت قدم رکھنے کا وعدہ دیتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو کیا رسول اللہ ﷺ کی تمام کاوشیں رائیگاں نہیں چلی جائیں گی...؟!

رسول اللہ ﷺ نے جس قدر ممکن ہوا احکام الٰہی کی تبلیغ فرمائی اور جتنا ہو سکا علوم کی تعلیم دی اور حتی الامکان لوگوں کی تربیت پر زور دیا... اس زمانہ میں آپ ﷺ اللہ کی طرف سے لوگوں کے رہبر و رہنما تھے تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قافلے اور اس سے وابستہ لوگوں کو بغیر کسی رہبر و رہنما کے چھوڑ دیا ہے؟ کون عقلمند ایسا کرتا ہے...؟ کیا ایسا کرنا حکمت و دانائی کے خلاف نہیں ہے اور کیا یہ لاپرواہی رسول اللہ ﷺ کی کاوش کا ضیاع نہیں ہے؟۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بعد رہنما مقرر کرنے کے لیے ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۖ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ

اے پیغمبر! آپ اس حکم کو پہنچادیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا اس کا

پیغام پہنچایا ہی نہیں۔ اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا (المائدہ: ۶۷)

اس سے ثابت ہوا کہ امام علیہ السلام کے ذریعہ سے ہی اللہ کا مشن محفوظ ہوتا ہے۔ امام علیہ السلام کے ذریعہ ہی رسالت کے اہداف حاصل ہوتے ہیں اور امام علیہ السلام کے ذریعہ ہی متاخرین اور بعد کے زمانہ میں پیدا ہونے والے لوگوں کو عظمت و شرافت کے قافلے میں شامل ہونے کا موقع ملتا ہے۔ چنانچہ امام علیہ السلام ہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کو مکمل کرتا ہے اور اللہ کی طرف سے مقرر کردہ اپنے متعلقہ کردار کو ادا کرتا ہے۔ کیوں کہ امام علیہ السلام اللہ کی طرف سے لوگوں کے اعمال پر حجت و راہنما ہوتا ہے لہٰذا اللہ نے امام علیہ السلام کو ہی لوگوں کے اعمال پر گواہ بنا کر بھیجا ہے اور اگر امام علیہ السلام نہ ہو تو لوگوں کے اعمال پر حجت قائم نہیں کی جا سکتی اور امام علیہ السلام ہی کے وجود سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا پیغام آنے والی نسلوں تک منتقل ہوتا ہے۔

لوگ سعادت اور کمال کی تحصیل کیلئے رہبر، راہنما، مربی اور نمونہ عمل کے محتاج ہوتے ہیں۔ اسی طرح شریعت بھی محتاج ہے کہ کوئی اس کی تشریح و تبیین کرے اس کی حفاظت کرے، اس کے احکام کا نفاذ اور اجراء کرے اور امام علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور یہ امور انجام نہیں دے سکتا جو حجت خدا ہوتا ہے اور دین کی تکمیل اسی کے سبب سے ہے۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا

آج میں نے دین کو تمہارے لیے کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسندیدہ بنا دیا ہے۔ (المائدہ: ۳)

مخالفین اور اہل بدعت کا خاتمہ کون کرے گا؟ شبہات کون دور کرے گا؟ کون دین کی حفاظت کرے گا اور امت کو گمراہ ہونے سے محفوظ رکھے گا؟

...یقیناً وہ امام علیہ السلام ہی ہے... جو اللہ عزوجل کی بارگاہ سے منصوب ہوتا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوت کو مکمل کرے اور چونکہ امام حجت اللہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ معصوم ہو اور حکم الٰہی سے امام مقرر کیا گیا ہو یعنی اس کے حق میں اللہ کی طرف سے واضح حکم نازل ہوا ہو۔

اللہ کی طرف سے صحیح راستے کی ضمانت کا دیا جانا ضروری ہے کیونکہ جب تک انسان موجود ہے وہ اس امر کا محتاج ہے کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر رہنمائی کرے اور مقصد و ہدف تک پہنچائے۔ جو کہ اللہ عزوجل کی معرفت اور اس کی طرف سے عطا کردہ عظمت والے گھر یعنی جنت کا حصول ہے۔

چنانچہ امام علیہ السلام ہی ایسے صراط مستقیم ہیں جو ان تمام اہداف تک پہنچاتے ہیں۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرما (فاتحہ: ۴)

جیسا کہ زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لوگ ایک رہبر و رہنما اور نمونہ عمل کے محتاج تھے اسی طرح انہیں اپنے سفر ہدایت میں وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی ایک قائد، امام اور ولی کے پیچھے چلنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی تاکہ وہ اس کے نقش قدم پر چلیں اور اس کی ولایت سے متمسک ہوں یہاں تک کہ انہیں گمراہی اور بربادی سے بچنے کا یقین پیدا ہو۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو (آل عمران: ۱۰۳)

جیسے اگر ہم بحری یا بری سفر کا ارادہ کریں تو ہمیں کسی گائیڈ اور کپتان کی ضرورت ہوتی ہے جو ہماری رہنمائی کرے کیونکہ وہ بحری اور بری سفر کے راستوں سے واقف ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح اللہ کی طرف سفر کی صورتحال بھی ہے۔ کیونکہ ہمیں ایسے رہنما کی ضرورت پڑتی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کے راستے اور اللہ کی طرف جانے والی راہوں سے بخوبی واقف ہوتا کہ ہم وہاں پہنچ پائیں اور راستے میں بھٹکنے نہ پائیں۔ کیونکہ اگر وہاں پہنچ گئے تو بھرپور خوشیاں اور دائمی نعمتیں میسر آئیں گی اور خدانخواستہ راستے سے بھٹک جانے کی صورت میں ہمیں ناامیدی، حسرت و یاس اور نقصان کی وادیوں میں دھکیل دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اسلام میں وہ احکام اور قوانین موجود ہیں جن کے ذریعہ سے ایک صالح اجتماعی، سیاسی اور معاشرتی نظام تشکیل دیا جاسکتا ہے اور معاشرہ کی اصلاح کی جاسکتی ہے اور عدل و انصاف پھیلایا جاسکتا ہے۔ تو کون اس نظام کا سربراہ ہو جو اس کے قوانین کا نفاذ کرے اور اس کے مطابق احکامات جاری کرے، بالآخر کون اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ ہو؟!...

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اللہ کی طرف سے کون رہبر و رہنما ہیں؟

ہم خود آزادی سے یہ طے نہیں کر سکتے کہ رہبر و رہنما کون ہو؟ اور کون ایسا ولی ہے جس کی ولایت سے متمسک ہونا ہم پر فرض ہے تا کہ ہم بھٹکنے سے بچ سکیں اور چونکہ یہ شخصیات اللہ کی طرف سے منصوب ہیں اس نے خود انہیں اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اور ان سے اپنا عہد لیا ہے اس لیے ہم اس امر سے عاجز ہیں کہ اس شخصیت کا انتخاب کر سکیں۔ وہ ایسی ذات ہے جو رہبروں کی معرفت رکھتا ہے اور وہی انہیں منتخب کرتا ہے اور صرف اسی کی ذمہ داری ہے کہ وہ آگاہ کرے کہ رسول کریم ﷺ اور قرآن عظیم نے کس کو رہنما قرار دیا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کہتے ہوئے ان وسائل کو بیان فرمایا ہے:

انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی فانھما لن یفترقا حتیٰ یردا علیّ الحوض

بیشک میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں کتاب اللہ اور اپنی اہلبیت کو چھوڑے جارہا ہوں۔ کیونکہ یہ دونوں اس وقت تک ہرگز جدا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر نہ پہنچ جائیں گے۔ (بحارالانوار: ۵/۲۱)

یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا:

انی تارکٌ ما ان تمسکتم بہ لن تضلوا بعدی ابداً کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی

میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم اس سے متمسک رہو گے میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے وہ کتاب اللہ اور میری عترت اہلبیت ہیں۔ (الارشاد: ۱/۱۷۶)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ میں اہلبیت علیہم السلام، فتنہ اور گمراہی کی لہروں سے نجات دلانے والی کشتی ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الآ ان مثل اھل بیتی فیکم کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا و من تخلف عنھا ھلک

یاد رکھو! تمہارے درمیان میرے اہلبیت کی مثال کشتی نوح جیسی ہے جو اس میں سوار ہو گیا وہ نجات پا جائے گا اور جو اس میں

سوار نہ ہوگا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (مناقب امیر المومنین: ۲/ ۱۴۶)

پیغمبر ﷺ نے ان کی تعداد کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان فرما دیا کہ ان کا تعلق کس قوم و قبیلہ سے ہوگا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا یزال امر امتی ظاھراً حتی یمضی اثنا عشر خلیفة کلھم من قریش

میری امت کا معاملہ اس وقت تک نمایاں رہے گا جب تک کہ بارہ خلفا کا دور گزر نہیں جائے گا، ان سب کا تعلق قریش سے ہوگا۔ (بحار الانوار: ۶۳/ ۲۳۱)

صرف یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے ان خلفا کے اسمائے گرامی بھی بیان فرما دیئے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم ﷺ کے پاس ایک یہودی آیا جس کا نام نعثل تھا۔ اس نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے اوصیا اور خلفا کے بارے میں متعدد سوالات کیئے ان میں سے ایک سوال ان کے اسمائے گرامی کے بارے میں بھی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

بیشک میرے وصی علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں، ان کی وفات کے بعد میرے دونوں نواسے حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ حسینؑ کی وفات کے بعد ان کی صلب سے نو آئمہ علیہم السلام ہوں گے۔ اس نے کہا اے محمد ﷺ! مجھے ان کے نام بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب حسینؑ دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو ان کے بیٹے علیؑ، جب علیؑ انتقال کر جائیں گے تو ان کے بیٹے محمدؑ، جب محمدؑ اس جہان فانی سے رحلت کر جائیں گے تو ان کے بیٹے جعفرؑ، جب جعفرؑ وفات پا جائیں گے تو ان کے بیٹے موسیٰؑ، جب موسیٰؑ اس دنیا سے رحلت کر جائیں گے تو ان کے بیٹے علیؑ، جب علیؑ کوچ کر جائیں گے تو ان کے بیٹے محمدؑ، جب محمدؑ وفات پا جائیں گے تو علیؑ، جب علیؑ اس جہان فانی سے کوچ کر جائیں گے تو حسنؑ اور جب حسنؑ کا انتقال ہو جائے گا تو ان کے فرزند حجت خدا (م ح م د) مہدیؑ میرے وصی ہوں گے، اس طرح میرے یہ بارہ اوصیا ہوں گے۔ (ینابیع المودۃ: ۳/ ۲۸۱)

اور اللہ تعالی نے ان میں سے پہلے وصی کی شان میں ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ

بیشک تمہارا ولی اللہ، اس کے پیغمبر اور وہ تمہارے ولی ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور رکوع کی حالت میں زکوۃ دیتے ہیں۔ (المائدہ: ۵۵)

ہم اولیاء اللہ سے کیسے تعلق قائم کر سکتے ہیں؟

کلام سابق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ پیغمبر ﷺ اور بارہ آئمہ علیہم السلام اللہ عزوجل کی مخلوق اور مقرب بندے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں عظیم مقام و مرتبہ کے حامل ہیں۔ یہ وہ بابِ الٰہی ہیں جسے اللہ تعالی نے اپنی بارگاہ میں پہنچنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ دعائے ندبہ کے الفاظ ہیں:

أین باب اللہ الذی منه یؤتی (اور وہ بابِ الٰہی کہاں ہے جس سے اللہ تعالی تک پہنچا جاتا ہے؟!) (بحار الانور: ۹۹/ ۱۰۷)

چنانچہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو اپنے اس باب میں داخل ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے اسے امام (علیہ السلام) کی معرفت نصیب کرتا

ہے۔ چنانچہ ان کے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور اس رابطہ کو قائم کرنے کیلئے ان پر ایمان ضروری ہے، وہی اللہ کے ولی اور اس کی طرف سے رہنمائی کرنے والے ہیں۔ پھر ان کی اتباع کرتے ہوئے ان کے احکامات پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

ارشاد رب العزت ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ

اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو، پیغمبرؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اولو الامر کی اطاعت کرو (النسا: ۵۹)

اس سے ثابت ہوا کہ ان آئمہ علیہم السلام کی اطاعت کرنا درحقیقت پیغمبر ﷺ کی اطاعت ہے اور پیغمبر ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، ان کی اطاعت کرنے کا فائدہ خود ان کے پیروکاروں کو ہوتا ہے۔ ہمیں ان سے محبت ومودت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ۗ

اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ میں تم سے تبلیغ رسالت کا کوئی اجر طلب نہیں کرتا سوائے اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے مودت رکھنا۔ (الشوریٰ: ۲۳)

یہی وجہ ہے کہ جب ہم میں سے کوئی دوسرے سے محبت کرتا ہے اور اس کا کوئی دوسرا شخص قریبی دوست یا قریبی عزیز ہوتا ہے تو وہ اس کی وجہ سے اس سے بھی محبت رکھتا ہے۔ اس اصول پر اللہ کے محبوب سے محبت کرنا اللہ سے محبت کرنے کے مترادف ہے۔ اور اللہ سے محبت کرنے کا راستہ یہی ہے کہ اس نے ہمیں ان سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے پیغمبر ﷺ سے محبت رکھنا اللہ سے محبت کرنے جیسا ہے۔ اور آئمہ اہل بیت سے محبت رکھنا پیغمبر ﷺ اور اللہ سے محبت رکھنے کی مانند ہے۔ محبت کی نشانی وہ ہوتی ہے جو محبت کرنے والوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ آئمہ (اہل بیت علیہم السلام) سے محبت درحقیقت ان کی اطاعت کرنا ہے۔ ان کی محبت یعنی ان سے ملاقات وزیارت کرنا ہے۔ ان کی محبت کا مطلب ان کو اپنا وسیلہ بنانا ہے۔ ان سے محبت کا مقصد ان کے مقام ومرتبہ کو تسلیم کرنا ہے۔ ان سے محبت کا مفہوم ان سے علم حاصل کرنا اور ان کے احکامات کو برحق سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔ کیونکہ وہ ایسی سچی شخصیات ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان سچوں کے ساتھ ہو جائیں۔ ان سے محبت کا مقصد ان کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں ان کی معاونت کرنا ہے۔ ان کے فرائض کی ادائیگی میں ان سے تعاون کرنا ہے۔ ان میں سے آخری امام، مہدی کے ظہور کے لئے تیاری کرنا اور ماحول سازگار بنانا ہے۔

خاتمہ:

برادر عزیز! ان عظیم ہستیوں کے مقام ومرتبہ کو سمجھنے کے لئے اپنے دل میں وسعت پیدا کریں۔ ان کے بیان کردہ آداب کے زیور سے آراستہ ہوں۔ ان کی زیارت کرتے رہیں، اپنے دل میں اتنی وسعت پیدا کریں کہ آپ کا دل ان سے مانوس ہو جائے اور دنیا

و آخرت میں ان سے منسلک ہو جائیں۔ آپ اللہ کی رضاوخوشنودی اور محبت حاصل کریں اور ان کی اطاعت کریں کیونکہ عاشق اپنے محبوب کے بتائے ہوئے نقش قدم پر چلتا ہے اور انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہی محشور ہوتا ہے۔

سبق کا خلاصہ:

۱-نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد لوگوں کو ایک مثالی رہبر و رہنما کی ضرورت تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے عمل سرانجام دے۔

۲-امامت، منصب الہی ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کو اللہ تعالی خود مقرر فرماتا ہے۔ اسی نے انہیں معین فرمایا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ ان کے بارے میں لوگوں کو یہ پیغام پہنچادیں۔

۳-بارہ آئمہ علیہم السلام میں سے پہلے امام علی علیہ السلام، پھر حسن علیہ السلام اور ان کے بعد حسین علیہ السلام اور حسین علیہ السلام کے بعد ان کی ذریت میں سے نو امام علیہم السلام ہیں جن میں سے آخری امام حجت خدا (مرح م د) مہدی علیہ السلام ہیں۔

٤-ہمارا فرض ہے کہ ہم آئمہؑ کی اطاعت کریں، ان کی پیروی کریں، ان سے محبت رکھیں، ان کے ساتھ اپنے تعلق کو باعث اِفتخار سمجھیں اور ان میں سے آخری امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے لئے حالات سازگار کریں۔

سوالات

۱-اللہ تعالی کے اس فرمان: (بیشک تمہارا ولی اللہ، اس کے پیغمبر اور صاحبان ایمان وہ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور رکوع کی حالت میں زکوۃ دیتے ہیں) سے کیا مراد ہے؟

۲-اللہ تعالی کے اس فرمان: (اور تم اللہ کی اطاعت کرو، پیغمبرؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اولوالامر کی اطاعت کرو) سے کیا مراد ہے؟

۳-صحیح یا غلط کی نشاندہی کرتے ہوئے جواب دیں:

ا-نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد امام علیہ السلام کی اساسی ذمہ داری کفار و منافقین کو قتل کرنا ہے۔ (   )

ب-یہ اللہ تعالی کی رحمت ہے کہ اس نے امام کا انتخاب خود لوگوں پر چھوڑ دیا ہے۔ (   )

ج-ہر امام علیہ السلام کے بعد دوسرے امام علیہ السلام کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے کچھ عرصہ وقفہ آجاتا ہے۔ (   )

د-نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلمانوں سے وصیت میں ثقلین سے مراد کتاب وسنت ہے۔ (   )

مزید مطالعہ کیلئے

روزِ قیامت انسان شرمندہ ہوگا

روزِ قیامت حقائق سے پردہ اٹھ جائے گا۔ اس روز تمام راز آشکار ہو جائیں گے۔ اور انسان کو ادراک ہو جائے گا کہ اللہ ہمیشہ ہر مقام پر اس کے ساتھ موجود تھا اور اس کے قول و فعل کو دیکھ رہا تھا۔ دوسری طرف انسان یہ ملاحظہ کرے گا کہ اس کی ظاہری شکل وصورت اور باطنی حالات اس کے قبیح اخلاق کے مطابق ہوں گے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ:

لوگوں کی شکل ایسی بدصورت بنا دی جائے گی کہ جس کے مقابلے میں بندروں اور خنزیروں کی شکل خوبصورت دکھائی دے گی۔

انسان اپنے آپ کو بندر اور خنزیر سے بھی زیادہ غلیظ اور بدصورت دیکھے گا اور اپنی بداعمالیوں کو اپنے سامنے مجسم صورت میں دیکھے گا۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُۥٓ أَمَدًۢا بَعِيدًا

جس دن ہر شخص اپنے اعمال کی نیکی کو موجود پالے گا اور ان کی برائی کو بھی دیکھ لے گا تو آرزو کرے گا کہ اے کاش اس کے اور برائی کے درمیان جدائی ہو جاتی۔ (آل عمران: ۳۰)

اس صورتحال میں سخت شرم و حیاء کی وجہ سے اس کی حالت ایسے ہو جائے گی کہ جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ وہ جلد دوزخ میں ڈال دیئے جانے کی تمنا کرے گا تا کہ اسے حساب کے مرحلے پر لوگوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے چھٹکارا مل جائے۔ افسوس اس وقت جہنم میں جانا اس کے نزدیک کتنا آسان ہوگا!!

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے حالات زندگی میں ایسی صورتحال کے بارے میں اشارہ ملتا ہے کہ جب آپ کے سامنے موت کا ذکر کیا جاتا تو آپ رو پڑتے تھے اور جب جنت و دوزخ کا ذکر کیا جاتا تو آپ بیمار کی مانند بے چین ہو جاتے اور جب اللہ کے روبرو پیش ہونے کا ذکر کیا جاتا تو آپ بے ہوش ہو جاتے تھے۔

گیارہواں سبق

- امام مہدی علیہ السلام کی غیبت کے بعد کس کی طرف رجوع کیا جائے؟
- تقلید کیا ہے؟
- ہم کس کی تقلید کریں؟

فقہائے کرام، وسیلۂ الٰہی

علامہ اقبالؒ کا جوانان اسلام سے خطاب

کبھی اے نوجواں مسلم؛ تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوش محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں، تاج سر دارا
تجھے آباء سے اپنے، کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا
گنوادی ہم نے، جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا
حکومت کا تو کیا رونا، کہ وہ اک عارضی شئے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

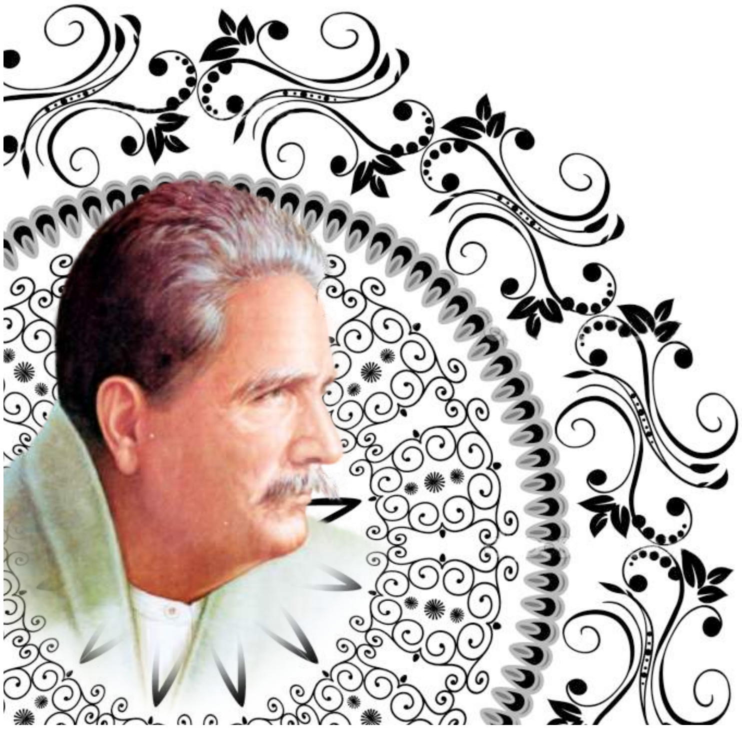

علامہ اقبالؒ

گیارہواں سبق

فقہائے کرام، وسیلۂ الٰہی

مقدمہ:

گذشتہ اسباق میں ہم کہہ چکے ہیں کہ دین کو ایسے نگہبان کی ضرورت ہے جو اس دین، اور اس کے احکام کی حفاظت کرے ۔ وہ دین اور مسلمانوں کے معاملات کی نگرانی کرنے کیلئے سعی و کوشش کرے ۔ اللہ تعالی نے انبیائے کرام علیہم السلام کے اس دنیا سے رحلت کر جانے کے بعد ان ذمہ داریوں کو نبھانے کیلئے ایک محافظ اور سرپرست مقرر کیا جو امام کہلاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہمارے لیے بارہ آئمہ علیہم السلام منتخب فرمائے جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خالص اور بہترین انسان ہیں ۔ لیکن بارہویں امام علیہ السلام کی غیبت میں یہی سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالی امت مسلمہ کو بغیر کسی رہبر و رہنما کے چھوڑ دے گا؟ اور کیا دین کو بغیر کسی نگہبان کے چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا لوگوں کو کسی ایسے شخص کی ضرورت نہیں ہوگی جو ان کے سامنے احکام بیان کرے اور قرآنی پیچیدگیوں کو حل کرے؟...

زمانہ غیبت میں امت کس کی طرف رجوع کرے؟

جب ہم میں سے کوئی شخص دور دراز طویل سفر پر روانہ ہوتا ہے تو وہ کسی بااعتماد آدمی پر بھروسہ کرتا ہے ۔ اپنے پاس رکھی ہوئی امانتیں اس شخص کے حوالے کرتا ہے ۔ اسے اپنے بیوی بچوں کی دیکھ بھال کرنے کی تاکید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں ان کی ضروریات پوری کرتا رہے ۔ جبکہ امام مہدی علیہ السلام جنہوں نے اپنے والد امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد اللہ کے حکم سے امامت کی باگ ڈور سنبھالی اور آپ براہ راست اپنی ذمہ داری کو علانیہ طور پر ادا نہیں کر سکتے تھے ۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ظالم عباسی حکمران آپ کو گرفتار کر کے قتل کرنا چاہتے تھے ۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آپ ہی وہ بارہویں امام علیہ السلام ہیں جو زمین کو ظلم و جور سے بھر جانے کے بعد

عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس نورالہی کو گل کرنا چاہا لیکن اللہ کا ارادہ غالب آیا، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ

وہ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے اللہ کے نور کو بجھا دیں جبکہ اللہ تعالی اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا اگر چہ کافر اسے ناپسند کرتے رہیں۔ (صف: ۸)

اللہ تعالی نے امام مہدی علیہ السلام کو عباسی حکمرانوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھا اور آپ کو ان کی آنکھوں سے مخفی رکھا تا کہ آپ اپنے والد گرامی امام حسن عسکری علیہ السلام کی نماز جنازہ پڑھانے کے بعد غیبت صغری میں چلے جائیں۔ لیکن امت کو اپنے امام سے رابطہ رکھنے کی اشد ضرورت درپیش تھی۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے امت مسلمہ سے رابطہ برقرار رکھنے کیلئے اپنے نائبین مقرر فرمائے تا کہ وہ آپ اور مومنین کے درمیان واسطہ بن جائیں۔ یہ نائبین حضرات درج ذیل ہیں:

۱- عثمان بن سعید عمری (م ۲۶۷ھ) ۲- محمد بن عثمان عمری (م ۳۰۵ھ)

۳- ابوالقاسم حسین بن روح نوبختی (م ۳۲۶ھ) ۴- علی بن محمد سمری (م ۳۲۹ھ)

لیکن اللہ تعالی کی اپنی مشیئت ہے۔ کونسی مشیئت... غیبت کا طولانی ہوجانا ضروری ہے یہاں تک کہ اللہ تعالی انہیں قیام کرنے کا حکم صادر فرمائے... چنانچہ کیا لوگوں اور دین اسلام کی وہ حاجت پوری ہوگئی جس میں ایک نگہبان، وضاحت کرنے والے اور رہبر و رہنما کا تقاضا کیا گیا تھا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ امام عازم سفر ہو چکے ہیں اس لیے اپنی امانتوں کو ایسے دیانتدار ہاتھوں کے سپرد کرنا ضروری تھا۔ آپ کے خیال میں وہ کون سے لوگ ہیں؟ آئیے ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت علیہم السلام کے کلام کی روشنی میں خصوصا امام حجت علیہ السلام کے کلام کی روشنی میں اسے تلاش کرتے ہیں شاید ہمیں مکمل اور تسلی بخش جواب میسر آجائے۔

جب ہم سیرت اہل بیت علیہم السلام ملاحظہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ امام حجت علیہ السلام نے اپنے چوتھے نائب اور وکیل علی بن محمد سمری کی زندگی کے آخری دنوں میں ناحیہ مقدسہ سے ایک تحریری حکم نامہ بھیجا جس میں امام علیہ السلام نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ عنقریب جب سمری فوت ہوجائیں گے تو امت کس کی طرف رجوع کرے گی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ چھ روز بعد وہ اس دنیا کو الوداع کہہ دیں گے اور اس طرح علی بن محمد سمری کی نیابت ختم ہوجائے گی اس کے ساتھ ہی خصوصی نیابت کا سلسلہ مکمل ہوجائے گا اور غیبت کبری کا زمانہ شروع ہوجائے گا۔

لیکن اس امت کے لیے دینی احکام اور دوسرے معاملات میں کون مرجع ہوگا جس سے رجوع کیا جائے؟ شیعانِ آل محمد کے اذہان میں یہ سوال پیدا ہوا، چنانچہ انہوں نے امام علیہ السلام سے پہلی فرصت میں یہ سوال پوچھا تا کہ انہیں یقین ہوجائے کہ کوئی ایسا وسیلہ موجود ہے یا کوئی ایسا شخص موجود ہے جو یہ ذمہ داری ادا کرے... البتہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ وضاحت فرمادی تھی کہ یہ امانت کس کے سپرد ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

العلماءُ اُمَناء الرُّسُل

علما انبیائے کرام کے امین ہیں۔ (میزان الحکمۃ: ۳/ ۳۰۸۸)

کونسے علماء انبیاء کرام کے امین ہیں خود حضرت حجت علیہ السلام نے اس کا جواب بیان فرمایا:

أما من كان من الفقهاء صائناً لنفسه حافظاً لدينه مخالفاً لهواه مطيعاً لأمر مولاه فللعوام أن يقلدوه

ترجمہ: جو بھی فقہاء میں سے اپنے نفس کو پاکیزہ رکھنے والا ہو، حافظ دین ہو، اپنی ہوائے نفس کا مخالف ہو اور اپنے مولا کے فرمان کا مطیع ہو لوگوں کو چاہیے اس کی تقلید کریں۔ (وسائل الشیعۃ، ج۱۸ص ۹۵، حدیث ۲۰)

مندرجہ بالا حدیث کی روشنی میں عادل فقہاء ہی لوگوں کے مرجع اور شرعی مسائل میں اُن کے راہنما قرار پائیں گے۔

تقلید کیا ہے؟

سابقہ جواب کے متن میں ''فللعوام ان یقلدوہ'' کی عبارت گزر چکی ہے۔ چنانچہ تقلید کا مطلب کیا ہونا چاہیے؟

روایت کے الفاظ سے تقلید کا معنی و مفہوم ظاہر ہوتا ہے جس کا مطلب دینی احکام میں فقیہ عالم مجتہد سے رجوع کرنا ہے کیونکہ امام علیہ السلام نے ہمیں ایسے علما کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے جو ان خصوصیات کے حامل ہوں نیز علم و عمل اور اپنے کردار کے لحاظ سے ایسی صلاحیتوں کے حامل ہوں جن کے ذریعہ ہمیں حلال و حرام کی پہچان کرا سکیں۔ اس کے علاوہ ہم اسلامی احکام اور اس کی گرانقدر تعلیمات سے آگاہ ہو سکیں۔ چنانچہ انہیں فقہا کے ذریعے سے ہی مکتب امامت اور امام مہدیؑ کے ساتھ رابطہ برقرار رہ سکتا ہے۔

جب ہم کسی مشکل میں گرفتار ہوتے ہیں تو سوچتے ہیں اس کے حل کیلئے ہم کس سے رجوع کریں؟ اور سوچتے ہیں، چنانچہ اگر وہ مسئلہ کسی عمارت کی تعمیر کے حوالے سے تو ہم انجینئر کے پاس جاتے ہیں۔ اگر اس مسئلہ کا تعلق ہماری جسمانی صحت سے ہوتا ہے تو ہم ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں... اسی طرح اگر وہ مشکل ہماری عبادات اور معاملات کے احکام سے متعلق ہو تو ہم اس کے اہل یعنی علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ وہی دینی احکام کو دلیل کے ساتھ اخذ کر سکتے ہیں۔

ہم کس کی تقلید کریں؟

لیکن جب ہم تقلید کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اب کس کی تقلید کریں؟... بالکل اسی طرح سے کہ جب ہم اپنا جسمانی علاج کروانا چاہتے ہیں تو اپنے فن میں ماہر ڈاکٹر سے رجوع کرتے ہیں جو ہمارے بدن اور اس کی صحت کے بارے میں دیانتدار ہو۔ اپنے دین کی صحت و آخرت کی سلامتی حاصل کرنے کیلئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ماہر اور دیانتدار انسان کی طرف رجوع کریں۔ یہی وجہ ہے کہ مرجع تقلید میں درج ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

۱- مرجع تقلید فقیہ اور مجتہد ہو۔ اسے معلوم ہو کہ قرآن کریم اور اہلبیت علیہم السلام کی سنت کو مدنظر رکھتے ہوئے کیسے شرعی حکم حاصل کیا جاتا ہے بلکہ وہ اپنے زمانہ میں سب سے بڑا فقیہ ہو اور قرآن و سنت کو سمجھنے میں سب سے زیادہ قدرت رکھتا ہو۔

۲-عادل ہو (جسے ہم دیانتدار کے لفظ سے یاد کرتے ہیں) یعنی وہ مومن اور اللہ کا اطاعت گزار ہو اور گناہوں سے اجتناب کرتا ہو۔

۳-ذہین ہو، اچھی یادداشت کا مالک ہو، اور اس سے بھول چوک کم ہوتی ہو۔

٤-زاہد ہو اور دنیا پر حریص نہ ہو۔

٥-حلال زادہ ہو۔

اس کے علاوہ بھی کچھ شرائط ہیں جنہیں اختصار کے پیش نظر ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

ہم مرجع کی شناخت کیسے کریں؟

مرجع میں پائی جانے والی ایسی صفات کو بیان کرنے کے بعد کہ جن سے آراستہ ہونا مرجع کیلئے ضروری ہے۔ ہمارے سامنے ایک بڑی مشکل باقی ہے۔ وہ یہ کہ ہم کیسے یہ معلوم کر پائیں گے کہ ان میں سے کون سے مجتہد میں یہ صفات پائی جاتی ہیں اور کس میں نہیں۔ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ ان صفات کے حامل مجتہدین میں سے افضل کون ہے... اسی لیے کچھ ایسے اصول بیان کرنا ضروری ہیں جو صحیح اسلامی شریعت نے مقرر کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱-اہل خبرہ (اہل علم) میں سے دو عادل گواہی دے دیں۔

۲-ایسی شہرت کا حامل ہو کہ تشخیص دینا آسان ہو۔

۳-خود انسان یہ تشخیص دے سکتا ہو لیکن یہ کام صرف اہل خبرہ میں شامل کوئی عالم ہی کر سکتا ہے۔

یاد رکھنے کی بات:

امام علی علیہ السلام سے روایت ہے:

عالم کی مثال کھجور کے درخت کی مانند ہے کہ تم اس کا انتظار کرتے ہو پھر جا کر وہ تم پر کچھ کھجوریں گراتا ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

جو اہل عقل و دانش کا مشورہ نہیں سنتا اس کی عقل ماری جاتی ہے۔

سبق کا خلاصہ:

۱-امام مہدیؑ نے اپنے وکیل اور نائب مقرر فرمائے ہیں تا کہ وہ غیبت صغریٰ کے زمانہ میں عوام اور آپ کے درمیان وسیلہ بنیں۔

۲-چوتھے وکیل کی وفات سے کچھ پہلے آپ نے امت کو عادل فقہا کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا۔

۳- مرجع تقلید میں علم، تجربہ، عدالت وغیرہ کی شرائط ہونا ضروری ہیں۔

٤- مرجع تقلید کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل خبرہ میں سے دو عادل گواہی دے دیں۔ یا انسان خود پہچان سکتا ہو اور ان کے علم کے بارے میں ایسی شہرت موجود ہو جس سے اس کی تشخیص دی جا سکتی ہو۔

سوالات

۱- تقلید کیا ہے؟

۲- ہم مرجع تقلید کی شناخت کیسے کریں؟

۳- صحیح یا غلط لکھ کر جواب دیں:

ا- ہمارا فرض ہے کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اہلبیت علیہم السلام سے براہ راست فقہی احکام حاصل کریں۔ (   )

ب- مجتہد وہ ہوتا ہے جو طویل عرصہ تک پڑھتا رہا ہو اور اس نے کثیر تعداد میں کتابیں پڑھی ہوں۔ (   )

ج- ہر مجتہد مرجع تقلید ہوتا ہے۔ (   )

د- مرجع تقلید کو ہاشمی ہونا چاہیے۔ (   )

مزید مطالعہ کیلئے

رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای (دامت برکاتہ) کی اعلمیت پر شواہد

۱) میں آیت اللہ خامنہ ای کو مجتہد مُسلّم سمجھتا ہوں۔ (امام خمینیؒ)

۲) میں اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں اور یہ گواہی دیتا ہوں کہ وہ (خامنہ ای) اپنے ہمعصر ساتھیوں میں اعلم ہیں۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور آپ سب کو ان کی سربراہی، ہدایات اور فیوض و برکات سے مستفید فرمائے! (آیت اللہ سید جعفر الحسینی الکریمی)

۳) میں دورِ حاضر میں رہبر معظم سے بڑھ کر مرجعیت کا حقدار کسی دوسرے کو نہیں سمجھتا ہوں۔ (آیت اللہ شیخ احمد جنتی)

۴) میں اس امر پر یقین رکھتا ہوں کہ آیت اللہ خامنہ ای تقلید سے متعلقہ امور اور امت اسلامیہ کی مرجعیت کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے میں مجموعی طور پر اعلم اور سب سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں۔ (آیت اللہ شیخ محمد یزدی)

۵) شریعت اسلامیہ کے مختلف شعبہ جات میں ان کے قابل قدر علم اور پختہ رائے نیز فرد اور معاشرے کے بارے میں ان کے خیالات سے آگاہ ہونے کے بعد میں ان کی اعلمیت کی گواہی دیتا ہوں۔ اس لئے میرے نزدیک ان کی تقلید کرنا صحیح ہے۔ اللہ تعالی ان کی حفاظت فرمائے اور وہی اس امر کا شاہد ہے۔ (آیت اللہ محمد علی تسخیری)

۶) میری رائے میں آیت اللہ خامنہ ای مجموعی طور پر سب سے زیادہ نیک و صالح اور اعلم شخصیت ہیں۔ (آیت اللہ شیخ محمد ابراہیم جنتی)

بارہواں سبق

- ولی امر کا ہونا کیوں ضروری ہے؟
- غیبت کبریٰ کے زمانے میں ولی امر کون ہے؟
- ولایت کی برکات...

ولی امر، وسیلۂ الٰہی

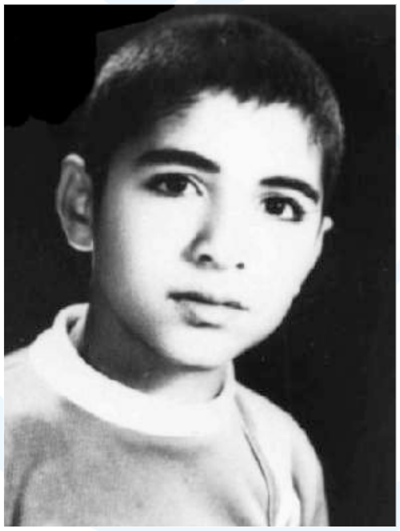

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے شہید حسین فہمیدہ کے متعلق فرمایا:

ہمارا رہبر وہ 13 سالہ بچہ ہے کہ جس نے دشمن کے ٹینکوں کی پیش قدمی روکنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔

بارہواں سبق

ولی امر، وسیلۂ الٰہی

ولی امر کا ہونا کیوں ضروری ہے؟

جب امام علیہ السلام خود موجود تھے تو وہ لوگوں کی زندگی اور ان سے متعلقہ شرعی امور کو بیان کرنے کی ذمہ داری خود نبھاتے تھے اس طرح وہ لوگوں کے لیے ان کے دینی مسائل و احکام میں محوری حیثیت رکھتے تھے۔ اسی طرح امام علیہ السلام ان کے دینی اور دنیاوی امور میں رہبر و رہنما بھی تھے۔ آپ لوگوں کو پیش آنے والے واقعات و حوادث کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی ذمہ داریاں اور فرائض متعین فرماتے تھے اور ایسے امور میں ان کی رہنمائی فرماتے کہ جو سیاسی، اقتصادی، عدالت و انصاف کے حوالے سے پیش آتے تھے۔ حکمرانوں کے موقف، اصول و قوانین، دشمنوں اور اہل بدعت کی طرف سے پیدا کردہ مشکلات و تکالیف کا سامنا کرنے کیلئے لوگوں کی ذمہ داریاں بیان فرماتے تھے۔ چنانچہ امام احکامات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ دستیاب ذرائع کے مطابق جتنا موقع ملتا ان پر عمل درآمد کرنے اور ان کے نفاذ کی بھرپور کوشش کرتے تھے۔

ہم اسلامی احکام کی طرف غور کریں تو دیکھتے ہیں کہ وہ بنی نوع انسان کی زندگی اور اس کے تعلقات کی تفصیلات پر مشتمل ہیں۔ اس لئے کبھی یہ احکام انسان کے کردار اور اپنے رب سے اس کے رابطہ اور کبھی انسان کی ذات سے متعلق ہوتے ہیں کہ وہ کیسے ان تعلقات کو استوار کرے اور کیسے انہیں قائم رکھے۔ کبھی انسان کی ذات سے متعلق ہوتے ہیں یعنی اس کے کھانے، پینے، لباس، علم، نگاہ، زبان اور اخلاق و کردار کے بارے میں ہوتے ہیں۔ اور کبھی انسان کے ماحول میں موجود دوسری مخلوقات مثلاً حیوانات، پانی، دیگر افراد، مسلم معاشرہ اور غیر مسلمین کے ساتھ تعلقات کے بارے میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب ہم مندرجہ بالا امور میں غور کرتے ہیں تو درج ذیل احکام سامنے آتے ہیں۔ مثلاً

۱- چور کا ہاتھ کاٹنا

۲- زانی کو سنگسار کرنا

۳- لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا اور ان کے لڑائی جھگڑوں کا تصفیہ کرانا

۴- دفاع اور جہاد

۵- ایسے احکام جو اموال سے متعلق ہوتے ہیں مثلاً خمس و زکوۃ و صدقات وغیرہ

۶- دوسرے ممالک اور ریاستوں کے درمیان تعلقات

مندرجہ بالا احکام اور ان جیسے دوسرے احکام پر غور و فکر کرنے سے ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص ہونا ضروری ہے جو ان احکام پر عمل درآمد اور ان کے نفاذ و اجرا کو یقینی بنائے۔ اس لیے کچھ نظامات اور اداروں کی ضرورت ہے نہ کہ افراد کی، یہ سب حکومتی ذمہ داریاں ہیں۔ یہ صرف انفرادی ذمہ داریاں ہی نہیں ہیں بلکہ یہ احکام حکومتی اختیارات کے ذریعے قابل نفاذ ہیں معصوم علیہ السلام کے زمانے میں حکومتی سربراہ بھی معصوم (نبی یا امام علیہم السلام) ہوتے ہیں تو آپ کے خیال میں زمانہ غیبت میں یہ ذمہ داری کس کی ہے؟ کون ان امور کی نگرانی کرے گا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے جواب سے واقف ہونا ہمارے لئے ضروری ہے۔ اگر ہم عقل سے رجوع کریں تو یہ ہمیں سب سے زیادہ با اختیار اور حکم خدا کا سب سے زیادہ علم رکھنے والی شخصیت کی طرف ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

امّا حوادث الواقعة فارجعوا فیها الی رواة حدیثنا فانهم حجتی علیکم و انا حجة الله علیهم

بہر حال پیش آمدہ حالات اور واقعات میں ہمارے راویان حدیث کی طرف رجوع کرو کیونکہ یہ حضرات تم پر میری طرف سے حجت ہیں جس طرح میں ان پر اللہ کی طرف سے حجت ہوں۔ (وسائل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۱۰۱، حدیث ۹)

اور وہ فقہاء ہیں... اور اگر ہم امام علیہ السلام سے سوال کریں تو وہ یہ جواب دیتے ہیں''... بہر حال پیش آمدہ حالات اور واقعات میں ہمارے راویانِ حدیث کی طرف رجوع کرو (راویانِ حدیث سے مراد ہر راوی مراد نہیں ہے، چونکہ راوی ثقہ بھی ہوتے ہیں اور غیر ثقہ بھی، عالم بھی ہو سکتے ہیں اور جاہل بھی، لہٰذا یہاں راویان حدیث سے مراد وہ عادل فقہاء ہیں جو یہ علمی استعداد رکھتے ہیں کہ وہ قرآن، سنت اور آئمہ کی احادیث کو سمجھتے ہیں اور ان سے فقہی اور دینی مسائل کو بیان کر سکتے ہیں۔) کیونکہ یہ حضرات تم پر میری طرف سے حجت ہیں جس طرح میں ان پر اللہ کی طرف سے حجت ہوں۔'' امام حجت علیہ السلام اپنے بعد عوامی امور پر فقیہ کو ولی بنا رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام حجت علیہ السلام کے بعد ولی فقیہ ہی ولی الامر ہوتا ہے۔

ولی فقیہ کون ہیں؟

ولی فقیہ زمانہ غیبت میں امام حجت علیہ السلام کی طرف سے ولی امر معین ہوتا ہے تاکہ وہ حکومتی سربراہی کر سکے جس کے ہاتھ میں دینی و دنیوی احکامات اور ضروری پالیسیوں کا اجرا ہوتا کہ امت مسلمہ کو بچایا جائے، اس کی حفاظت کی جائے، اس امت کے دین اور مالی ذرائع کے حریص عناصر سے اور دشمنوں سے مسلسل حفاظت کی جائے۔ ولی فقیہ امت کا عوامی رہنما ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کا فقہی، علمی، دلیرانہ و دانشمندانہ استعداد و صلاحیت کا مالک ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اسلامی احکام کو نافذ کرنے کی قدرت و طاقت رکھتا ہو اور وہ اسلام دشمنوں کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ اسلام پر ضربہ لگائیں یا مسلمانوں کی دولت و ثروت کو لوٹ لیں یا انہیں قتل کر دیں یا بدعتیں پھیلائیں اور دین

میں تحریف کریں۔ چنانچہ ولی فقیہ شریعت اسلامی کا محافظ اور اسلام کے سچے مفاہیم وعقائد کو اہل بدعت اور گمراہوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ایک نگہبان ہوتا ہے۔ وہ امت اور اس کی حدود کا محافظ ہوتا ہے۔ وہ دشمنوں اور لٹیروں سے ملکی وسائل اور خزانوں کو محفوظ رکھنے والا ہوتا ہے، اسی لیے ولایت فقیہ کا مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے جس سے لاپرواہی نہیں کی جاسکتی بصورت دیگر ہم ایسی امت شمار ہوں گے جن کا کوئی رہنما نہ ہو اور ایسے دین کے حامل ہوں گے جس کو رہنمائی کرنے والا نہ ہو۔ اور ہم صحرا کی بھیڑ بکریوں جیسے ہوں گے جن کا کوئی چرواہا یا محافظ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ولی فقیہ سے پہلوتہی کرنا ہمارے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔ ولی فقیہ کی پیروی کرنا اسی طرح لازمی امر ہے جس طرح ہم تقلید کرتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں بلکہ یہ ان احکام سے بھی کئی گنا زیادہ اہم معاملہ ہے کیونکہ اسی کی بدولت فرائض ادا کئے جاسکتے ہیں، حدود کی حفاظت کی جاسکتی ہے دین اور اہل دین کی حفاظت کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ اگر ہم عبادات کو بجا لانے کے بعد ولی فقیہ کی نافرمانی کریں تو ہماری صورت ایسی ہے جیسے ہم نے عبادات انجام ہی نہیں دی۔

ولایت کی برکات:

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ ولی فقیہ کا وجود اور اس کی اطاعت کرنا اللہ تعالی کی برکتوں کے نزول اور توفیقِ الٰہی کا سبب بنتا ہے کیونکہ یہ ولایت کے اس مرکز سے مربوط ہوتا ہے جو کہ اللہ رب العزت، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام کی ذوات مقدسہ ہیں۔ ہم ولی فقیہ کے وجود کی برکت اور اس کی اطاعت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آئیے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

یہ ولایت فقیہ کے ثمرات ہیں کہ لبنان میں بسنے والے مومنین ظالم وجابر صیہونی دشمنوں کے مقابلہ میں فتحیاب ہوئے۔ کیونکہ اس دور کے ولی فقیہ امام خمینیؒ کے احکامات نہ ہوتے تو وہاں پر اسلامی تحریک آزادی کا قیام نہ ہوتا کیونکہ امام خمینیؒ نے اسے تشکیل دینے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

اور اگر رہبر معظم خامنہ ای (حفظہ اللہ) اس تحریک کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچاتے جسے امام خمینیؒ نے شروع کیا تھا تو یہ تحریک جاری نہ رہتی اور نہ ہی فتح سے ہمکنار ہوتی۔ کیونکہ رہبر معظم براہ راست اس کی سرپرستی فرماتے رہے اور اپنے احکامات اور بیانات جاری کرتے رہے۔ اس تحریک کی عملی کوششوں کی نگرانی کرتے رہے اور اسے قیمتی مشوروں سے نوازا اور نہ صرف اپنی دعاوں میں یاد رکھا بلکہ اس کی ہر لحاظ سے امداد کی اور اسے استحکام بخشا۔

اس سے واضح ہوا کہ اسلامی تحریک ولی فقیہ کے حکم پر جاری ہوئی جس میں اسرائیل سے جنگ کو واجب قرار دیا گیا۔ تو مٹھی بھر مومنین جن میں سید عباس موسویؒ شہید بھی شامل تھے وہ اس حکم کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ مختصر سی جماعت ولی فقیہ کی ہدایات کی روشنی میں گامزن رہی۔ مجاہدین اس حکم کے نفاذ میں تھکاوٹ، مشکلات اور زخموں سے چور ہوئے بلکہ شہادت کے مرتبے پر فائز بھی ہوئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالی نے مومنین کی اس مختصر سی جماعت کو ایسی فتح دی کہ عالم عرب اپنے تمام لشکروں، ممالک اور حکومتوں کے بل بوتے پر بھی ایسی فتح حاصل کرنے سے عاجز رہے۔ چنانچہ اس طرح اللہ تعالی نے مختصر جماعت کی طرف سے اپنے ولی فقیہ کے حکم کی اطاعت

کرنے کی وجہ سے پوری امت اسلامیہ کو عظیم فتح سے سرفراز فرمایا۔

چنانچہ ولایت فقیہ کی برکت اور ولی فقیہ کے احکام کی پابندی کا نتیجہ ہے جس سے امت کو فتح ونصرت حاصل ہوئی۔ یہ ایسی فتح ہے جس کے بارے میں کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ مومنین کی ایک قلیل تعداد، ایک چھوٹا سا ملک اور عربوں اور مسلمانوں کی کمزور حکومت اتنی شاندار فتح حاصل کرسکتی ہے۔

آج دنیا بھر میں آزادی اور اسلامی بیداری کی جو تحریکیں چل رہی ہیں خصوصاً فلسطین کا قضیہ اگر زندہ ہے اور فلسطینی اپنی مقاومت آمیز تحریک کو آگے بڑھا رہے ہیں اور اسرائیل کا گھیرا تنگ کر رہے ہیں تو یہ سب برکات ولایت فقیہ کی ہیں۔

خود انقلاب اسلامی ایران کا ارتقاء اور کمال اسی نعمت کی بدولت ہے۔ آج پاکستان میں بھی امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کی اصلاحی جدوجہد اور اس میں نمایاں کامیابیاں اور نوجوانوں کی دینی تربیت اور ملت کی بیداری اور دین کی طرف رغبت کا بھی اہم ترین عنصر ولایت فقیہ سے تمسک ہے۔ خدا اس نظام کو دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمائے۔

(آمین)

خاتمہ:

اے برادر عزیز! ایسے شخص کی آنکھیں اور کان بند ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ آج اپنے فرائض پر عمل کرنے کے لیے بتانے والا کوئی نہیں ہے، میری راہنمائی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ کیا ولی فقیہ امام عصر علیہ السلام کی طرف سے آپ پر حجت نہیں ہیں کہ آپ ان کی پیروی کر کے اپنے دینی فرائض پر عمل کرسکیں کیا آپ کے پاس کوئی اور ذریعہ بھی ہے؟

سبق کا خلاصہ:

۱- ولی فقیہ، امام معصوم علیہ السلام کا نائب ہوتا ہے جو زمانہ غیبت میں امت کی رہنمائی کرتا ہے اور امام علیہ السلام نے اسے بذات خود اس منصب پر مقرر کیا ہوتا ہے۔

۲- ولی فقیہ کی اطاعت، معصوم علیہ السلام کی اطاعت کی طرح لازم ہے کیونکہ وہ نائب اِمام علیہ السلام ہیں اور اس کی اطاعت سے فرائض کی انجام دہی، حدود کی حفاظت اور شریعت کی نگہبانی ہوتی ہے۔

۳- ولی فقیہ کے وجود اور اس کی اطاعت کی ایک برکت کی مثال اسرائیل کے مقابلے میں لبنان کو حاصل ہونے والی فتح ہے۔

سوالات

۱- امام حجت علیہ السلام کے زمانہ غیبت میں دین کی حفاظت اور نگہبانی کی ذمہ داری کون سر انجام دیتا ہے؟

۲- وہ روایت بیان کریں جس کی رُو سے امام مہدی علیہ السلام نے اپنے بعد اپنے نائبین مقرر فرمائے ہیں۔

۳- صحیح یا غلط کی نشاندہی کرتے ہوئے جواب دیں:

ا- لفظ "ولی فقیہ" کا مطلب مجتہد ہے۔( )

ب- ولی فقیہ کی اطاعت کرنا صرف اس کی تقلید کرنے والوں سے مخصوص ہے۔( )

ج- انسان، ولی فقیہ کی اطاعت کئے بغیر دین کا پیروکار بن سکتا ہے۔( )

د- ہر علاقے میں ایک ولی فقیہ ہونا ضروری ہے تاکہ دین کو تقویت مل سکے۔ ( )

مزید مطالعہ کیلئے

امام علی علیہ السلام کا مہمان

امیر المومنین علیہ السلام کے پاس دو مہمان آئے۔ ان میں سے ایک باپ اور دوسرا اس کا بیٹا تھا۔ آپ کھڑے ہو کر ان سے ملے اور ان کا احترام کیا۔ انہیں صدر مجلس میں بٹھایا اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ پھر آپ نے کھانا منگوایا اور انہیں پیش کیا۔ دونوں نے کھانا کھایا۔ پھر مولا کے غلام قنبر ایک طشت میں پانی کا برتن اور رومال لے آئے۔ جب وہ اس آدمی کے ہاتھوں پر پانی ڈالنے لگے تو امیر المومنین علیہ السلام نے لوٹا ان سے لے لیا تا کہ اس آدمی کے ہاتھ دھلائیں لیکن اس نے ایسا نہ کرنے دیا اور بولا اے امیر المومنین علیہ السلام! اللہ مجھے دیکھ رہا ہے کہ آپ میرے ہاتھ دھلوا رہے ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اپنے ہاتھ دھوؤ کیونکہ اللہ عزوجل تمہیں بھی دیکھ رہا ہے اور تمہارے اس بھائی کو بھی دیکھ رہا ہے جو تم سے امتیاز نہیں برت رہا ہے اور وہ تمہاری خدمت کر رہا ہے اور وہ جنت میں اس سے زیادہ اس کی خدمت کرے گا۔۔۔

پھر وہ آدمی اپنے ہاتھ دھونے کیلئے آگے بڑھا تو امام علیہ السلام نے اسے فرمایا: میں تجھے اپنے اس عظیم حق کا واسطہ دے کر کہتا ہوں جسے تم پہچانتے ہو، تم اسی طرح مطمئن ہو کر اپنے ہاتھ دھوؤ جس طرح کہ اگر قنبر تمہارے ہاتھوں پر پانی ڈالتا تو تم مطمئن رہتے۔ اس آدمی نے آپ کے حکم پر عمل کیا۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہوا تو آپ نے وہ لوٹا اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ کو دے دیا اور اسے فرمایا، بیٹا! اگر یہ نوجوان اپنے باپ کے بغیر تنہا میرا مہمان ہوا ہوتا تو میں ضرور اس کے ہاتھ دھلواتا لیکن جب ایک مقام پر باپ اور بیٹا موجود ہوں تو اللہ عزوجل نے ان میں مساوی سلوک کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے باپ نے اس شخص کے ہاتھ دھلوائے ہیں اور اب بیٹے کو چاہیے کہ وہ اس شخص کے بیٹے کے ہاتھ دھلوائے۔ چنانچہ محمد بن حنفیہ نے بیٹے کے ہاتھ دھلوائے۔

امام حسن علیہ السلام نے یہ حدیث روایت کی ہے۔ آپ نے حدیث مکمل کرنے کے بعد اس میں اضافہ فرمایا کہ

جو شخص اس کام میں علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی پیروی کرے گا وہ میرا مخلص شیعہ ہے۔

گلستان جوانان

شہید قائد علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ

۱۔آغوش مادر سے صحن مکتب تک:

25 نومبر 1946ء کے روز اذان صبح کے وقت لا الہ الا اللہ کا حقیقی عارف ماں کی گود میں وارد ہوا۔آپ کے والد کا نام سید فضل حسین شاہ تھا۔چند روز بعد بچے کے نام کا مسئلہ پیش آیا تو بزرگان نے اپنے عرفان اور بچے کی پیشانی کی بدولت اس کا نام عارف حسین رکھا جو بعد میں عارف حسین الحسینی کے نام سے معروف ہوا۔

سید عارف حسین الحسینی بچپن ہی سے نماز کے پابند تھے،اوائل عمر ہی سے آپ ہشاش بشاش اور ہنس مکھ تھے۔زمانہ طالب علمی میں ہی آپ کے تقویٰ،سچائی اور مؤدب پن نے اساتذہ کو بے حد متاثر کیا۔اسکول یا جماعت میں طالب علموں کے درمیان اگر کوئی جھگڑا ہو جاتا تو اساتذہ آپ کی گواہی کے بعد آخری فیصلہ دیتے تھے۔اساتذہ کے سامنے سر جھکا کر بیٹھنا اور نظریں نیچی کر کے چلنا آپ کا شیوہ تھا،یہاں تک کہ آپ پورے زمانہ طالب علمی میں نہ کسی سے اُلجھے اور نہ کسی سے ناراض ہوئے۔1962ء میں دسویں جماعت پاس کرنے کے بعد آپ اپنی طبیعت میں روحانیت کی بنا پر دینی تعلیم کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے "مدرسہ جعفریہ" میں داخل ہوئے۔

۲۔عراق روانگی اور زمانہ نجف اشرف:

آپ 1967ء میں وطن کی فضاؤں سے کچھ وعدے کر کے نجف روانہ ہوئے۔نجف اشرف میں زمانہ طالب علمی کے دوران سید عارف حسین الحسینی ہر پاکستانی طالب علم سے انتہائی خلوص و محبت اور شفقت سے پیش آتے،ہر نئے آنے والے طالب علم کی بھر پور معاونت کرتے،ان کی تعلیم،رہائش اور وظیفہ کا انتظام فرماتے۔آپ کی کوشش ہوا کرتی تھی کہ تمام پاکستانی طلباء کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے۔

آپ تعلیم کے سلسلے میں تین چیزوں کے سختی سے پابند تھے۔

الف۔ دروس کا لکھنا: اساتذہ سے جو کچھ پڑھتے آپ انہیں اپنی ڈائری میں لکھتے

ب۔ مباحثہ: یعنی پڑھے گئے دروس پر ساتھیوں سے بحث کرنا

ج۔ مطالعہ: آپ فارغ اوقات میں بڑے بڑے کتب خانوں میں جا کر اہم موضوعات کی کتب کا مطالعہ کرتے اور نوٹس بناتے، قیادت کے دوران بھی آپ فرصت نکال کر مطالعہ کرتے اور نوٹس بناتے اور دوران سفر کتب اپنے ساتھ رکھتے۔ شوق مطالعہ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ آپ ساڑھے چھ سال بعد پہلی دفعہ نجف اشرف سے گھر (پاراچنار) واپس لوٹے۔

نجف اشرف میں قیام کے دوران عبادات کو زیادہ اہمیت دینا آپ کی فطرت کا جزو بن گیا۔ ہر شب جمعہ دعائے کمیل اور زیارت امام حسینؑ پڑھنا آپ کا وطیرہ تھا۔ کربلا کی زیارت آپ کا جنون اور عشق تھا۔ آپ نے نجف اشرف میں ساڑھے چھ سال قیام کے دوران بیس سے زائد مرتبہ کربلا کی پیدل زیارت کی۔

۳۔ نجف میں امام خمینیؒ کے ساتھ وابستگی:

جس زمانہ میں آپ نجف اشرف میں تعلیمی مراحل تیزی سے طے کر رہے تھے۔ ان ایام میں رہبر انقلاب اسلامی حضرت امام خمینیؒ بھی نجف میں جلاوطنی کے دن کاٹ رہے تھے۔ آپ مدرسہ آیت اللہ بروجردی میں نماز مغربین کی امامت فرماتے اور چند لوگ آپ کی اقتداء میں نماز بجالاتے تھے۔ پاکستانی طلباء میں سید عارف حسین الحسینی واحد طالب علم تھے جو باقاعدگی سے امام خمینیؒ کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے، نماز کے بعد امام خمینیؒ کے دروس کو انتہائی انہماک سے سنتے اور ذہن کی لوح پر نقش کر لیتے۔ آپ واپس اپنے ہاسٹل لوٹتے تو وہاں پر موجود تمام احباب کو امام خمینیؒ کے درس کا خلاصہ پیش کرتے اور انہیں امام خمینیؒ کے دروس میں شرکت کی اپیل کرتے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی زمانہ طالب علمی سے ہی حضرت امام خمینیؒ کے مقلد تھے۔ جس کے ناطے آپ حضرت امام خمینیؒ کے ہر حکم کی تائید واجب سمجھتے تھے۔ جب عراق کی حکومت امام خمینیؒ کو کمیونسٹ اور ایک جنگجو مولوی سے تشبیہ دیتی تھی اس وقت عراق میں علامہ سید عارف حسین الحسینی ایک غیر ملکی طالب علم ہونے کے باوجود حضرت امام خمینیؒ کی ذات میں جذب ہو گئے تھے۔ آپ نے حضرت امام خمینیؒ کے ہر حکم کی بجا آوری اور اطاعت کیلئے جو شب و روز جدوجہد کی اسے تاریخ صدیوں تک اپنے دامن میں محفوظ رکھے گی۔

۴۔ زمانہ قم المقدسہ ایران:

شادی کے بعد 1974ء میں جب آپ نے دوبارہ نجف اشرف جانا چاہا تو آپ کے داخلہ پر پابندی عائد کر دی گئی کیونکہ عراقی حکومت آپ کی سرگرمیوں، قائدانہ صلاحیتوں اور امام خمینیؒ سے عقیدت سے آشنا ہو چکی تھی۔ علمی تشنگی اور امام خمینیؒ کے ہجر نے آپ کو پاکستان میں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ آپ 8 ماہ بعد قم تشریف لے گئے جہاں آپ نے آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری، آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی، آیت

اللہ وحید خراسانی، آیت اللہ مدنی تبریزی اور آیت اللہ حرم پناہی سے تاریخ، اُصول، فلسفہ، فقہ اور علم کلام کا درس لیا۔
قم میں انقلابی جلسوں کے علاوہ عزاداری کے جلوسوں میں شرکت کرنا آپ کا پسندیدہ فعل تھا، قم میں قیام کے دوران جہاں آپ امام خمینی کی تحریک کے سپاہی تھے وہاں آپ پاکستانی امور پر بھی گہری نظر رکھتے تھے۔ جب کوئی پاکستانی طالب علم قم آتا تو آپ اس سے پاکستان کے مکمل حالات اور بالخصوص ملت جعفریہ کی صورتحال کا ضرور استفسار کرتے۔

۵۔ پاراچنار میں آمد اور مجاہدانہ کردار:

آپ استاد کے حکم کی تعمیل اور کرم ایجنسی کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر 1977ء میں قم سے پاراچنار تشریف لائے اور سلسلہ درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ یہاں آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ اول مدرسہ کی ترقی اور دوم کرم ایجنسی کے حالات کی بہتری۔ بطور مدرس آپ نے طلباء کی فکر کو جدید اسلامی نہج پر لانے اور طلباء میں تقویٰ کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی۔ جہاں آپ نے طلباء کی ضرورتوں اور علم دین کی افادیت کو اہمیت دی وہاں مدرسہ کی تعمیر، نوجوانوں کو مدارسِ دینیہ کی طرف راغب کرنے اور مدرسے کے نظام اور تعلیم کو بہتر بنانے کی کوشش بھی کی۔ ایک طرف آپ نے مدرسہ جعفریہ پاراچنار کو بام عروج تک پہنچایا اور انقلابی روح پھونکی جبکہ دوسری جانب کرم ایجنسی کے حالات اور گردوپیش کی تبدیلیوں پر کڑی نظر رکھی۔

٦۔ کرم ایجنسی کے نامساعد حالات میں آپ کا تاریخ ساز کردار:

انقلاب اسلامی ایران کی عظیم کامیابی کے بعد انقلاب اسلامی کی شعاعیں پاکستان پر اثر انداز ہونے لگیں اور امام خمینیؒ کا پیغام دن بدن عوام میں مقبول ہونے لگا جسے آغاز میں پاکستان کے تمام دینی حلقوں بالخصوص جماعت اسلامی کے بانی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے خوب سراہا اور امام خمینیؒ سے روابط مستحکم کیے۔ اس کے ساتھ ہی انقلاب اسلامی ایران کے اثرات کا خدشہ امریکہ کو لاحق ہوا تو اس نے پاکستان میں شیعہ اکثریتی علاقوں کا زور توڑنے کی ٹھان لی۔ آخر کار امریکی ایماء پر ان آلہ کاروں کی وجہ سے کرم ایجنسی میں خونی فسادات پھوٹ پڑے۔ مخالف عناصر کی جارحیت کے مقابلے میں علامہ عارف حسین الحسینی نے نوجوانوں کی بروقت رہنمائی اور قوم کو احساس تحفظ بخشا۔ آپ کے ان پروقار اور شجاعانہ اقدامات کی وجہ سے کرم ایجنسی کے عوام آپ کو اپنا قائد تسلیم کرنے لگے۔ حالات کے تقاضوں کے پیش نظر آپ نے دفاعی ضروریات کی تکمیل اور قوم کو منظم کرنے کیلئے نوجوانوں کی ایک تنظیم "علمدار فاؤنڈیشن" کی بنیاد رکھی۔
جب چند شرپسند اور استعماری آلہ کار افغان مہاجرین نے پاراچنار کی آبادی پر حملہ کیا تو علامہ عارف حسین الحسینی اپنی قوم کے دفاع میں دشمن کے خلاف بہ نفس نفیس مورچہ بند بھی ہوئے اور ایک شیر دل مجاہد کی طرح دشمن پر پے در پے حملے بھی کیے۔ جس کے نتیجہ میں دشمن کا بھاری جانی نقصان ہوا اور ان کے حملے پسپا ہوئے۔ اسی دوران جنگ میں ایک موقع پر آپ کے بازو پر مارٹر کے گولے کا ٹکڑا لگا جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے اور آپ کے ساتھیوں میں بیسیوں افراد نے جام شہادت نوش کیا۔ آپ نے شہداء کے بچوں کی پرورش اور کفالت کی ذمہ داری کی

ادائیگی کیلئے "شہید فاؤنڈیشن" کی بھی بنیاد رکھی۔ آپ نے اپنے اعلیٰ کردار، تقویٰ اور یتیموں کی نگہبانی کی بنا پر کرم ایجنسی میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

۷۔شہید حسینیؒ بحیثیت قائد ملت جعفریہ پاکستان:

مفتی جعفر حسینؒ کی وفات کے بعد 10 فروری 1984ء کو بھکر کے کنونشن میں علامہ عارف حسین الحسینی کا بحیثیت قائد ملت جعفریہ پاکستان انتخاب ہوا۔ کنونشن کے بعد لوگ رات کو تھکاوٹ سے چور چور بدن کے ساتھ سو گئے۔ علامہ عارف حسین بھی قوم کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد مضطرب سوچوں میں گم مگر بظاہر پرسکون استراحت کرنے لگے۔ اسی کمرہ میں آپ کے قریبی عزیز حاجی کمال حسین آف پاراچنار بھی سوئے ہوئے تھے، رات ڈھل گئی تو سید عارف حسین الحسینی اپنے معمول کے مطابق اپنے بستر سے اُٹھے اور نماز شب میں مصروف ہو گئے۔ نہ جانے کتنی بار سجدہ ریز ہوئے اور کتنی بار روئے؟ مگر ایک لمحہ ایسا آیا کہ آپ کا ضبط ٹوٹ گیا، لبوں کی گرفت ختم ہوئی تو سسکیاں بے ربط ہونے لگیں ایسے میں حاجی کمال حسین گریہ کی صدائیں سن کر بیدار ہوئے دیکھا کہ پوری قوم کا قائد سجدہ میں بے ربط آواز میں گلوگیر لہجے میں یوں مناجات کر رہا ہے:

"اے خدا تیرے عبد ذلیل و حقیر پر اتنی بڑی ذمہ داری عائد کر دی گئی ہے، اے میرے رب میری مدد فرما، مجھے ہمت عطا فرما کہ تیرے دین کی خدمت کی ذمہ داری نبھا سکوں، اے امام زمانہؑ! اس مشن کی تکمیل اور ترویج میں میری نصرت فرمائیے"۔

نگاہ بلند سخن دلنواز جاں پُر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے

۸۔امام خمینیؒ کی تائیدی سند:

قیادت کے ابتدائی ایام میں علامہ عارف حسین الحسینی کو جس چیز نے تقویت بخشی وہ امام خمینیؒ کی تائیدی سند تھی۔ حضرت امام خمینیؒ کو "ولی فقیہہ" کی حیثیت حاصل تھی۔ آپ نے ملت تشیع کی خواہش پر علامہ سید عارف حسین الحسینی کو تحریراً اپنا نمائندہ نامزد فرمایا۔

۹۔بحیثیت داعی اتحاد بین المسلمین:

جہاں آپ ملت جعفریہ کے اتحاد کی اہمیت کا احساس رکھتے تھے وہاں اس امر سے بھی بخوبی آگاہ تھے کہ ملک کے نظام کی تبدیلی، داخلی سطح پر اسلام کی بقاء کی جنگ، اسلامی انقلاب اور مصطفوی نظام کا نفاذ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک وطن عزیز کے تمام مسلمان بلاتفریق متحد نہیں ہو جاتے یہی وجہ تھی کہ آپ نے ملک کے نظام میں تبدیلی کے ساتھ ہی اتحاد بین المسلمین کی افادیت پر زور دیا۔ آپ نے خیبر سے کراچی تک مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ اور امریکہ کے اخراج کیلئے متحد ہو کر اپنی کوششیں تیز کریں۔

۱۰۔ یوم مردہ باد امریکہ:

آپ نے 16 مئی 1986ء کو یوم مردہ باد امریکہ کا اعلان کیا اور مسلمانان پاکستان پر واضح کیا کہ 16 مئی وہ دن ہے جس دن امریکہ نے اسرائیل کے نجس وجود کو جنم دیا تھا۔ آپ کے اس اعلان پر ملک بھر میں پہلی مرتبہ یوم مردہ باد امریکہ منایا گیا۔ آپ نے بذات خود اسی موقع پر چوک یادگار پشاور میں امریکی پرچم کو نذر آتش کر کے امریکہ سے نفرت کا برملا اظہار کیا۔

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے　　　جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا　　　سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

۱۱۔ قرآن وسنت کانفرنسیں:

قرآن وسنت کانفرنسوں کو ملت جعفریہ کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ کانفرنسیں علامہ عارف حسین الحسینی کی اسلامی و انقلابی فکر کا مظہر ہیں۔ یوں تو اہل تشیع کے بڑے بڑے اجتماعات، مجالس اور اس قسم کے مناظر تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں مگر قرآن وسنت کانفرنسیں ماضی سے قدرے مختلف اور پر شکوہ تھیں یہ خالصتاً نظریاتی اور سیاسی اجتماعات تھے جو بلا شک وشبہ پاکستان میں اسلامی جمہوریہ کے قیام کی جدو جہد میں نشانِ منزل تھے۔

۱۲۔ قتیل سحر:

علامہ سید عارف حسین الحسینی 5 اگست 1988ء کی صبح اپنے مدرسہ جامعۃ المعارف الاسلامیہ پشاور میں شقی القلب حکمرانان وقت کے ستم کا نشانہ بن کر شہید ہوئے۔ اگر چہ آپ نے شہادت کی عظیم سعادت اور قربت خداوندی حاصل کر لی مگر ملت اسلامیہ پاکستان ایک حقیقی عاشق اسلام اور ایک بابصیرت، صالح اور خدا رسیدہ قیادت سے محروم ہوگئی۔

آپ نماز صبح کی ادائیگی کے بعد مدرسہ کی بالائی منزل پر گئے کہ اپنے وقت کا ابن ملجم مسجد کو فرزند علیؑ کے خون سے رنگین کرنے پہنچ گیا۔ آپ بالائی منزل سے نیچے آرہے تھے کہ سیڑھیوں کے قریب گھات میں کھڑے ہوئے قاتل نے آپ کے سینہ پر 32 بور کے پستول سے فائر کر دیا۔ آپ نے اپنے لہو سے وضو کر کے نماز شہادت کی تیاری کی اور جام شہادت نوش کیا۔

چھری کی دھار سے کٹتی نہیں چراغ کی لو
بدن کی موت سے کردار مر نہیں سکتا

بانی آئی ایس او
شہید ڈاکٹر محمدؐ علی نقویؒ

وصیت نامہ

بسم رب الشہداء

موت کی جانب سفر تیزی سے ہو رہا ہے کئی ایک ایسے مواقع دیکھنے نصیب ہوئے ہیں جو انسان کیلئے عبرت کا کام دیتے ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ سبق حاصل نہ کر سکا جو دوسروں کو کہتا رہا۔ بالآخر وہ وقت آن پہنچا۔ کاش موت سے نہ بھاگے ہوتے، کاش لشکر خمینیؒ میں شمولیت اختیار کی ہوتی تو شاید ان پاک و پاکیزہ نوجوانوں کے صدقے ہم بھی بخشش کا کوئی سامان لے جاتے۔ بہر حال یہ سب باتیں اب رہ گئیں اور ہم ایک لمبے سفر پر روانہ ہو گئے۔

خوش بختی ہے ان لوگوں کے لیے جو باصلاحیت اور باشعور لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اور ہلاکت ہے ان کے لیے جو اپنے سے کمتر ماحول میں پروان چڑھتے ہیں۔

والسلام
سید محمدؐ علی نقوی
یکم اپریل 1992ء

عشق کربلا اور شہید کی محنت:

دوران تعلیم آپ کے والد صاحب نے میڈیکل کالج میں داخلہ لینے کی صورت میں منہ مانگے انعام کی پیش کش کر دی۔ ڈاکٹر صاحب نے والد کے حکم کی اطاعت کی اور خوب محنت کے ساتھ امتحان کی تیاری کی۔ ان واقعات کو آپ کے چچازاد بھائی یوں نقل کرتے ہیں کہ، ہم نے ڈاکٹر صاحب نے کو 18 گھنٹے بھی پڑھتے دیکھا۔ یہاں تک کہ رات کو پڑھتے وقت پانی پاس رکھتے اگر نیند غالب آنے لگتی تو پانی منہ پر ڈال کر اپنے آپ کو بیدار رکھتے۔ آخر کار محنت رنگ لائی اور آپ میڈیکل کالج میں داخل ہو گئے، ڈاکٹر صاحب نے جوانی کے عالم میں اپنے سچے جذبہ عشق اہل بیتؑ کی بناء پر والد صاحب سے زیارت چہاردہ معصومینؑ اور عمرہ کا ٹکٹ بطور انعام وصول کیا۔

ISO کی نشر و اشاعت اور ڈاکٹر صاحب:

ملک کے بڑے تعلیمی اداروں میں ISO کے ابتدائی تعارف کے دنوں میں ڈاکٹر صاحب کی سوچ اور پختہ جذبہ کی بدولت ایک کیلنڈر کی اشاعت ممکن ہوئی۔ جس پر امام حسین علیہ السلام کے روضہ کی تصویر تھی اور اس تنظیم کے نصب العین اور مقاصد لوگوں پر واضح کیے گئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے جذبات صرف اشاعت کی حد تک محدود نہیں رہے تھے۔ بلکہ آپ نے اس کی مارکیٹنگ اور فروخت میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جس کو چشم دیدہ گواہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب اپنے کالج کنگ ایڈ ورڈ میڈیکل کالج کے سائیکل اسٹینڈ پر کھڑے ہو کر کیلنڈر فروخت کیا کرتے تھے۔ اس کیلنڈر کی بناء پر آئی ایس او کی خوشبو ملک کی فضاؤں میں پھیل گئی۔

یوم مردہ باد امریکہ:

پاکستان میں پہلا یوم مردہ باد امریکہ 16 مئی کو شہید عارف حسین الحسینیؒ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے منایا گیا۔ یہ یوم مردہ باد امریکہ ریلی شہید عارف حسین الحسینی کی قیادت میں برآمد ہوئی اور ڈاکٹر صاحب آپ کے دست راست ٹھہرے۔ اس جلوس کے دوران شہید ڈاکٹر نے اپنے دوستوں کی مدد سے ایک طویل بینر جس پر (Down With USA) لکھا ہوا تھا جو کہ لاہور کے معروف کاروباری مرکز الفلاح بلڈنگ کے اوپر لگایا۔ یہی وہ واقعہ تھا جس کی بناء پر بعد از شہادت یہ نعرہ لگا کہ:

ڈاکٹر کا نعرہ یاد ہے   امریکہ مردہ باد ہے

امام خمینیؒ کی آواز پر لبیک:

جب قائد انقلاب اسلامی امام خمینیؒ بت شکن نے ھل من ناصر ینصرنا کی صدا بلند کی اور فرمایا کہ: ''ہر کس می تواند بہ جبھہ برود'' جو شخص جنگ کی طاقت رکھتا ہو وہ محاذ پر جائے۔ پس اس فرزند زہرا (س) نے آخری امام علیہ السلام کے حقیقی نائب کی صدا پر پاکستان سے لبیک یا امام کا نعرہ بلند کیا اور محاذ جنگ پر ڈاکٹری کے فرائض سر انجام دینے کیلئے روانہ ہو گئے آپ دوران محاذ زخمی فوجیوں کی تیمارداری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ آپ نے دوران جنگ ایران کے شہر شلمچہ اور اہواز میں طبی خدمات انجام دیں۔ اس دوران میں کچھ احباب جب آپ کو آرام کرنے کے لیے

کہتے تو آپ جواباً کہتے کہ، میں یہاں آرام کرنے نہیں بلکہ فرزندان اسلام کی خدمت کرنے آیا ہوں، یہی وجہ تھی کہ آپ کو دوستوں نے ڈاکٹر پریشان کالقب دیااور بعد میں ایک برادر نے ڈاکٹر صاحب کوایک کارڈ ارسال کیا جس پر ڈاکٹر شہید مصطفی چمران کی تصویر بنی ہوئی تھی اور لکھا تھا کہ، چمران ثانی کے لیے

جب برادران امامیہ برسی امام خمینیؒ کے موقع پر ایران گئے اور شہید مصطفی چمرانؒ کی مقتل گاہ پر حاضری دی تو ایک بسیجی نے چمران ثانی کے بارے میں یوں کہا جو کہ امام خمینیؒ کا قول ہے:

جیو چمران کی طرح اور مرو چمران کی طرح

یقین شہادت:

آپ کو اپنی شہادت کا یقین تھا اور آخری ایام میں دوستوں کو کہتے تھے کہ:

میں نہیں چاہتا کہ ضعیفی میں کھانس کھانس کر مروں۔ خدایا میری موت کو میری متحرک زندگی سے متصل کر دے، یا یہ کہتے کہ:

43 برس بیت گئے اور ابھی تک شہادت نصیب نہیں ہوئی لگتا ہے کہ میرا کوئی عمل خدا کو پسند نہیں آیا

اس طرح یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ آپ کو یقین تھا کہ آپ کو شہید کیا جائے گا۔ جس کا اندازہ اس فقرے سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے اپنے وصیت نامہ میں تحریر کیا، میری لاش کا پوسٹ مارٹم نہ کیا جائے اور نہ ہی میرے جنازے پر تنظیمی اجتماع اور احتجاج کیا جائے۔

فرمودات شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ:

- باب علم کے ماننے والوں کا تشخص بھی علم ہونا چاہیے
- حق کی شناخت کے بعد ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا حق کی توہین ہے۔
- عزیز دوستو! وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے، دشمن اسلام دین محمدیؐ کو زک پہنچانے کی مذموم سازش میں مصروف ہے۔ زمانہ پھر ایک کربلا کا تقاضا کرتا ہے۔ اُٹھو! یزیدیت کے عزائم خاک میں ملا دو۔ مگر یاد رکھو! کربلا لہو مانگتی ہے۔

اسلامی تنظیم کی مشروعیت اور اہداف

سوال ۱: تنظیم کی ضرورت کیا ہے اور کیا اسلامی تنظیم مشروعیت (شرعی جواز) رکھتی ہے؟

سوال ۲: اگر اس کی مشروعیت ثابت ہے تو اس کے اہداف کیا ہیں؟

سوال ۳: امام کون ہوتا ہے؟ امت کسے کہتے ہیں اور کیا اسلامی تنظیم امت کا مصداق ہو سکتی ہے؟

سوال ۴: امام خمینیؒ اور رہبر معظم آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای دامت برکاتہ کے تنظیم کے بارے میں نظریات کیا ہیں؟

تنظیم کی تعریف:

تنظیم ایک خاص اجتماعی نظام سے عبارت ہے کہ جس کی بنیاد پر ہم عقیدہ افراد مشخص اور معین اہداف تک رسائی کیلئے ایک دوسرے سے ہمکاری اور تعاون کرتے ہیں، فیصلے کرتے ہیں اور انہیں اجراء اور عمل کے مراحل سے گزارتے ہیں۔

تنظیم کی ضرورت:

تنظیم کی ضرورت پر چند نکات مندرجہ ذیل ہیں:

الف: تنظیم نظمِ اجتماعی کا ذریعہ:

کائنات کی بقاء نظم پر استوار ہے، یہ نظم کائنات کے ذرہ ذرہ پر محیط ہے اور یہی نظم خدا کے وجود پر بھی دلیل ہے اور اجتماعی امور کی بقاء اور ارتقاء کیلئے بھی نظم ضروری ہے جس سے گریز ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین علی ابن طالب علیہ السلام نے اپنی وصیت میں جہاں تقویٰ اور

پرہیزگاری کی وصیت فرمائی اور ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی نصرت کی بات کی وہاں اجتماعی امور میں نظم کی بھی بات کی ہے۔

کونا للظالم خصماً و للمظلوم عوناً او صیکما و جمیع ولدی و اھلی و من بلغہ کتابی بتقویٰ اللہ و نظم امرکم

ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بن کر رہو، میں تم دونوں کو، اپنے تمام فرزندوں، اپنے رشتہ داروں اور جس تک یہ تحریر پہنچے کو وصیت کرتا ہوں کہ: اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اپنے امور کو منظم کرو۔ (نہج البلاغہ مکتوب ۴۸)

امیر المؤمنین کے اس قول میں ''و نظم امرکم'' کی تشریح میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اجتماعی امور کو منظم کرنے کا ایک مصداق تنظیم بھی ہو سکتی ہے۔ تنظیم کا ثمرہ یہ ہے کہ افراد میں امور کی تقسیم کی جائے، ان کے دائرہ کار اور مسئولیت کا دقیق تعین کیا جائے اور انہیں ایک خاص نظم میں رکھتے ہوئے ان کی مدیریت (Management) کی جائے۔ اس طرح کا نظم اور ہم آہنگی افراد کی اجتماعی جدوجہد کیلئے قوت اور طاقت کا باعث ہے۔

ب: تنظیم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ذریعہ:

اگر ہم ایک بڑا کام کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں منظم ہونے کی ضرورت ہے۔ ہمارا ایمانی، اعتقادی اور دینی رابطہ اگر ایک تنظیم کی لڑی میں پرویا ہوا نہ ہو تو بڑے کام کے کسی چھوٹے سے ہدف تک تو پہنچا جاسکتا ہے لیکن مجموعی طور پر اس بڑے ہدف کی تحصیل ناممکن ہے۔

آیات و روایات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایک بڑا اور بلند ہدف اور ایک شرعی فریضہ کہا گیا ہے اور تمام واجبات اور فرائض اسی فریضے کے پرتو میں انجام پاتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں تاکید کی گئی ہے کہ ایک جماعت کو اس فریضے کو ضرور انجام دینا چاہیے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت دے اور بھلائی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔ (آل عمران ۱۰۴) (اس آیت کی توضیح اور تفسیر اگلے صفحات پر بیان کی گئی ہے)

اور حدیث میں ہے:

لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر اولیسلطنّ اللہ علیکم شرارکم علیٰ خیارکم، فیدعوا خیارکم فلا یستجاب لکم

تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انجام دو ورنہ تمہارے نیک لوگوں پر برے لوگ مسلط ہو جائیں گے اور پھر یہ نیک لوگ دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں پوری نہ ہونگی۔ (الحیاۃ)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ فقط یہ نہیں ہے کہ ہم کسی بے نمازی کو نماز کا کہیں یا موسیقی سننے والے کو اس سے روکیں، یہ بھی اس فریضے کے مصادیق ہیں لیکن سب سے بڑا منکر وہ فرعونی اور یزیدی صفت حکمران ہیں جو برائیوں کا سرچشمہ ہیں جن کے خلاف جدوجہد اور قیام

کرنا انبیاءؑ و آئمہؑ کا شیوہ رہا ہے (خود قیام امام حسینؑ کا مقصد امامؑ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بیان فرمایا ہے)

تو کیا ان منکرات اور بڑے فساد کا مقابلہ تنہا کیا جا سکتا ہے؟ یقیناً نہیں کیا جا سکتا، اس کیلئے اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے، لہٰذا تنظیم اسی اجتماعی جدوجہد کا ایک اہم وسیلہ ہے۔

امام علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

فان ید اللہ مع الجماعۃ

بے شک اللہ کا دست قدرت اجتماع کے ساتھ ہے۔ (نہج البلاغہ)

چنانچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی ایک تنظیمی لڑی میں پروئے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔

ج: متعہد اور کارآمد افراد کی شناسائی اور انہیں نظم دینا:

کوئی بھی معاشرہ مختلف صلاحیتوں کے حامل افراد پر مشتمل ہوتا ہے اور مختلف افراد کے ایمان، شعور، معرفت اور اطاعت کے درجات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ جب ہم کوئی اجتماعی کام کرنے لگتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ افرادی قوت کی کمی ہے اور مطلوبہ افراد میسر نہیں ہیں اور بعض دفعہ افراد میسر ہوتے ہیں لیکن ان سے استفادے کیلئے کوئی پروگرام ترتیب نہیں دیا گیا ہوتا ہے یا مسئولین میں اہلیت نہیں ہوتی کہ کیسے ان افراد کو کام میں لایا جائے۔

یہ تمام مسائل اس وجہ سے پیش آتے ہیں چونکہ ان میں تنظیمی رابطے کا فقدان ہے۔ تنظیم افراد کی شناسائی، ان کی اہلیت کو جاننے، ان کو پروگرام دینے اور کام میں لانے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔

اسلامی تنظیم کے بنیادی اہداف:

اسلامی تنظیم کا بنیادی ہدف دینی نقطہ نگاہ سے خود سازی اور معاشرہ سازی ہے اور انہی اہداف کی پاسداری اُس کے اسلامی ہونے کا ضابطہ ہے کہ جس کی توضیح مندرجہ ذیل تین نکات میں بیان کی جاتی ہے:

الف: اقدار کی پاسداری:

اسلامی تنظیم کی ایک بنیادی ذمہ داری، اقدار (Values) کی حفاظت ہے۔ پس تنظیم کو اقدار کا محافظ ہونا چاہیے نہ کہ اپنا۔ اسے چاہیے کہ اپنی ساری جدوجہد اسی راہ میں خرچ کرے۔ جب بھی تنظیم اقدار سے غفلت برتتے ہوئے اپنی حفاظت میں مشغول ہو جائے اور خدا پرستی چھوڑ کر خود پرستی میں مشغول ہو جائے تو یہ "طاغوت" بن جائے گی چونکہ تنظیم اپنے اصلی اہداف سے غافل ہو چکی ہے پس ایسی تنظیم سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

ب: افراد کی تربیت اور تہذیب نفس:

تنظیم کو ہماری خود سازی اور تہذیب نفس کا ذریعہ ہونا چاہیے۔ اسلامی تنظیم وہ ہے جو افراد کی خدا تک رسائی (سیر الی اللہ) میں مددگار ہو۔ جب بھی تنظیم ہمیں خدا سے غافل کر کے خود اپنی سرگرمیوں میں مشغول کرلے تو ایسی تنظیم "لھو" ہو جائے گی جس کی ممانعت خود قرآن نے کی ہے۔ پس ایسی تنظیم سے پرہیز کیا جانا چاہیے چونکہ یہ "یادِ خدا" میں حائل اور رکاوٹ ہے۔ اگر تنظیم اتنی محبوب ہو جائے کہ خدا کی جگہ لے لے تو اس تنظیم میں "لھویت" پیدا ہوگئی ہے اور "ینھی عن ذکر اللہ" (ذکر خدا سے روکنے والی) ہے لہٰذا ایسی تنظیم سے دوری اختیار کرنا ضروری ہے۔ ہماری تنظیم کے دفاتر کو عبادت گاہ اور خود سازی کے مراکز ہونا چاہئے۔

"حزب ما معبد ماست نہ معبود ما" ہماری تنظیم عبادت گاہ ہے نہ یہ کہ تنظیم ہمارا معبود ہے یعنی ہم تنظیم میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ خود اس تنظیم کو پوجتے ہیں"۔

ج: لوگوں کی مدد کرنا اور انہیں نفع پہنچانا:

تنظیم کی ایک بنیادی ذمہ داری لوگوں کی مدد، خدمت اور ان کو فائدہ پہنچانا ہے۔ اگر تنظیم لوگوں کیلئے نفع بخش اور مفید نہ ہو اور لوگوں کے کسی کام نہ آئے تو ایسی تنظیم "لغو" ہے اور لغویات سے پرہیز کیا جانا چاہیے "الذینَ هُمْ عَنِ اللَغْو مُعْرِضُونَ" (مومنین کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ لغو چیز سے پرہیز کرتے ہیں)۔

"اقرب الناس الی اللہ یوم القیامۃ انفعھم للناس"

قیامت کے دن خداوند عالم کے نزدیک ترین فرد وہ ہوگا جو لوگوں کیلئے زیادہ نفع بخش ہو۔ (الحیاۃ)

سئل عن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) من احب الناس الیٰ اللہ؟ قال: انفعھم للناس

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا گیا: اللہ کے نزدیک محبوب ترین انسان کون ہے؟ حضرتؐ نے جواب دیا: جو لوگوں کیلئے زیادہ نفع بخش اور مفید ہو۔ (مستدرک الوسائل)

اور جو چیز لوگوں کیلئے نفع بخش ہو وہ باقی رہنے والی۔ وَ أَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ (سورہ رعد۔ آیت ۱۷)۔ پس افراد کی ہدایت اور ان کی دنیوی و اخروی حاجات کی تکمیل کیلئے کوشش کرنا دینی تنظیم کی ذمہ داری ہے۔ سیرت انبیاءؑ اور آئمہ علیھم السلام میں یہ بات بہت زیادہ مشہود ہے کہ ان بزرگان کے شب و روز کا ایک بڑا حصہ خدمت خلق اور انسانیت کی فلاح و بہبود میں گزرتا تھا۔

روشِ کار کیا ہو؟

جب کچھ ہم عقیدہ اور ہم فکر افراد کسی تنظیم میں مجتمع ہو جائیں تو سب سے پہلا مرحلہ ان کی تربیت، تعلیم اور انہیں آئیڈیالوجی کی تفہیم کرنا ہے۔ اس کیلئے مختلف موضوعات پر کلاسز، ورکشاپس اور دروس کا اہتمام ضروری ہے۔ اسی طرح سیاسی اور اجتماعی حوالے سے ٹریننگ کی بھی

ضرورت ہے۔معنوی اور اخلاقی ماحول اسلامی تنظیم کی اساس ہے۔معرفت اور بصیرت اسلامی کارکن کیلئے ایک لازمی امر ہے۔ورنہ وہ خود بھی منحرف ہوگا اور تنظیم کو بھی انحراف سے دوچار کرے گا۔

مامن حرکة الا و انت محتاج فیها الیٰ المعرفة

کوئی بھی حرکت شروع کرنے کیلئے تم اس کی معرفت کے محتاج ہو۔

تنظیم کو چاہیے کہ کتابچوں، کتابوں، ماہناموں اور ہفت ناموں کے ذریعہ اپنی آئیڈیالوجی اور سیاسی مؤقف کو بیان کرے تاکہ ارکانِ تنظیم اور افرادِ معاشرہ کی آگاہی اور بصیرت میں اضافہ ہوسکے۔

العامل علیٰ غیر بصیرة کالسّائر علی غیر الطریق لا یزیدها سرعة السیر الا بعداً

جو بغیر بصیرت کے عمل انجام دیتا ہے وہ غلط راستے پر چل پڑتا ہے لہٰذا اس کی سرعتِ رفتار اسے ہر قدم اس کی منزل سے دور ہی کر رہی ہوتی ہے۔

(گذشتہ تمام بحث شہید آیت اللہ ڈاکٹر بہشتیؒ کے افکار سے ماخوذ ہے)

امام، امت اور تنظیم:

امام کون ہوتا ہے؟ امت کسے کہتے ہیں؟ اور آیا تنظیم اور گروہ بھی امت ہو سکتی ہے؟

مکتب الٰہی میں انسانیت کی ہدایت کیلئے خدا اپنے انبیاء اور رُسل علیہم السلام کو مبعوث کرتا ہے اور انبیاءؑ کے بعد یہ سلسلہ اوصیاء کو منتقل ہوتا ہے۔امام، پیشرو اور راہنما کے معنیٰ میں ہے اور دینی اصطلاح میں امام وہ ہستی ہوتا ہے جو خدا کی طرف سے لوگوں کی دنیوی و اُخروی سعادت و کمال کی طرف راہنمائی کیلئے منصوب ہوتا ہے۔ختم نبوت کے بعد خدا نے تا قیامت انسانیت کی راہنمائی کیلئے آئمہ اطہار علیہم السلام کا سلسلہ جاری کیا اور غیبت امام زمانہ (عج) میں اُن کی نیابت میں یہ عہدہ ولی فقیہ کے ذمہ ہوتا ہے۔پس اُمت ولی فقیہ کے ذریعے الٰہی رہنمائی سے مستفیض ہوتی ہے۔

امت کسے کہتے ہیں اور کیا ایک گروہ یا تنظیم بھی امت ہو سکتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں ہم سورہ آل عمران آیت ۱۰۴ کے ذیل میں تفسیر نمونہ سے ایک مختصر سی بحث اور اسکا نتیجہ پیش کرتے ہیں:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت دے اور بھلائی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

امت اصل میں مادہ "ام" سے ہے جس کا معنی ہے ہر وہ چیز جس کا دوسری چیزیں ضمیمہ ہوں۔اسی بنا پر امت ایسے گروہ کو کہا جاتا ہے جن کے درمیان وحدت کا پہلو ہو۔اس میں فرق نہیں کہ وحدت زمانی ہو یا مکانی یا مقصد میں وحدت ہو، لہٰذا متفرق اور پراگندہ اشخاص

کو امت نہیں کہا جا سکتا۔

اس آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو حقیقت میں ایک اجتماعی زرہ اور سپر کے مانند ہے اور جو جمیعت کی حفاظت کرتی ہے۔ کیونکہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ ہو تو مختلف عوامل جو اجتماعی وحدت کی بقاء کے دشمن ہیں دیمک کی طرح اندر سے معاشرے کی جڑوں کو کھاتے رہتے ہیں اور لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتے ہیں۔ اسی لئے وحدتِ اجتماعی کی حفاظت عوام کی نگرانی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

آیت بالا میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان ایک ایسا گروہ ہونا چاہیئے جو ان دو اجتماعی عظیم ذمہ داریوں کو انجام دے یعنی لوگوں کو نیکی کی دعوت دے اور برائیوں سے منع کرے اور آیت کے آخری حصے میں باقاعدہ تصریح ہوئی ہے کہ فلاح و نجات صرف اسی راستے سے ممکن ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "مِنْكُمْ أُمَّةٌ" کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ یہ امت بعض مسلمانوں سے تشکیل پاتی ہے نہ کہ سب کے سب یہ کام کریں۔ تو اس طرح سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری عمومی پہلو کھو بیٹھے گی۔ بلکہ وہ صرف ایک خاص گروہ کی ذمہ داری ہو گی اگرچہ انتخاب اور جمیعت کو ترتیب دینا تمام لوگوں کا فرض ہے بالفاظ دیگر یہ واجب کفائی ہے نہ کہ واجب عینی۔

حالانکہ قرآن مجید کی دیگر آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں ذمہ داریاں عمومی پہلو رکھتی ہیں۔ یعنی واجب عینی ہیں نہ کہ کفائی، مثلاً بعد میں آنے والی آیات میں ارشاد ہوتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے نفع کے لئے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ تم انہیں اچھی چیزوں کا حکم دیتے ہو اور بری چیزوں سے روکتے ہو۔ (آل عمران: ۱۱۰)

ان جیسی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ذمہ داریاں کسی خاص گروہ کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتیں بلکہ یہ عام ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے:

ان جیسی تمام آیات میں غور و خوض کر کے اس سوال کا جواب مل سکتا ہے۔ کیونکہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دو مرحلے ہیں:۔ ایک انفرادی مرحلہ ہے، اس میں ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ تنہا دوسروں کے اعمال کی نگہداشت کرے اور دوسرا مرحلہ اجتماعی ہے اس کے لئے ایک گروہ کا فریضہ ہے کہ وہ معاشرتی خرابیوں کو ختم کرنے کے لئے متحد ہو کر مشترکہ طور پر کوشش کرے۔

پہلی قسم میں ہر شخص پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس طرح تمام لوگ ذمہ دار ہوں گے اور چونکہ اس میں انفرادی پہلو ہے لہذا اس کی حد فرد کی توانائی تک محدود ہے۔ لیکن دوسری واجب کفائی ہے۔ یہ چونکہ ایک گروہ کی ذمہ داری ہے لہذا اس کا دائرہ اثر بھی وسیع ہے اور اس لئے فطری طور پر یہ کام حکومت اسلامی کی ذمہ داریوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ دو صورتیں (خرابی اور فساد کا مقابلہ کرنا اور حق کی طرف دعوت دینا) اسلامی قوانین کا شاہکار شمار ہوتی ہیں۔ حکومت اسلامی کے نظام میں تقسیم کار کا معاملہ، اجتماعی حالت اور حکومتی اداروں کی صورت حال

ایک نگران گروہ کے وجود کو لازمی قرار دیتے ہیں۔

گذشتہ ادوار میں اسلامی ممالک میں اس آیت کی روشنی میں برائیوں کو روکنے اور اجتماعی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لئے ایسے ادارے تشکیل پاتے رہے ہیں۔

ایسے اداروں کو حسبہ اور ان کے مامورین کو "محتسب" یا" آمرین بمعروف کہتے ہیں۔انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں میں ہونے والے ہر قسم کے برے کام کو روکیں اور حکومتی اداروں میں ہونے والے ہر قسم کے ظلم وفساد کی روک تھام کریں اور اسی طرح وہ لوگوں میں نیک اور پسندیدہ کاموں کا شوق پیدا کریں۔

وسیع اختیارات کے حامل ان اداروں کا وجود محدود قدرت کے حامل فرد کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری ادا کرنے سے کوئی تضاد نہیں رکھتا۔

مندرجہ بالا تفسیر سے ہم چند نکات اور ایک نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں:

(۱) امت، وحدتِ نظر اور وحدتِ مقصد رکھنے والی جماعت کو کہا جاتا ہے لہٰذا امت ان افراد پر مشتمل ہے جو ایک ہدف اور مقصد کیلئے کام کر رہے ہوں اور وہ ایک گروہ یا تنظیم بھی امت ہو سکتی ہے۔

(۲) امر بالمعروف کا فریضہ امت کے بعض افراد پر واجبِ کفائی کے عنوان سے ہے جو حکومت اسلامی یا کوئی جماعت یا تنظیم انجام دیتی ہے۔جسکا کام معاشرتی برائیوں کا خاتمہ کرنا ہے جبکہ اسکے مقابلے میں انفرادی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہے جسمیں ہر شخص دوسرے کے اعمال کا نگران ہے۔

(۳) آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان ایک گروہ ہونا چاہیے جو اس الہی فریضہ (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) کو انجام دے۔

(۴) گذشتہ ادوار میں اس طرح کے گروہ اور تنظیمیں اسلامی ممالک میں ہمیشہ رہی ہیں جو ظلم،فساد اور برائیوں کو روکنے اور نیکیاں پھیلانے کا کام کرتی تھیں جنہیں حسبہ کہا جاتا تھا۔

نتیجہءبحث:

قرآن نے ایسی جماعت یا تنظیم کو امت کہا ہے جو معاشرتی برائیوں کے خاتمے اور اچھائیوں کے پرچار کیلئے کوشش کرتی ہے اور قرآن کی تاکید ہے کہ ایسی جماعت کا ہونا ہر اسلامی معاشرے کیلئے ضروری ہے۔غیبت امام زمانہ (عج) میں اُمت کی رہنمائی اور رہبری ولی فقیہ کے اختیار میں ہوتی ہے اور آج کے دور میں ولایت فقیہ کے منصب پر آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای دامت برکاتہ فائز ہیں،چنانچہ دنیا بھر کی حزب اللہی قوتیں اس عظیم رہبر سے وابستہ ہیں اور آئی ایس او پاکستان کو یہ افتخار حاصل ہے کہ وہ اُمت بن کر اپنے امامؑ اور رہنما ولی فقیہ آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای دامت برکاتہ کے مطیع اور فرمانبردار ہے۔

امام خمینیؒ اور رہبر معظم آیۃ اللہ العظمیٰ خامنہ ای دامت برکاتہ کے تنظیم کے بارے میں نظریات:

امام خمینیؒ اور رہبر معظم دامت برکاتہ بھی تنظیم اور احزاب کے موافق ہیں بشرطیکہ یہ تنظیمیں اسلامی اہداف کو آگے بڑھائیں، انقلاب کی خدمت گزار ہوں اور استکباری طاقتوں کی آلہ کار نہ ہوں۔ 16 اکتوبر 2011ء کرمان شاہ میں اساتذہ اور طلبہ سے خطاب میں رہبر معظم آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای دامت برکاتہ نے ارشاد فرمایا:

(۱) ہم تنظیموں کے مطلقاً مخالف نہیں ہیں کہ کوئی یہ سوچے کہ ہم تنظیم اور تنظیم سازی کے مخالف ہیں، نہیں ایسا نہیں ہے۔ انقلاب کی کامیابی سے پہلے ایک بڑی اور فعال تنظیم کی بنیاد خود ہم نے رکھی تھی، انقلاب کے اوائل میں اس تنظیم کو باقاعدہ شکل دی، امام خمینیؒ نے بھی اس کی تائید کی۔ چند سال بھرپور فعالیت انجام دی لیکن بعد میں کچھ وجوہات کی بنا پر اسے ختم کر دیا گیا، اسی وقت ہم پر یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ تنظیمیں معاشرے کے عمومی اتحاد کے خلاف ہیں۔ اس وقت میں نے ایک مفصل تقریر کی تھی جو بعد میں" اتحاد اور تنظیم" (۲) کے عنوان سے چھپی اور تقسیم ہوئی۔ تنظیمیں اتحاد کو نقصان پہنچائے بغیر بنائی جاسکتی ہیں یہ ایک دوسرے کے متضاد نہیں ہیں"۔

حزب جمہوری اسلامی کی تاسیس اور تحلیل:

حزب جمہوری اسلامی جو 1979ء میں امام خمینیؒ کے مشورے سے تاسیس کی گئی تھی اور 1988ء میں کچھ وجوہات کی بنیاد پر اسی کے ارکان نے خط لکھ کر امام سے درخواست کی کہ اسے ختم کر دیا جائے۔ امام خمینیؒ نے اس خط میں موجود وجوہات کے مطالعہ کے بعد منظوری دے دی کہ یہ تنظیم ختم کر دی جائے۔ رہبر معظم آیۃ اللہ خامنہ ای (دامت برکاتہ) نے جو خط (۳) حزب جمہوری اسلامی کو ختم کرنے کیلئے امام کو لکھا تھا اس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱) جیسے کہ (رہبر عزیز امام خمینیؒ) مطلع ہیں کہ" حزب جمہوری اسلامی" کو اس کے بانیوں نے آپ کے ساتھ مشورے سے بنایا تھا۔

۲) یہ حزب اس وقت کے حالات کے تحت بنائی گئی تھی جب انقلاب کے آغاز میں بے شمار مسائل جیسے آگاہ اور مومن افراد کو جمع اور منظم کرنا، انقلابی فکر کو پھیلانا، کارآمد اور فعال افراد کی تربیت کرنا تاکہ ملک کی باگ ڈور سنبھالیں اور دشمنوں کے ایجنٹوں اور ملک میں انقلاب مخالف گروہوں کی سازشوں کو ناکام بناسکیں۔

۳) مسلط کی گئی جنگ (ایران پر عراق کا حملہ) میں حزب جمہوری ملک بھر میں لوگوں کو جنگی محاذوں پر بھیجنے کا کام کرتی رہی۔

۴) انقلاب کے مختلف مراحل میں آپ سے راہنمائی حاصل کرتے ہوئے اس تنظیم کو منظم اور اس کی سیاست کے خدوخال تشکیل پاتے رہے۔

۵) اس وقت عوامی آگاہی اور سیاسی سوجھ بوجھ کی سطح بلند ہو چکی ہے لہٰذا اس تنظیم کی افادیت اس طرح سے نہیں رہی بلکہ ممکن ہے کہ یہ دھڑے بندیوں اور اختلاف کا باعث بن جائیں (یعنی اب اس میں کچھ ایسے عناصر اور عوامل پیدا ہو چکے ہیں جو اختلافات کا

باعث بن رہے ہیں)۔

۶)مذکورہ وجوہات کی بنیاد پر مرکزی شوریٰ نے ایک طویل بحث وتمحیص کے بعد اکثریت رائے سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس تنظیم کو توڑ دیا جائے۔اس سلسلے میں آپ کی رہنمائی درکار ہے۔

امام خمینیؒ نے اس خط کے جواب میں فرمایا کہ میں آپ کے فیصلے کے موافق ہوں اور یہ بھی یاد رہے کہ اس تنظیم کے بانی حضرات میرے پسندیدہ افراد ہیں۔امید ہے کہ تمام افراد اس حساس موقع پر اتفاق اور اتحاد کے ساتھ اسلام اور جمہوری اسلامی ایران کے اہداف کیلئے کوشاں رہیں گے۔

رہبر معظم کے اس خط سے یہ بات روشن ہوگئی ہے کہ حزب جمہوری اسلامی کی تاسیس امام خمینیؒ کی مشاورت سے انجام پائی اور امام نے اس تنظیم کو نہیں توڑا بلکہ انحراف اور اختلاف کے پیش نظر خود اس کے سرکردہ افراد نے امامؒ سے اس کے توڑنے کیلئے اذن طلب کیا اور امامؒ نے موافقت فرمائی۔

لہٰذا یہ مفروضہ کہ امام خمینیؒ نے حزب جمہوری اسلامی کو توڑ دیا تھا چونکہ وہ تنظیموں کے مخالف تھے، درست نہیں ہے۔

امام خمینیؒ ایک جگہ پر ارشاد فرماتے ہیں: اس طرح نہیں ہے کہ ہر تنظیم بری ہوتی ہے یا ہر تنظیم اچھی، معیار تنظیم کا نظریہ ہے۔اگر نظریہ (الٰہی نہ ہو) کوئی دوسری چیز ہو تو یہ شیطان ہے، چاہے وہ تنظیم جس نام سے بھی ہو۔

مندرجہ بالا قول سے امامؒ کا نظریہ واضح ہوتا ہے کہ امامؒ صرف ان تنظیموں کے مخالف ہیں جو غیر اسلامی ہیں یا مضر ہیں۔

امام خمینیؒ نے جہاں بھی تنظیموں یا احزاب کی مخالفت کی ہے وہاں ان سے مراد وہ تنظیمیں ہیں جو فتنہ گر ہیں یا استعمار کی پیدا کردہ یا ان کی آلہ کار ہیں یا پھر منحرف ہو چکی ہیں۔لہٰذا وہ تنظیمیں جو دین کی سربلندی، ملت کے اتحاد اور ملک کی ترقی کیلئے کوشاں ہوں وہ امامؒ کی نگاہ میں قابل ستائش ہیں۔

رہبر معظم کی نگاہ میں تنظیمیں اور احزاب دو قسم کی ہیں: ایک جائز اور مشروع اور دوسری ناجائز اور نامشروع۔جائز تنظیمیں وہ ہیں جو معاشرے کی فکری، عقیدتی، سیاسی ہدایت اور راہنمائی کا باعث بنتی ہیں، جن کا ہدف اقتدار اور طاقت کا حصول نہیں بلکہ خدمت کرنا اُن کا مقصد ہے جبکہ اس کے مقابلے میں وہ تنظیمیں ہیں جو مغرب کی تقلید میں بنائی گئی ہیں جن کا مقصد طاقت اور اقتدار کا حصول ہے (اور یہ ہر جائز ناجائز طریقے سے ہدف تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں) پس یہ تنظیمیں ناقابل قبول ہیں۔(۴)

حزب اللہ لبنان:

حزب لبنان کی تاسیس، اس کے استحکام اور راہ و روش خود امام خمینیؒ اور رہبر معظم کے ہاتھوں انجام پائی، حزب اللہ کے سیکرٹری جنرل شہید علامہ عباس موسویؒ نے خود اس بات کا اشارہ اپنی ایک تقریر میں فرمایا کہ جب اسرائیل ہماری سرحدوں میں داخل ہوا تو ہم چند علماء کے ساتھ امام خمینیؒ کی خدمت میں آئے اور آکر اپنی شرعی ذمہ داری پوچھی تو امامؒ نے اسرائیل کے مقابلے میں مزاحمت اور

مقاومت کا حکم دیا جس کے نتیجہ میں حزب اللہ وجود میں آئی۔

امام نے رہبر معظم آیۃ اللہ خامنہ ای دامت برکاتہ کو اس وقت حزب اللہ لبنان کے تمام امور کا مسئول بنایا تھا اور کئی سالوں تک رہبر اس مسئولیت کو نبھاتے رہے۔ آج بھی حزب اللہ ''تنظیم'' ہوتے ہوئے ولی فقیہ کے تابع ہے اور ان کی حمایت اور راہنمائی سے تمام امور کو انجام دیتی ہے اور رہبر معظم بھی حزب اللہ کو اُمت مسلمہ کیلئے باعث افتخار قرار دیتے ہیں، تو کیا یہ اسلامی تنظیم کی مشروعیت کیلئے کافی نہیں ہے؟

کیا تنظیم پرستی بت پرستی نہیں؟

ایک اعتراض تنظیم پر یہ کیا جاتا ہے کہ تنظیمی افراد، تنظیم پرست بن جاتے ہیں جو کہ ایک بُری چیز ہے اور اس سے پرہیز کیا جانا چاہیے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ بعض افراد معرفت اور بصیرت کی کمی اور دینی تربیت نہ ہونے کی وجہ سے تنظیم پرستی شروع کردیتے ہیں یعنی وسیلے کو ہدف سمجھ بیٹھتے ہیں جو کہ غلط ہے لیکن کیا یہ آسیب فقط تنظیم کے ساتھ ہے، کیا ادارے اور شخصیات اس آسیب سے محفوظ ہیں؟ کیا ہم نہیں دیکھتے کہ شخصیت پرستی اور ادارہ پرستی بھی اس ملک میں عام ہے۔ کیا بعض شخصیات دین محور بنانے کے بجائے، لوگوں کو اپنے گرد جمع نہیں کرتیں؟ تو کیا شخصیات اور ادارے نہیں ہونے چاہئیں؟ یا ان کا قبلہ درست کرنے کی ضرورت ہے اور اُنہیں الٰہی رنگ میں ڈھالنے کی ضرورت ہے، پس تنظیم بھی اسی طرح سے ہے۔

مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ تنظیم عقل، دین اور رہبریت کی نگاہ میں نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کی تاکید کی گئی ہے اور اگر تنظیم اپنے الٰہی اہداف کی تکمیل کیلئے کوشاں رہے تو یہ معاشرے کی دینی و دنیاوی، مادی و معنوی، ارتقاء اور کمال کیلئے ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔ البتہ تنظیم پرستی ایک آسیب ہے جو دینی تنظیم کی ضد ہے جس سے پرہیز کیا جانا چاہیے اور اپنی تنظیم کو خدا محور بنانا ضروری ہے چونکہ یہی تنظیم کی مشروعیت اور جواز کا باعث ہے۔

حوالہ جات

۱) بیانات رہبر معظم انقلاب در دیدار با دانشگاہیان استان کرمانشاہ ۲۴/ ۷/ ۱۳۹۰

۲) گفتاری در وحدت وتحزب از رہبر معظم (چاپ اول ۱۳۵۸)

۳) احزاب و گروھای سیاسی از دیدگاہ امام خمینیؒ، آثار موضوعی دفتر سی و دوم

۴) بیانات رہبر معظم انقلاب در دیدار با دانشگاہیان استان کرمانشاہ ۲۴/ ۷/ ۱۳۹۰

آئی ایس او پاکستان کا تاریخی ارتقاء

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان ایک عظیم تاریخی تجربہ محسوس معاشرتی حقیقت اور توانا انقلابی قوت ہے۔علم وایمان، عقل وعشق کے اس قافلے نے 50 سال کا کامیاب سفر کرلیا ہے اور اس وقت ایک توانا ومتحرک تنظیم کی حیثیت سے میدان عمل میں ہے۔اس مختصر مقالے میں ہم آئی ایس او پاکستان کے قیام کے عوامل ومحرکات، ارتقائی مراحل، اس عظیم اسلامی تحریک کے معاشرتی وعلمی، ثقافتی وسیاسی، اعتقادی ونظریاتی اثرات اور دین وملت اور انسانیت کیلئے اس کی خدمات پر روشنی ڈالیں گے۔

1۔آئی ایس او کے قیام کے عوامل ومحرکات:

آئی ایس او پاکستان کے قیام کے بنیادی اور اہم ترین محرکات وعوامل کو خود مکتب اسلام اور اہل بیتؑ وقرآن کی پاکیزہ، انسان ساز اور انقلابی تعلیمات کے اندر ڈھونڈنا چاہیے چنانچہ اس تناظر میں جب ہم آئی ایس او کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ قرآن واہل بیتؑ سے تمسّک رکھنے والے نوجوانوں نے ایک خالص الٰہی اور دینی جذبے کے تحت ترویج دین اور صالح نوجوانان کی تربیت کے عظیم مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے اس اجتماعی تحریک کی بنیاد رکھی اور ان اہداف کے حصول کیلئے اپنی صفوں کو منظم کیا۔

2۔مراحل ارتقاء:

اپنے قیام سے اب تک آئی ایس او پاکستان نے کئی ارتقائی مراحل طے کئے ہیں اور حساس ونازک ادوار میں بھی کامیابی سے گزری ہے۔آئیے آئی ایس او پاکستان کے تاریخی مراحل ارتقاء کا مختصر جائزہ لیتے ہیں۔

(i) بنیاد گزاری اور ابتدائی دور(79ء-1972ء):

امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کے قیام سے پہلے محبان اہل بیتؑ پر مشتمل طلبہ کے مختلف گروہ لاہور کی سطح پر مختلف تعلیمی اداروں میں مختلف ناموں سے کام کر رہے تھے اگرچہ ان تعلیمی اداروں میں متحرک مختلف گروہ سطح فکر اور وسعت اہداف کے لحاظ سے مختلف تھے لیکن ان سب کے اندر محبتِ محمدؐ و آل محمدؐ، مکتب قرآن و عترت سے وابستگی کا جذبہ اور حسینی و کربلائی تشخص کے احیاء کا جذبہ مشترک تھا۔

1972ء میں مکتب اہل بیتؑ سے وابستہ طلبہ کی منتشر قوت کو پھر ایک پلیٹ فارم پر یکجا کرنے کا نیک خیال انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے طلبہ کو آیا۔ چنانچہ ایس ایس اے انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور نے طلبہ کی منتشر قوت کو ایک مشترک پلیٹ فارم پر یکجا کرنے کا عزم کیا اور 22 مئی 1972ء کو لاہور کے کالجز کے نمائندوں کا کنونشن انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں طلب کیا۔ اس کنونشن میں گورنمنٹ کالج لاہور، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ہیلے کالج آف کامرس لاہور، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے تنظیمی نمائندوں اور 14 دیگر کالجز سے طلبہ نمائندوں نے شرکت کی اور وسیع تر دینی وملی مفاد اور حسینی سوچ کی خاطر تمام تنظیموں کو ختم کر کے امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا۔ 22 مئی 1972ء کے اجلاس میں طے شدہ فیصلے کے مطابق 11 جون 1972ء کو ایک نمائندہ اجلاس منعقد ہو جس میں تمام تعلیمی اداروں سے طلبہ نے بھرپور نمائندگی کی۔ اس اجلاس میں تین علمائے کرام جناب مرتضیٰ حسین فاضل، جناب آقائے سید صادق علی نجفی اور جناب آقائے سید علی الموسوی نے بھی شرکت فرمائی۔ دستور کی منظوری ہوئی، نام پر حتمی بحث وتمحیص ہوئی۔ نام کے مسئلے پر جب بحث وتمحیص کے بعد کوئی نتیجہ نہ نکلا تو آخری سوچ و بچار کے بعد آقائے علی الموسوی سے استخارہ کی استدعا کی گئی اور آئی ایس او پاکستان کے نام کی تائید ہوگئی۔ آقائے مرتضیٰ حسین فاضلؒ نے امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کا اعلان کیا۔

آئی ایس او کے پیغام کی جاذبیت اور کارکنان کے خلوص اور انتھک محنت کے نتیجے میں آئی ایس او کو لاہور کے علاوہ پاکستان کے دوسرے علاقوں سے بھی پذیرائی ملنی شروع ہوگئی۔ چنانچہ 1975ء میں فیصل آباد میں آئی ایس او کا قیام عمل میں آیا۔ 1976ء تک آئی ایس او کا پیغام تقریباً پورے ملک میں پہنچ گیا۔ اشارۃً یہ بات بھی عرض کرتا چلوں کہ آئی ایس او پاکستان کے سابقین نے ہی 1974ء میں امامیہ آرگنائزیشن پاکستان کی بنیاد رکھی، اس حوالے سے آئی ایس او پاکستان محبان اہلبیتؑ کی مادر تنظیم کہلانے کی حقدار ہے جس کے بطن سے دیگر قابل احترام وموثر تنظیموں نے جنم لیا۔

(ii) انقلاب اسلامی اور قبل قیادت شہید حسینی کا دور(84ء-1979ء):

1979ء میں ایران میں عظیم الشان انقلاب اسلامی کی کامیابی اور نظام ولایت و امامت کا قیام، تمام مسلمانان عالم کیلئے بالخصوص اور تمام مظلوم اقوام کیلئے بالعموم اُمید، نجات اور کامیابی کی نوید تھی۔ اس عظیم الشان انقلاب نے دنیا بھر کے اقوام اور اسلامی تحریکوں پر اثرات ڈالے۔ آئی ایس او پاکستان پر بھی انقلاب اسلامی کے اثرات کا ہونا ایک فطری امر تھا۔ شاید یہ کہنا تاریخی اعتبار سے ناقابل تردید ہو کہ انقلاب

اسلامی نے آئی ایس او پاکستان کو نئی قوت، حوصلہ، جرأت اور توانائی بخشی اور تنظیم نے پوری تیزی کے ساتھ اپنی قوت، فعالیت اور وسعت میں اضافہ کیا۔

آئی ایس او پاکستان نے اس تاریخی دورانیے میں اہم ثقافتی، سیاسی، اعتقادی اور تنظیمی اقدامات کیے اور تاریخ میں گہرے نقوش رقم کیے۔ انقلاب اسلامی کی بھرپور حمایت کی گئی۔ انقلاب اسلامی کے حقیقی پیغام کو پاکستان کے کونے کونے تک پہنچانے کے اقدامات کیے گئے۔ آئی ایس او پاکستان نے 1979ء سے 1984ء کے عرصے میں امر بالمعروف، نہی از منکر، حقیقی عزاداری کا احیاء، بروز عاشور نماز باجماعت کا باقاعدہ قیام، مظلومین جہاں کی حمایت، علماء وعوام کے رابطے کو مضبوط کرنا، مطالعات کا فروغ اور باہم تعاون کے پختہ منصوبوں کی تشکیل اور اس جذبہ کو مضبوط کرنا، کالجز، یونیورسٹیز اور مقامی آبادیوں کے اندر نوجوان طلبہ تک اسلامی تعلیمات کو پہنچانا اور اس طرح کے بیسیوں اقدامات کیے اور عملی نتائج حاصل کیے۔

محبانِ اہلبیتؑ میں صرف آئی ایس او پاکستان ہی ایک منظم ملک گیر تنظیم تھی جو نہ صرف انقلاب اسلامی پر پختہ یقین رکھتی تھی اور نظام امامت وولایت کو دل وجان سے قبول کرتی تھی بلکہ ساتھ ہی ساتھ جذبات واحساسات وتوانائیوں سے بھرپور سماج کے نوجوان طبقے پر مشتمل تھی۔ لہٰذا آئی ایس او نہ صرف انقلاب اسلامی کی حمایت اور پیغام کو آگے بڑھانے میں ہراول دستہ تھی بلکہ انحرافی قوتوں اور حکومت وقت سے علمائے حق کی قیادت میں ظلم وانحراف کے خلاف مبارزے میں بھی دست و بازو آئی ایس او ہی تھی۔ چنانچہ اس پورے عرصے میں آئی ایس او نے آقائے مفتی جعفر حسینؒ، آقائے صفدر حسین نجفیؒ اور دیگر علمائے مبارز ومجاہد کا بھرپور ساتھ دیا اور ملت اسلامیہ کو اپنے الٰہی اہداف میں کامیاب وکامران کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ضیاالحق کی آمرانہ اور عالمی استکباری طاقتوں کے سہارے کھڑی حکومت کے خلاف آقائے مفتی جعفر حسینؒ کی قیادت میں چلنے والی عظیم تحریک جو کہ ظلم وجبر کے خلاف اور بنیادی حقوق کی بازیابی کیلئے تھی، میں آئی ایس او کا کردار نمایاں ترین تھا۔ اس حقیقت کا ثبوت 6 جولائی 1980ء کے تاریخی مبارزے میں نظر آتا ہے جس میں ضیاء الحق نے محبان اہلبیتؑ کی استقامت وفداکاری کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور محبانِ اہلبیتؑ کے حقوق کو تسلیم کرلیا۔ اس عظیم الشّان اجتماع کو انعقاد کرنے، منظم کرنے اور اپنے اہداف کے حصول کو یقینی بنانے میں آئی ایس او پاکستان نے اپنی بھرپور تنظیمی اور انقلابی قوت کا مظاہرہ کیا اور آئی ایس او کا یہ کردار تاریخ کا ایک زرین باب ہے۔

(iii) قیادت شہید حسینیؒ تا شہادت شہید حسینیؒ کا دور (1984ء-88ء):

بالآخر شہید عارف حسین الحسینیؒ کی معنوی والٰہی قیادت کی صورت میں آئی ایس او پاکستان نے اپنے مثالی انقلابی ومبارز، آگاہ وشجاع قیادت کو پالیا۔ شہید حسینیؒ کی قیادت کے دور میں اعلیٰ اسلامی اہداف کے حصول کیلئے شہید کے اہم دست و بازو آئی ایس او پاکستان کے نوجوانان ہی تھے۔ آئی ایس او پاکستان نے اس عرصے میں نہایت گہرائی کے ساتھ ملکی وبین الاقوامی حالات کے تناظر میں رہبرِ کبیر امام اُمت حضرت امام خمینیؒ اور مبارز ومجاہد قائد شہید حسینیؒ کی سرپرستی میں عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔ تنظیم کا ڈھانچہ مضبوط سے مضبوط تر ہوا، تنظیم

میں قابل قدر توسیع ہوئی، نوجوانوں اور طلبہ میں آئی ایس او کی اہمیت وحیثیت اور اثر پذیری میں اضافہ ہوا۔ تربیتی وتعلیمی پروگرامز زیادہ منظم اور موثر انداز میں ہونے لگے۔

شہید حسینیؒ کی الٰہی قیادت کو ملک کے کونے کونے میں متعارف کرانے میں آئی ایس او کا فعال کردار آئی ایس او کی تاریخ کا ایک اور سنہری باب ہے اور ملتِ اسلامیہ کو بجا طور پر اس پر فخر ہے۔ 6 جولائی 1987ء میں مینار پاکستان میں ملتِ اسلامیہ کا عظیم الشان تاریخی اجتماع اور اس میں پاکستان کے نظام کو قرآن و اہلبیتؑ کے مطابق بدلنے اور استکباری طاقتوں سے ملک کو حقیقی معنوں میں آزاد کرانے کے عزم کا شہید حسینیؒ کی طرف سے برملا اعلان ملت اسلامیہ پاکستان کی عظیم تاریخی کامیابی ہونے کے ساتھ اس کی قوت کا مظہر بھی تھا۔ یقیناً اس عظیم کامیابی کے حصول میں علمائے حق، دیگر مخلصین کے ساتھ ساتھ آئی ایس او کی ناقابل فراموش خدمات کا دخل تھا۔

(iv) شہید قائد علامہ عارف حسین الحسینیؒ کی شہادت سے شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کی شہادت تک (1988-95ء):

5 اگست 1988ء وہ تاریخی دن تھا جس دن مجاہد راہ کربلا حضرت حجۃ الاسلام سید عارف حسین الحسینیؒ کو عالمی استکبار کے خونخوار درندوں نے محرابِ عبادت میں شہید کیا۔ یہ دن آئی ایس او پاکستان کیلئے عظیم سانحہ کا دن تھا البتہ آئی ایس او پاکستان کے کاندھوں پر شہید حسینیؒ کے مشن اور ان کی راہ کو جو کہ حقیقت میں اسلامِ حقیقی کی راہ ہے، زندہ رکھنے کی عظیم ذمہ داری آن پڑی تھی۔ آئی ایس او پاکستان نے شہید حسینیؒ کی شہادت کے بعد انتہائی سنجیدگی اور عزم وحوصلے کے ساتھ اپنے الٰہی سفر کو جاری رکھا۔ شہید حسینیؒ کی شہادت نے تحریکِ اسلامی کے عزم وحوصلے کو اور پختہ کیا اور ان کا اپنے الٰہی اہداف پر یقین مزید پختہ ہو گیا۔ آئی ایس او پاکستان نے 1988-95ء کے عرصے میں اپنے تنظیمی اداروں کو مزید مضبوط کیا۔ دیگر ملی واسلامی تنظیموں سے روابط کو مزید مستحکم کیا۔

مظلومین جہاں کی حمایت اور ان کے درد کو اپنے سینے میں محسوس کرنا یہ وہ درس ہے جو درسگاہِ حسینیؑ سے ملتا ہے، آئی ایس او نے اپنی تاریخ کے اس دورانیے (1988-95ء) میں بھی اس عظیم ذمہ داری کو احسن طریقے سے سرانجام دینے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے 1992ء میں اسلام آباد میں بین الاقوامی کشمیر و فلسطین کانفرنس کا انعقاد قابل ذکر ہے جس میں کئی ممالک سے اسلامی تحریکوں کے وفود نے شرکت کی۔ اس کانفرنس نے دیگر نتائج کے ساتھ دیگر اسلامی تحریکوں کو آئی ایس او پاکستان کو قریب سے دیکھنے اور اس کے ساتھ اپنے روابط کو بہتر بنانے میں کردار ادا کیا۔ اس کانفرنس میں شریک اسلامی قائدین میں مجاہد عظیم شہید عباس موسوی سربراہ حزب اللہ یادگار رہیں گے۔

اس دور میں آئی ایس او پاکستان کی طرف سے کئے گئے تاریخی اقدامات میں سے ایک شہید راہِ حق حجۃ الاسلام والمسلمین سید عارف حسین الحسینیؒ کی شہادت کے کیس کو زندہ رکھنا اور وقت کے ظالم حکمرانوں کو اس گھناؤنے جرم کے حوالے سے لرزہ براندام کرنا ہے۔

جون 1989ء میں رہبر کبیر انقلاب اسلامی حضرت امام اُمت روح اللہ خمینیؒ اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ امام اُمت کی رحلت پر پوری اُمت اور مظلومین جہاں نوحہ کناں تھی اور آئی ایس او پاکستان کے جوانوں کے جذبات حزن وملال بھی قابل دید تھے۔ رحلت امام اُمتؒ کے فوراً بعد علماء ومجتہدین پر مشتمل مجلس خبرگان نے حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کی ولی امر مسلمین کی حیثیت سے

اعلان کیا اور عالمی استکبار کو مایوس کیا تو آئی ایس او پاکستان نے اس تاریخی اور حساس موقع پر رہبر عظیم انقلاب اسلامی حضرت سید علی خامنہ ای کی رہبری و ولایت کو دل و جان سے قبول کیا اور امامت و ولایت سے اپنی وفاداری کا اعلان کرتے ہوئے اپنی پختہ نظری اور اعلیٰ فکری کا ثبوت دیا۔

مجاہد، مبارز، بنیاد گزار آئی ایس او، سفیر انقلاب جناب ڈاکٹر محمد علی نقویؒ شہید کو استکباری گماشتوں نے 7 مارچ 1995ء کو لاہور میں شہید کیا۔ ہم نے ڈاکٹر شہید کی شہادت کو آئی ایس او کے ایک اہم تاریخی دور کا اختتامیہ قرار دیا ہے کیونکہ شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ کی شہادت کے ساتھ ہی پاکستان کی اسلامی تحریکیں بالخصوص آئی ایس او پاکستان نہ صرف ایک عظیم مجاہد و انقلابی شخصیت سے محروم ہو گئی بلکہ اپنے تحریکی سفر میں مزید مشکلات کا سامنا کرنے اور عزم و حوصلے کا ثبوت دینے کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گئی۔

(v) بعد از شہادت ڈاکٹر محمد علی نقویؒ تا ملی قیادتی بحران کا دور (1995ء - 2006ء):

ڈاکٹر شہید محمد علی نقویؒ جیسے مبارز و مجاہد اور بابصیرت و شجاع رہنما کی شہادت سے تحریک اسلامی پاکستان کا ہر فرد متاثر ہوا البتہ آئی ایس او پاکستان نے پختہ عزم کر لیا تھا کہ وہ شہدائے اسلام کے راستے پر ہر قیمت پر گامزن رہیں گے اور ان کے اعلیٰ اہداف کی خاطر اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں گے۔

1996ء تا 2000ء کا عرصہ محبانِ اہلبیتؑ کیلئے اجتماعی محاذ پر سخت آزمائش کا زمانہ تھا۔ اس عرصے میں ملی قیادت کا مسئلہ شدت اختیار کر گیا البتہ بفضل خدا آئی ایس او پاکستان نے اس بحرانی دور میں بھی علمائے حق کی سرپرستی میں اپنے سفر کو جاری رکھا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ 1997ء سے 2000ء کے عرصے میں دشمنانِ اسلام نے نظام مقدس ولایت فقیہ کو بطور خاص شیطانی پروپیگنڈے کا نشانہ بنایا۔ اس حوالے سے پاکستان میں بھی فضا کو کافی مسموم کیا گیا۔ مغالطوں اور غلط فہمیوں کو رواج دینے کی کوشش کی گئی۔ ایسے میں اگر آئی ایس او کے جوانوں کی دور اندیشی اور علمائے حق و دانشوروں کی سرپرستی و تعاون نہ ہوتا اور نظام ولایت و امامت کی حفاظت اور اس کی نظریاتی بنیادوں کے دفاع کی ایک بھرپور تحریک ایجاد نہ ہوئی ہوتی تو یقیناً آئی ایس او پاکستان ایک ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہو چکی ہوتی لہٰذا وہ تمام علمائے کرام، دانشمند حضرات اور ادارے تاریخِ آئی ایس او میں ہمیشہ تحسین کے ساتھ یاد رکھے جائیں گے جنہوں نے اس عرصے میں نظامِ ولایت کے دفاع اور اس کی نظریاتی بنیادوں کو مستحکم کرنے میں آئی ایس او کی مدد کی۔

2000ء میں حزب اللہ لبنان کو عظیم الشان فتح نصیب ہوئی، مجاہدین کی استقامت کے نتیجے میں صیہونی ناجائز ریاست کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا اور غاصب اسرائیلی افواج کو ذلت و خواری کے ساتھ لبنان سے پسپا ہونا پڑا۔ یہ فتح تمام اسلامی تحریکوں کیلئے اُمید و نشاط و سرور کا باعث اور عالمی استکبار اور اس کے آلہ کاروں کیلئے ایک عظیم نفسیاتی، سیاسی اور فوجی شکست تھی۔ آئی ایس او پاکستان نے اس عظیم الشان فتح پر مسرت کا اظہار کیا۔

اس فتح کے حوالے سے ایک دلچسپ واقعہ راقم الحروف کے ذہن میں ابھی تک نقش ہے اور عبرت گاہِ تاریخ میں اس دلچسپ بظاہر

معمولی واقعے کا تذکرہ بے جا نہیں ہوگا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ راقم نے آئی ایس او پاکستان کی طرف سے ایک اہم دینی مرکز کی ایک شخصیت جو کہ نماز جمعہ کے خطیب بھی تھے سے گزارش کی کہ حزب اللہ کی فتح پر اپنے جمعے کے خطبے میں گفتگو فرمائیں۔ اس شخصیت نے اس گزارش کے جواب میں فرمایا کہ جناب آپ کس فتح کی بات کر رہے ہیں، ایسے گروہ (مراد حزب اللہ جیسے گروہ) جن کی سیاسی سرپرستی کچھ قوتیں کر رہی ہیں اور جن کے اپنے سیاسی اہداف ہیں، ان سے متعلق بات کرنے کیلئے آپ ہم سے کہہ رہے ہیں؟۔ یہ معمولی واقعہ درحقیقت تاریخ کی عبرت گاہ میں بعض مقدس مآب چہروں سے نقاب ہٹانے کیلئے کافی ہے جو حضرت امام اُمتؒ، اور علماءِ حق کی سرپرستی میں چلنے والی عظیم الٰہی تحریکوں کو قبول کرنے سے انکاری تھے جو نہ صرف اسلام و مسلمین کی عظمت و سربلندی کیلئے ظلم و استکبار کے مقابل ہیں بلکہ جنہوں نے اپنی شہادتوں اور ایثار گری کے ذریعے علماء و دانشوروں اور دین و علم کو حیات و عزت عطا کی ہیں۔

آئی ایس او پاکستان نے اپنی تاریخی ارتقاء کے اس مرحلے میں فکری محاذ پر مضبوط کام کیا۔ اس کے علاوہ ادارہ سازی پر توجہ دی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ولایت فقیہ اور دیگر نظری و فکری امور پر آئی ایس او پاکستان کے حلقوں میں زیادہ دقیق بحثیں ہوئیں۔ تربیتی ورکشاپس اور دیگر تنظیمی پروگراموں میں وسیع، جدید اور مدلل انداز میں فکری ارتقاء کے عمل کو انجام دینے کی کوشش ہوئی۔

شعبہ تعلیم کے حوالے سے مستقل ادارہ "باڈی آف لٹریسی ڈویلپمنٹ (BOLD)" کا عملی قیام و استحکام اس دور میں ہوا۔ مستقل تربیتی نظام کا منصوبہ مجلس نظارت نے 1996ء میں منظور کیا اور 2000ء میں الھدیٰ مرکز تربیت کے نام سے مستقل تربیتی ادارے کے ذریعے اس مستقل نظام کا عملی نفاذ کیا گیا۔

خدمت خلق، دکھی انسانیت کی غمگساری اور تحفظ عزاداری کیلئے آئی ایس او پاکستان کی گراں قدر خدمات ہیں چنانچہ اس دور میں پاکستان 2005ء میں آنے والے قیامت خیز زلزلے کے موقعہ پر زلزلہ زدگان کی بے لوث اور مثالی خدمت اور اسی طرح تحریک تحفظ عزاداری (05-2004ء) تاریخ میں زرین حروف سے مرقوم رہیں گے۔

(vi) حزب اللہ لبنان کی عظیم فتح سے اب تک (2006ء-2012ء)

2006ء میں غاصب و جارح و ناجائز صیہونی ریاست اسرائیل نے لبنان پر حملہ کیا۔ دراصل یہ حملہ امریکہ کے عظیم مشرق وسطیٰ کے شیطانی منصوبے کا اہم ترین حصہ تھا۔ امریکی اور تمام دیگر مغربی طاقتوں اور عرب دنیا کے خائن حکمرانوں نے اپنی پوری عسکری، سیاسی، تشہیراتی اور اقتصادی پشت پناہی اسرائیل کو فراہم کی۔ 33 روز کی جنگ کے بعد اسرائیل کو حزب اللہ کے عظیم و شجاع مجاہدوں کے ہاتھوں تاریخ کی عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اس تاریخی فتح سے جسے بجاطور پر فتح مبین کہا جا سکتا ہے، تمام دنیا میں کمزور اقوام اور بالخصوص اسلامی تحریکوں پر گہرے اور امید بخش اثرات ہوئے۔

آئی ایس او پاکستان نے 33 روزہ جنگ کے دوران حزب اللہ اور لبنان کی مظلوم و شجاع قوم کی بھرپور اخلاقی اور انسانی حمایت کی۔ حزب اللہ جیسی ولایت و امامت سے وابستہ تحریک کے ہاتھوں امریکہ و اسرائیل کی شکست کا آئی ایس او پاکستان پر مثبت اثر پڑنا فطری تھا

لٰہذا ہوا بھی ایسا۔حزب اللہ کی عظیم کامیابی سے آئی ایس او کے نوجوانوں کے اندر اسلامی جوش و ولولے اور امید و حوصلے بلند ہوئے اور تنظیم اپنے اندر زیادہ قوت محسوس کرنے لگی۔

الحمدللہ آئی ایس او پاکستان پوری طاقت اور عزم کے ساتھ اپنے الٰہی سفر پر گامزن ہے۔2006ء سے تادمِ تحریر(2012ء) تنظیم نے کئی نئے سنگِ میل طے کئے گئے ہیں۔اس وقت جبکہ ملک بھر میں طلبہ تنظیمیں، تنظیمی اورنظریاتی بحران سے دو چار ہے، الحمدللہ آئی ایس او نہ صرف نظریاتی طور پر پہلے سے کئی گنا زیادہ مضبوط ہو چکی ہے بلکہ پاکستان کے تمام اہم تعلیمی اداروں کے اندر اپنا وجود برقرار رکھے ہوئے ہے۔

آئی ایس او پاکستان نے اپنی تنظیمی اداروں کو مزید مضبوط اور فعال بنایا ہے چنانچہ سکاؤٹ کونسل، محب کونسل اور بولڈ کی فعالیت پہلے سے بہت بہتر ہے۔اسی طرح سے ذیلی نظارت کے ادارے کو فعال بنانے کی کوششیں ہوئی ہیں اور اس میں کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئی ہیں۔تنظیم اپنے پروگراموں کے معیار کو بہتر بنانے اور اسلامی اُصولوں کے مطابق جدید وسائل سے استفادہ کرنے کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔امید ہے کہ آنے والے ادوار میں اس حوالے سے بہت سے عملی اقدامات اُٹھائے جائیں گے۔

مستقل اداروں کی تاسیس کی طرف تنظیم مزید متوجہ ہے اور تنظیم اپنے تاریخی ارتقاء کے اس مرحلے میں طویل المعیاد منصوبہ بندی کی طرف متوجہ ہوئی ہے جو کہ بہت ہی خوش آئند بات ہے۔اس سلسلے میں ایک تاریخی پیش رفت 2010ء میں ہوئی جب مجلس نظارت نے ایک طویل المعیاد تربیتی منصوبے پر مجلس عاملہ ومرکزی کابینہ کی درخواست پر کام کیا اور کم وبیش 1 سے 2 سال کی کوششوں کے بعد ایک مستقل تربیتی نظام مجلس عاملہ اور مجلس عمومی سے منظور کرایا گیا۔جو المہدی(عج) ادارہ تربیتِ اسلامی کے نام سے بھرپور فعالیت انجام دے رہا ہے۔

ملی وقومی محاذ میں آئی ایس او پاکستان کی گرانقدر خدمات میں ایک نہایت ہی عظیم خدمت کا اضافہ مجلس وحدت مسلمین کی تشکیل میں معاونت کی صورت میں 2009ء میں انجام پایا ہے۔اب الحمد للہ مجلس وحدت مسلمین پورے ملک میں اپنا تنظیمی ڈھانچہ تشکیل دے چکی ہے اور اسلام اور مسلمین کی خدمت کر رہی ہے اور آئی ایس او کی طرف سے ان سے تاحال تعاون جاری ہے۔

2010ء میں پاکستان میں آنے والے سیلاب جس میں لاکھوں پاکستانی متاثر ہوئے۔اس موقعہ پر آئی ایس او پاکستان نے اپنے پاکستانی بھائیوں کی خدمت کرتے ہوئے اپنے تاریخی الٰہی فریضے کو انجام دیا ہے۔

اس وقت جب ہم ان سطور کو لکھ رہے ہیں، عالم اسلام میں بیداری کی لہر آئی ہوئی ہے۔مصر میں مسلمان عوام نے 30 سال سے حاکم امریکی و اسرائیلی غلام حسنی مبارک کی حکومت کو سرنگوں کیا ہے۔لیبیا کے مظلوم عوام آمر قذافی کے خلاف اکٹھے ہوئے ہیں اور قذافی کی تقریباً43 سالہ ڈکٹیٹر شپ اس کی عبرت ناک موت کے ساتھ ختم ہو چکی ہے۔یمن کے مسلمان عوام 22 سال سے حاکم علی عبداللہ صالح جو کہ آل سعود کا پٹھو ہے اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہیں، سب سے بڑھ کر بحرین کے مجاہد اور غیور مسلمان قوم آل خلیفہ کی 232 سال ستم شاہی کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی ہے اور آل سعود کی فوجیں بحرین میں آ چکی ہیں اور آل سعود کی خائن فوج اور آل خلیفہ کے کرائے کے قاتل بحرینی مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں، مساجد کو منہدم کر رہے ہیں، امام بارگاہوں کو منہدم کر رہے ہیں اور قرآن پاک جلا رہے ہیں۔

آئی ایس او پاکستان نے اس تاریخی موقع پر دوبارہ کربلائی تاسی (پیروی) میں مکتب حسینی سے درس لیتے ہوئے رہبر معظم سید علی خامنہ ای کی آواز

پر لبیک کہتے ہوئے عالم اسلام کی بیداری کی تحریکوں کی حمایت، مظلوم اقوام کی حمایت اور استکبار و ظالم و جابر نظاموں کی مخالفت میں تحریکِ حمایت مظلومین جہاں شروع کی ہوئی ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ آئی ایس او پاکستان حضرت حجۃ القائمؑ کی عالمی حکمرانی کے قیام تک اپنی جدو جہد جاری رکھے گی۔

تذکرہ شہداء و علماء تحریک اسلامی:

مناسب ہوگا کہ ہم آئی ایس او پاکستان کے تاریخی ارتقاء کے مراحل پر اپنی گفتگو کا اختتام اس عظیم الٰہی تحریک سے مربوط عظیم شہداء اور مجاہد و مبارز علماء کے مبارک تذکرے پر کریں۔

آئی ایس او پاکستان کے کارکنان، مسئولین، سابقین اور تنظیم سے محبت رکھنے والے افراد کو یہ تاریخی حقیقت یاد رکھنا ہوگی کہ اب تک جتنی برکتیں آئی ایس او کے طفیل اسلامی معاشرے اور ہماری ذات کو پہنچی ہیں یا تا قیامت پہنچتی رہیں گی یہ سب ان عظیم شہداء اور مجاہد علماء نیز ہزاروں مخلص جوانوں کی پرخلوص اور انتھک کوششوں کے نتائج ہیں، اس لحاظ سے ہماری ذمہ داریاں بھی بھاری ہیں۔

اس مقالے میں ہمارا مقصد تمام علمائے کرام اور شہدائے عظام کا تفصیلی تذکرہ نہیں ہے بلکہ اختصار اور تذکرّ ہمارے پیش نظر ہے لہٰذا ہم اسی بات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سرسری بات ہی کر سکیں گے۔ البتہ ملت کے دانشوروں سے یہ توقع ہے کہ تحریک اسلامی کے شہداء اور علماء کی تاریخ پر بھرپور علمی کام کریں گے۔

آقائے حجۃ الاسلام مرتضیٰ حسین فاضل ان روشن فکر علماء میں سے تھے جن کا آئی ایس او پاکستان سے اپنی تاریخ کے ابتدائی سالوں ہی میں واسطہ رہا، یہ بزرگوار برصغیر کے روشن فکر اور عالی خیال علماء میں سے تھے۔ ان کے دستیاب علمی آثار اس بات کی گواہ ہیں۔

حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے سید علی الموسوی بھی ان بزرگ علماء میں سے ہیں جو ابتداء سے آج تک آئی ایس او پاکستان کی روحانی، علمی اور سیاسی و ثقافتی سرپرستی فرماتے آئے ہیں۔ آپ فکر امام خمینیؒ کے روز اول سے داعی تھے اور آج تک اسلام ناب کی راہ پر قائم ہیں۔ آئی ایس او پاکستان کو اپنے فرزندوں سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ قبلہ آقائے سید علی الموسوی نے آئی ایس او کی پوری تاریخ میں ہر بحران اور مشکل موڑ پر تنظیم کی سرپرستی اور حمایت کی۔ آپ شہید عارف حسین الحسینیؒ کے دست و بازو شمار ہوتے ہیں۔ آپ نے نوجوانوں اور علمائے کرام کے درمیان بارہا پل کا کردار ادا کیا۔ ہماری دعا ہے کہ خدا ان کو بطفیل معصومین علیہ السلام صحت و سلامتی عطا کرے اور اپنی جناب سے ان کی عظیم خدمات پر اجر عظیم عطا کرے۔

محسن دین و ملت، پیکر اخلاص و تقویٰ حجۃ الاسلام والمسلمین سید صفدر حسین نجفیؒ آئی ایس او پاکستان کے محسن، مدافع اور پشت پناہ بزرگان میں سے تھے۔ قبلہ صفدر حسین نجفیؒ مرحوم انقلاب اسلامی سے پہلے ہی حضرت امام اُمت روح اللہ الخمینی ؒ کی عظیم الشان اسلامی نہضت سے وابستہ تھے۔ آقائے نجفیؒ مرحوم نے شہید قائد علامہ عارف حسین الحسینیؒ کی بھرپور مدافعت اور سرپرستی فرمائی۔ آپ بانی آئی ایس او ڈاکٹر شہید محمد علی نقویؒ کے مربیان میں سے تھے۔ آقائے صفدر حسین نجفیؒ مرحوم ایک رحمتِ الٰہی تھے۔ جب تک آپ حیات تھے، ملی تنظیموں، علماء کرام،

نوجوانان ملت اور مختلف گروہوں کیلئے ایک مرکز اتحاد و برادری کی حیثیت سے اپنا الٰہی فریضہ سرانجام دیتے رہے، ملی وقار اور اسلامی وحدت کو برقرار رکھنے میں اہم ترین کردار ادا کرتے رہے۔آپ کی ذات والاصفات ملت اسلامیہ کے تمام طبقات کے درمیان نہایت احترام کی حامل تھی۔

گزشتہ 50 سالوں میں آئی ایس او پاکستان کی الٰہی تحریک سے وابستہ شہداء کی فہرست بہت طویل ہے جنہوں نے اپنے مقدس لہو سے اسلام اور تشیع کے پاک مکتب کی آبیاری کی ہے۔ان شہداء میں سے بعض اپنی طالب علمی کے زمانے میں تنظیم کی رکنیت میں ہوتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے اور بعض تنظیم سے فارغ ہونے کے بعد اسلامی معاشرے میں سرگرم رہتے ہوئے درجۂ شہادت تک پہنچے۔ان شہداء کی فہرست میں گلگت بلتستان سے لے کر کوئٹہ تک اور کراچی سے لے کر پاراچنار تک الغرض پورے ملک سے شہداء شامل ہیں۔

اوّلین شہداء میں شہید تنصیر حیدرؒ اور شہید راجہ اقبال حسینؒ کے نام ہیں۔ان دونوں انقلابی مجاہد طلبہ نے 2 مئی 1986ء کو انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں جام شہادت نوش کی۔شہید تنصیر حیدر اور شہید راجہ اقبال حسین کی شہادت اسلام پسند و اہل بیتؑ کی ولایت و امامت سے وابستہ نوجوانوں کے قلوب کو ہمیشہ گرماتی رہے گی۔شہید اعجاز رسول نگریؒ، شہید ڈاکٹر قیصر عباسؒ اور شہید اسرار حسینؒ آسمان شہادت کے دیگر چند درخشندہ ستاروں میں سے ہیں۔

بانی آئی ایس او پاکستان شہید ڈاکٹر محمد علی نقویؒ یقیناً سالارِ شہدائے آئی ایس او کہلانے کے مستحق ہیں۔جن کا مبارک تذکرہ ہم نے گزشتہ صفحات میں بارہا کیا ہے۔

آئی ایس او کیا ہے؟

ایک تنظیم ہے	بکھرے ہوؤں کو ایک لڑی میں پرونے کے لیے
ایک انقلاب ہے	اندھیروں سے اجالوں میں لانے کے لیے
ایک تحریک ہے	مردہ دلوں میں زندگی کی تڑپ پیدا کرنے کے لیے
ایک فکر ہے	سوچنے والوں کے لیے
ایک قافلہ ہے	جادہ حق پر چلنے والوں کے لیے
ایک پلیٹ فارم ہے	ملک کو اوج ثریا پر پہنچانے کے لیے
ایک عزم ہے	امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے
ایک نعمت ہے	نوجوانان ملت کے لیے
ایک وقار ہے	قومی تشخص کے لیے
ایک دلیل ہے	فتح و کامرانی کے لیے
ایک مشعل ہے	تاریک راہوں کے لیے
ایک کوشش ہے	صراط مستقیم پر چلنے کے لیے
ایک کشش ہے	نیکو کاروں کے لیے
ایک جذبہ ہے	جہاد فی سبیل اللہ کے لیے
ایک تصویر ہے	فلاحی معاشرے کے قیام کے لیے
ایک خواہش ہے	ایک مضبوط قوم کی حیثیت سے ابھرنے کے لیے

آئی ایس او پاکستان کا ترانہ

اونچا رہے اپنا علم، حی علیٰ خیر العمل

جب تک ہے دورِ آسماں، سن لے یہ ہر پیر و جواں
آواز پر شبیر کی، بڑھتا رہے یہ کارواں — رکنے نہ پائیں یہ قدم
حی علیٰ خیر العمل

ہر قلب پہ چھاتے چلو، دنیا کو بتلاتے چلو
اک اک محاذ ظلم کی، تصویر دکھلاتے چلو — ہر دل میں بھر دو شہ کا غم
حی علیٰ خیر العمل

جب بھی کوئی مشکل پڑی، دنیا اسی در پہ جھکی
سینوں سے بل کھا کر ادھر، اٹھی صدائے یا علیؑ — نکلا ادھر باطل کا دم
حی علیٰ خیر العمل

یہ پرچم عباسؑ ہے، ٹوٹے دلوں کی آس ہے
اب تک اسی پرچم تلے، زندہ کسی کی پیاس ہے — جس نے سہے لاکھوں ستم
حی علیٰ خیر العمل

عباسؑ ہے نام وفا، آغاز و انجام وفا
منہ موڑ کر دریا سے جو، پیتا رہا جام وفا — ہوتے رہے بازو قلم
حی علیٰ خیر العمل

وہ تیر بانیء جفا معصومؑ کا ننھا گلا
اسلام زندہ کر گئی ، اصغرؑ کے مرنے کی ادا
ہنس کر سہا تیر ستم
حی علیٰ خیر العمل

جب کربلا یاد آئے گی ، انسانیت شرمائے گی
مظلوم کی آواز ہے، دل میں اترتی جائے گی
اس در پہ ہر سر ہو گا خم
حی علیٰ خیر العمل

زندہ یہ بیداری رہے ، یہ سلسلہ جاری رہے
ہم ہوں نہ ہوں اس بزم میں ، قائم عزاداری رہے
قائم عزاداری رہے
قائم عزاداری رہے

آئی ایس او کے شعارات

قرآن وہ کتاب ہے ــ جو درس انقلاب ہے
جو اسوہ رسولؐ ہے ــ ہمارا وہ اصول ہے
علیؑ کا طرز زندگی ــ منافقت کی موت ہے
شہید کربلا کا غم ــ حیات ہے نجات ہے
حسینیوں کی زندگی ــ حماسہ و جہاد ہے
شہید کی جو موت ہے ــ وہ قوم کی حیات ہے

ہے ہماری درسگاہ ــ کربلا کربلا
حق کا سیدھا راستہ ــ کربلا کربلا
حسینیتؑ کی ابتدا ــ کربلا کربلا
یزیدیت کی انتہا ــ کربلا کربلا
شہادتوں کا راستہ ــ کربلا کربلا
سعادتوں کا راستہ ــ کربلا کربلا
حسینیوں کا راستہ ــ کربلا کربلا
شجاعتوں کا راستہ ــ کربلا کربلا
ہے ہمارا راستہ ــ کربلا کربلا

یہ درس کربلا کا ہے ــ کہ خوف بس خدا کا ہے
جو کربلا کے راہی ہیں ــ یہی تو وہ سپاہی ہیں
ہماری یہ جوانیاں ــ حسینؑ کی قربانیاں
جوانیاں لٹائیں گے ــ انقلاب لائیں گے
اونچا رہے اپنا علم ــ حی علیٰ خیر العمل
رکنے نہ پائیں یہ قدم ــ حی علیٰ خیر العمل
بڑھتے رہیں یونہی قدم ــ حی علیٰ خیر العمل

شہادت شہادت ــ سعادت سعادت
شہید کی جو موت ہے ــ وہ قوم کی حیات ہے
آئی ایس او کا ہر جواں ــ پاک وطن کا پاسباں

آئی ایس او کی ہے آواز ــ ماتم مجلس اور نماز
آئی ایس او میں کام کریں گے ــ ماتم مجلس عام کریں گے

سن لو امریکیو؛ ہم تمہاری موت ہیں
سن لو یزیدیو؛ ہم تمہاری موت ہیں

سپر پاور ہے خدا لا الہ الا اللہ
اسرائیل نہ امریکہ لا الہ الا اللہ

مردہ باد مردہ باد امریکہ مردہ باد
مردہ باد مردہ باد اسرائیل مردہ باد

طاغوت کا دل گھبرائے گا غازی کا علم لہرائے گا
یا امام المنتظرؑ العجل العجل

ایک سے بڑھ کر ایک ذلیل امریکہ و اسرائیل
باپ بیٹا دونوں ذلیل امریکہ و اسرائیل

رہبر کے فرمان پر جان بھی قربان ہے
سید کے اعلان پر جان بھی قربان ہے

محبت کا پیکر اخوت کا داعی علی خامنہ ای علی خامنہ ای
امریکہ مخالف بہادر سپاہی علی خامنہ ای علی خامنہ ای

ڈاکٹر کا نعرہ یاد ہے امریکہ مردہ باد ہے
خمینی کا ارشاد ہے امریکہ مردہ باد ہے

مرگ بر امریکہ مرگ بر امریکہ
مرگ بر اسرائیل مرگ بر اسرائیل

ہم امریکہ کے دشمن ہیں یہ بات بتا دو ایوانوں میں

تم کس کس کو مرواؤ گے یہ ساری قوم حسینی ہے

حسین حسین شعار ہے شہادت افتخار ہے

دست خدا بر سر ما خامنہ ای رہبر ما

حزب فقط حزب الہی رہبر فقط خامنہ ای

رہبر تیرا ایک اشارہ حاضر حاضر لہو ہمارا

کوفی ہیں نہ شامی ہیں ہم رہبر کے حامی ہیں

بلند تر تکبیر

اللہ اکبر، اللہ اکبر، خامنہ ای رہبر، مردہ باد امریکہ، مردہ باد اسرائیل، مردہ باد ہندوستان، مردہ باد دشمن ولایت فقیہہ، خدایا خدایا تا انقلاب مہدیؑ، زندہ رہے جہاں میں علم و عمل خمینی فکر و عمل حسینی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی محمد و آلِ محمد و عَجِّل فَرَجَھُم

حصول حق بوسیلہ حق

پیغمبر اکرم ﷺ کی سیرت کا ایک اہم پہلو اموری انجام دہی کیلئے وسیلے اور ذریعے کا انتخاب ہے جس میں دو مراحل ہیں:

مرحلہ اول:

اولاً تو انسان کو اپنے اہداف میں مسلمان ہونا چاہیے یعنی اس کا ہدف ومقصد الٰہی ہو۔

ثانیاً انسان کو اس مقدس اور الٰہی ہدف کے حصول کیلئے وسیلے اور ذریعے کا انتخاب کرتے ہوئے بھی واقعاً مسلمان ہونا چاہیے۔

بعض افراد ہدف کے لحاظ سے مسلمان نہیں ہوتے یعنی ان کی زندگی کا ہدف اور مقصد صرف خوراک، پوشاک، مسکن (روٹی، کپڑا، مکان) اور حصول لذات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ صرف وہ ہدف جس کے بارے میں فکر مند ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ اپنی زندگی کو تن آسانی اور آرام و آسائش کی آماجگاہ بنائیں۔ درحقیقت ان کے اہداف ایک حیوان کے اہداف سے بڑھ کر نہیں ہوتے، ایسے انسانوں کو نہ فقط یہ کہ مسلمان نہیں کہنا چاہیے بلکہ انہیں انسان بھی نہ کہا جائے تو بہتر ہے۔ کیونکہ ایک انسان کو انسان ہونے کے ناطے شہوات نفسانی سے بلند تر نظریے کا حامل ہونا چاہیے۔ اگر انسان واقعاً مسلمان ہو تو اس کے تمام اہداف ایک ہی کلمہ میں خلاصہ ہو جاتے ہیں اور وہ ہے خدا اور رضائے خدا کا حصول۔

مرحلہ دوم:

انسان اپنے اہداف (چاہے مقدس ہوں یا نامقدس) کے حصول کیلئے وسائل اور ذرائع سے استفادہ کرتا ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں ہے۔ یہاں ایک مسئلہ پیش آتا ہے کہ فقط ہدف کا انسانی ہونا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مقدس و الٰہی ہونا کافی ہے؟ یعنی اگر ہدف مقدس اور الٰہی ہے تو کیا اس کے حصول کیلئے ہر قسم کے مقدس و نامقدس وسائل سے استفادہ کیا جاسکتا ہے؟ یا مقدس ہدف کے حصول کیلئے

مقدس اور پاکیزہ وسیلہ سے استفادہ کرنا چاہیے اس کیلئے چند ایک مثالیں ذکر کرتے ہیں۔

تبلیغ میں غیر شرعی وسیلے سے استفادہ کرنا:

ہمارا ہدف دین کی تبلیغ ہے اور اس سے بہتر کوئی اور کام نہیں ہوسکتا۔ممکن ہے کہ میرا ایک کام انجام دینے کا ہدف میری اپنی ذات ہے (یعنی اس فعل و کام کا فائدہ میری ذات کو پہنچ رہا ہے) میں اپنی ذات کے فائدے کیلئے ایک کام انجام دینا چاہتا ہوں جس میں میں نے اپنے فائدہ اور سہولت کو مدنظر رکھا ہے، یہاں تو یہ بات واضح ہے کہ میں ہر قسم کے وسیلہ سے استفادہ نہیں کرسکتا۔لیکن اگر میں ایک فعل کو دین کیلئے انجام دینا چاہتا ہوں نہ کہ اپنی ذات کے لیے تو اس صورت میں آیا جائز ہے کہ میں اپنے ہدف تک پہنچنے کیلئے ہر وسیلے سے جیسے چاہوں استفادہ کروں؟

اگر میں اپنے فائدہ کیلئے کام کرنا چاہوں مثلاً کسی ادارے میں میرا کوئی کام ہو اور میں آپ کے پاس آؤں تا کہ آپ کے وسیلے سے میرا یہ کام ہوجائے اور آپ کے سامنے دو چار جھوٹ بول کر یہ ثابت کرنا چاہوں کہ واقعاً میں مشکل میں ہوں اور آپ سے گزارش کروں کہ میری مشکل حل کردیں۔سب یہاں پر مجھے ملامت کریں گے اور برا بھلا کہیں گے کہ دیکھیں اس شخص کا کام نہیں ہو رہا اور یہ اُس کے حل کیلئے جھوٹ پہ جھوٹ بولتا جارہا ہے، چاپلوسی کررہا ہے کسی دوسرے پر تہمت لگا رہا ہے۔

لیکن ایک دفعہ ہدف میری ذات نہیں ہے مثلاً میں مسجد بنوانا چاہتا ہوں۔واضح ہے کہ میں مسجد اپنی ذات کیلئے نہیں بنوا رہا ہوں اور واقعاً میرا مورد نظر بھی اسکے ذریعے کسی بُرے ہدف تک پہنچنا نہیں ہے۔میں بھی کسی محلہ کی کمیٹی یا بانیان میں سے ایک ہوں کہ جس کی ذمہ داری ہے کہ وہ فلاں محلے میں مسجد تعمیر کروائیں تا کہ لوگ وہاں پر دستورات دینی کو سیکھ سکیں۔اس مسجد کی تعمیر کیلئے سیمنٹ، بجری وغیرہ کی ضرورت ہے۔دوسرے کئی مسائل و مشکلات ہیں، ممکن ہے محکمہ اوقاف کی طرف سے مشکلات ہوں جن کو حل کرنا پڑے۔اس کام میں اسی طرح کی مشکلات ہوتی ہیں۔

لوگوں سے پیسے مانگنا خود ایک مشکل کام ہے۔اب اگر کوئی شخص ہمت کرے اور کوشش و سعی کرے تا کہ اس مسجد کیلئے چندہ اکٹھا ہوسکے۔اب وہ شخص کسی کے پاس جائے اور اُسے کچھ جھوٹی کہانیاں سنا کر کوشش کرے کہ اس سے چندہ وصول کرے اور بالآخر ہزار روپیہ اس سے حاصل کرلے لیکن اس کام کیلئے اس نے دوسروں کی نسبت کئی جھوٹ بولے، تہمتیں لگائیں، چاپلوسی کی، افراد کی بے جا تعریف و تمجید کی مثلاً کسی کو کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کا جنت میں بڑا عالیشان گھر ہے کیونکہ آپ مسجد کی خدمت کریں گے تو خداوند آپ کو یہ مقام عطا کرے گا۔اسی طرح باقی افراد کے سامنے بھی جھوٹ بول کر چندہ بٹورا، اب اس عمل کو ہم کیا نام دیں گے؟

شاید بہت سارے لوگ اس کو مقدس اور جائز سمجھیں اور اس کو چندہ مانگنے والے کی فداکاری تصور کیا جائے اور لوگ کہیں کہ دیکھو یہ بیچارہ مسجد کی خاطر دن رات کتنی محنت کر رہا ہے۔صبح سے شام تک اس کو چندہ جمع کرنے کیلئے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا؟ جس کے پاس جاتا ہے بالآخر جس ذریعے سے بھی ہو مسجد کیلئے چندہ جمع کرتا ہے واقعاً یہ شخص بڑا فداکار ہے، آیا یہ کام صحیح ہے یا نہیں؟

مسئلہ جعل حدیث:

ایک مسئلہ جو تاریخ میں انجام پایا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کی ہدایت کیلئے ہدایت و راہنمائی کے نام پر پیغمبر ﷺ یا امامؑ سے جعلی اور جھوٹی احادیث کو نقل کیا گیا ہے۔ دراصل پیغمبر ﷺ و امامؑ نے اس طرح نہیں فرمایا تھا لیکن ان احادیث کو پیغمبر ﷺ یا امامؑ سے نسبت دی گئی۔ اصل ہدف لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی تھی لیکن جعل حدیث کرنے والے کا خیال یہ تھا کہ اگر اس طرح کی احادیث کو رسول خداؐ یا امامؑ سے نقل کرے تو لوگ زیادہ اس کو قبول کریں گے۔

مثلاً ایک شخص سوچتا ہے کہ لوگ جو غیبت کرتے ہیں ان کو اس فعل بد سے روکنے کیلئے ایک دعا کو امام یا رسولؐ سے نقل کروں تا کہ لوگ اس دعا کو پڑھیں اور غیبت سے بچ جائیں۔ لغو و بیہودہ باتوں کی بجائے اس دعا کو پڑھا کریں یا مثلاً قرآن کے بارے میں کہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کی فلاں سورہ کو چالیس مرتبہ لگاتار پڑھے تو فلاں اثر رکھتی ہے، آیا یہ کام اچھا ہے، صحیح ہے؟

بذات خود ہدف مقدس ہے لیکن یہ کام انجام دینے والا چاہتا ہے کہ اس ہدف تک پہنچنے کیلئے جعلی حدیث گھڑے یا جھوٹ بولے تا کہ اس ہدف کو حاصل کیا جا سکے آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

تاریخ میں کتنے ایسے افراد تھے جنہوں نے یہی کام انجام دیا۔ ایک حدیث جو اکثر تفسیر کی کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔ ظاہراً تفسیر مجمع البیان کے مقدمے میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ اس حدیث کو ابی بن کعب سے نقل کیا گیا ہے۔ اس میں قرآن مجید کی مختلف سورتوں کے پڑھنے کے ثواب کا ذکر ہے۔ سورہ سباء کے پڑھنے کی فضیلت اور اس کا ثواب، سورہ ھل اتیک، سورہ الغاشیہ کا الگ ثواب و فضیلت، سورہ لم یکن الذین کا الگ ثواب و فضیلت، سورہ بقرہ کا الگ ثواب و فضیلت، سورہ آل عمران کا الگ ثواب و فضیلت، اسی طرح باقی سورتوں کے ثواب کے بارے میں کچھ نہ کچھ نقل ہوا ہے۔ اور ان سب کو پیغمبرؐ سے نقل کیا گیا ہے۔

ایک شخص گیا اور اس نے اس شخص سے کہ جس نے اس حدیث کو نقل کیا تھا، پوچھا کہ کس طرح ممکن ہے فقط تو نے تنہا اس حدیث کو نقل کیا ہے کسی اور نے نقل نہیں کیا تو اس نے کہا۔ اگر سچ پوچھنا چاہتے ہو تو بتاتا ہوں۔ اس حدیث کو میں نے صرف اور صرف رضائے خداوندی کی خاطر گھڑا اور جعل کیا ہے۔ لوگ بے ہودہ محافل میں اپنا وقت صرف کرتے تھے، میں نے چاہا کہ اگر پیغمبرؐ کی زبان سے کچھ بیان کردوں تو یہ اس برائی سے بچ جائیں گے لہٰذا میں نے بیان کردیا۔ میری کوئی ذاتی غرض و منفعت اس بات سے وابستہ نہیں، میں چاہتا تھا یہ لوگ دور جاہلیت کے اشعار اور لغویات سے محفوظ رہیں۔ ایک دوسرا شخص بھی ایسا کام انجام دیتا ہے کوئی جھوٹا خواب بناتا ہے اور گمان یہ کرتا ہے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں کی ہدایت کرسکوں گا۔ کیا یہ کام صحیح ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، یہ نہ صرف درست نہیں ہے بلکہ دین مقدس اسلام میں غلط ہے۔

بارہا یہ بات ذہن میں آتی رہی کہ غلط ہے، چند روز پہلے اس موضوع پر تفسیر المیزان کا مطالعہ کر رہا تھا، اس میں علامہ طباطبائی نے تبلیغ نبوت کے آداب بیان فرماتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ تمام انبیاء بشمول حضرت محمد مصطفی ﷺ نے کسی مقام پر بھی حق تک پہنچنے کیلئے باطل سے استفادہ نہیں کیا بلکہ حق تک پہنچنے کیلئے ہمیشہ حق سے استفادہ کیا کرتے تھے۔

سوال: کیا قرآنی داستانیں حقیقت نہیں رکھتیں؟

بعض مصریوں اور غیر مصریوں نے یہ بات بیان کی ہے کہ قرآن کی فلاں داستان کا تاریخ میں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ہم کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے تاریخ میں کوئی مثال موجود نہیں تو پھر بھی کوئی حرج نہیں، کیا تمام واقعات و حالات جو دنیا میں رونما ہوئے تاریخ نے قلمبند کئے ہیں؟ ہرگز نہیں جو تاریخ کی کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں تقریباً تین ہزار سال پہلے تک کی ہیں یعنی اسلام کے دور سے 1400 سال سے پہلے تک کی تاریخ کسی حد تک محفوظ ہے۔ اس سے آگے کی صحیح تاریخ ہمارے ہاں موجود نہیں، چار پانچ ہزار سال پہلے کے بارے میں تو اصلاً کچھ بھی نہیں ملا، اس زمانے کو زمانہ ماقبل تاریخ کہا جاتا ہے۔

بعض نے قرآن مجید کے بعض قصوں کے بارے میں کہا کہ قرآن مجید کا ہدف مقدس ہے مختلف داستانوں اور قصوں کو نقل کیا ہے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کر سکیں۔ اس سے درس عبرت لیں۔ قرآن تاریخ کی کتاب نہیں ہے کہ تاریخ نگاری کا کام کرے۔ قرآن مجید کا ہدف لوگوں کو ہدایت اور ان کو نصیحت کرنا ہے۔ اب جبکہ ہدف مقدس ہے کہ لوگوں کی ہدایت کی جائے تو ضروری نہیں ہے کہ جو واقعہ نقل کرے جو واقعا انجام پا چکا ہو بہت سارے حکماء نے دنیا میں بہت سی نصیحتوں کو حیوانوں کی زبان سے بیان کیا ہے اور سب کو پتہ ہے کہ حقائق نہیں ہیں جیسے لومڑی نے شیر کو یہ نصیحت کی، شیر نے لومڑی کا شکریہ ادا کیا وغیرہ۔

بعضوں کا خیال ہے کہ العیاذ باللہ ضروری نہیں ہے کہ قصص قرآنی کے باب میں ہم غور و فکر کریں کہ آیا یہ داستانیں جو قرآن نے نقل کی ہیں یہ حقیقت ہیں یا فقط تمثیل کی حد تک ہیں۔ لیکن اس طرح کہنا انتہائی غلط ہے۔ ممکن ہی نہیں کہ انبیا (ع) کی منطق اور منطق نبوت میں ایک حقیقت کو بیان کرنے کیلئے ایسی چیز کا سہارا لیا جائے جو درواقع انجام نہ پائی ہو اور ایک جھوٹ کو اگرچہ تمثیل کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو بیان کیا جائے۔

قرآن، پیغمبرؐ، آئمہؑ اور وہ لوگ جو اس مکتب کے تربیت یافتہ ہیں، کیلئے محال ہے کہ وہ ایک مقدس ہدف کے حصول کیلئے کسی باطل، من گھڑت اور غیر حقیقی امر سے استفادہ کریں، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں ہمیں کوئی شک نہیں کہ قرآن نے جتنے بھی واقعات بیان کیے ہیں وہ واقعیت و حقیقت پر مبنی ہیں۔ اپنی تائید کیلئے ایسی داستان جسے قرآن نقل کرے، قرآن میں نقل ہونے کے بعد محتاج تاریخ نہیں بلکہ تاریخ دنیا کو قرآن سے تائید حاصل کرنی چاہیے۔ علامہ طباطبائی نے قرآنی دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ انبیاء کی سیرت میں ایک لحظہ بھی ایسا نہیں ملتا جہاں مقدس ہدف کیلئے نامقدس ذرائع سے استفادہ کیا گیا ہو۔

متاخرین اور متقدمین کے درمیان مشہور دو باطل نظریے:

متاخرین (موجودہ زمانے والے جدت پسند لوگ) اور متقدمین (پرانے زمانے والے قدامت پسند لوگ) دونوں میں ایک ایسی بات رائج ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مکتب اسلام پر ایک شدید ضرب کی مانند ہے۔ وہ چیز جو متاخرین کے درمیان رائج ہے

درحقیقت انہوں نے انگریزوں سے حاصل کی ہے۔مصری یہ تعبیر بیان کرتے ہیں کہ "الغایات تبرر المبادی" یعنی ہدف وسیلے کو مباح بنادیتا ہے۔ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ ہدف مقدس ہو،مقدس ہدف کیلئے ہر وسیلے سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔اور وہ چیز جسے متقدمین بیان کرتے ہیں وہ بصورت حدیث ہے جسے شیخ انصاری (مکتب تشیع کے بہت بڑے عالم) نے بھی مکاسب (کتاب کا نام) میں دو جگہ نقل کیا ہے۔ایک جگہ بغیر تشریح کے اور دوسری جگہ تشریح کے ساتھ نقل کیا ہے۔حدیث یہ ہے کہ اگر اہل بدعت کو دیکھیں تو "فباھتوھم" انہیں مبہوت کردو۔

بدعت یہ ہے کہ جو چیز جزء دین نہیں اسے جزء دین بنادیا جائے "ادخال مالیس فی الدین فی الدین" جو چیز دین میں نہیں اسے بنام دین،دین کا جز بنادیا جائے یا برعکس بدعت ہے۔ایسا کام انجام دینے والوں کو مبہوت کردو۔حدیث کی تشریح سے پہلے ایک نکتے کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

بدعت اور نئی ایجاد:

آج کل کے زمانے میں نئی ایجاد کو بدعت کا نام دے دیا جاتا ہے۔نئی ایجاد اگر امر دین کے علاوہ ہو تو عیب نہیں رکھتی۔ایک شخص شعر،ہنر یا فلسفہ میں نئی ایجادات کرنا چاہتا ہے،یہ ٹھیک ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے لیکن کوئی شخص اگر دین میں کوئی چیز لے آنا چاہتا ہے تو یہ ممکن نہیں۔کیونکہ دین بنانے والے ہم نہیں حتیٰ کہ نبی یا امام بھی اپنی طرف سے ایسا نہیں کرسکتا مگر یہ کہ خدا کی طرف سے ہو۔البتہ اس بات میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے دراصل جو چیز غلط ہے وہ دین میں نئی چیز لانا ہے،نہ کہ دین میں احکام ومعارف کا نئے طریقے استنباط سے کرنا غلط ہے۔

اخباری گروہ اس مقام پر اشتباہ سے دوچار ہوا ہے۔وہ اجتہاد کو بھی آوردی (داخل ہونے والا سمجھتے ہیں)۔اجتہاد یعنی فن استنباط میں ممکن ہے کہ ایک مجتہد کسی خاص انداز سے استنباط کرے اور یہ انداز دوسرے مجتہد کے انداز سے مختلف ہو۔یہ استنباط کا نیا انداز ہے لہٰذا دقت نظر وغور وفکر سے کام لینا چاہیے۔دین میں نئی چیز لانا الگ بات ہے اور نئے انداز سے ان کا اخذ کرنا ایک الگ بات ہے۔البتہ اگر نئی ایجادات دین کے علاوہ ہوں تو نہ صرف یہ کہ عیب نہیں بلکہ ایک احسن اور خوش آئند بات ہے۔جو چیز عیب ہے وہ دین میں نئی چیزوں کو داخل کرنا ہے جو جزء دین نہیں ہیں اور یہ احادیث کے مطابق بہت بڑا گناہ ہے۔

جو شخص دین میں بدعت ایجاد کرے،اس کے ساتھ میل جول رکھنا بھی حرام ہے،اب بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث کی مختصر تشریح جسے پہلے نقل کیا گیا ہے کہ جب اہل بدعت کو دیکھو "فباھتوھم" انہیں مبہوت کردو،باھتو مادہ بھت سے ہے۔جس کے دو معنی ہیں،ایک مبہوت کرنا یعنی محکوم کرنا،متحیر کرنا،ایسی منطق کا استعمال جو دوسروں کو حیران کردے جیسے حضرت ابراہیمؑ نے کیا۔دوسرا معنی بہتان لگانا،جھوٹ بنانا ہے "سبحانک ھذا بھتان عظیم"۔شیخ انصاری وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل بدعت کو مبہوت کرنے کا معنی یہ ہے کہ ایسی منطق دلیل اپنائیں کہ اہل بدعت مبہوت ومتحیر ہوجائیں اور کوئی جواب نہ دے سکیں۔

بعض لوگوں نے اس کا دوسرا معنی مراد لیا ہے کہ جب اہل بدعت کا سامنا ہو تو ان پر ہر قسم کا بہتان اور جھوٹ باندھنا صحیح ہے۔یعنی

انہیں خاموش کرنا ایک مقدس ہدف ہے۔ جس کیلئے جھوٹ جو کہ ایک نامقدس فعل ہے بطور وسیلہ اپنایا جاسکتا ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ طریقہ غلط ہے اور بہانہ خور لوگوں کا ذریعہ ہے نہ کہ حقیقت پسند افراد کا۔

نفس انسانی کے عجیب طریقے ہیں۔ نفس امارہ واقعاً بہت عجیب ہے۔ گاہے بگاہے انسان کا نفس ایسا مکر کرتا ہے کہ خود انسان بھی سمجھنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ مثلاً ولادت پیغمبر اسلامؐ کے موقع پر بعض لوگ گانے بجانے اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں جب پوچھیں کہ ایسا کیوں کر رہے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ آج خوشی کی رات ہے جیسے چاہیں خوشی منائیں۔

انگریزوں نے ایسی ہی باتوں میں مغالطہ کر کے یہ فائدہ ایجاد کر لیا ہے کہ "الغایات تبرر المبادی" اگر ہدف مقدس ہو تو وہ وسیلے کو جائز بنا دیتا ہے، چاہے وہ نامقدس ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح متقدمین مآب لوگوں نے کہا کہ "فبہاھتوھم" کی بنیاد پر ہم حق رکھتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے دل میں آئے کہہ دیں، جب نوبت یہاں تک آن پہنچے کہ ہمارا دل جو چاہے کہہ دیں پھر اللہ ہی حافظ ہے اور انتظار کریں کہ دین خدا کن کن مشکلات سے دو چار ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وسائل و ذرائع سے استفادہ:

قبیلہ ثقیف کے کچھ افراد آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان ہو جائیں لیکن آپ ہماری تین شرائط منظور فرمالیں۔

۱۔ ایک سال کیلئے ہمیں بتوں کی پوجا کرنے کی اجازت دے دیں۔

۲۔ نماز پڑھنا ہمارے لیے بہت ناگوار اور سخت ہے (چونکہ بہت متکبر تھے اور رکوع و سجود ان کیلئے گراں گزرتے تھے) نماز نہ پڑھنے کی اجازت دے دیں۔

۳۔ ہم سے نہ کہیں کہ اپنے بڑے بڑے بتوں کو توڑ دیں، ہم اپنے ہاتھوں سے یہ کام نہیں کر سکتے۔

آپؐ نے فرمایا:

آپ کی پہلی دو شرائط اصلاً قابل قبول نہیں البتہ تیسری شرط مانی جاسکتی ہے، ہم کسی اور کو اس کام پر مامور کر دیں گے۔

انہوں نے چالیس سال بت پرستی کی اگر ایک سال اور بت پرستی کر لیتے تو کیا فرق پڑتا تھا لیکن آپؐ نے کہا یہ محال ہے کہ اگر ایک رات کیلئے بھی بت پرستی کی اجازت طلب کرتے تو پیغمبرؐ پھر بھی ہرگز اجازت نہ دیتے۔ واقعاً ایسی اجازت پیغمبرؐ کیلئے محال تھی جو ایک رات بھی رضائے پیغمبرؐ کے ساتھ ہو۔ پیغمبرؐ ہرگز کسی مقدس ہدف کے حصول کیلئے ہر جائز و ناجائز طریقہ سے استفادہ نہیں کرتے تھے۔

منفعت دین میں لوگوں کی جہالت سے استفادہ:

گزشتہ بیانات سے بھی عجب تر یہ ہے کہ نامقدس وسائل سے استفادہ ایک مطلب ہے۔ لیکن ایک مطلب جو اس سے بھی زیادہ گہرا ہے

وہ یہ ہے کہ لوگوں کی جہالت و نادانی سے کسی مقدس ہدف کیلئے استفادہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں ۔مثلاً فلاں بیچارے نے اپنی جہالت و نادانی کے سبب ایک اعتقاد پیدا کرلیا ہے،اس نے جیسے تیسے ایک صحیح اعتقاد کو اپنا بھی لیا ہے،ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس کے بارے میں ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ،بعض لوگ اگر خرافاتی اور انحرافی راہ سے داخل ہوئے ہیں تو کوئی حرج نہیں بالآخر ایک ایمان و اعتقاد تو رکھتے ہیں ۔ کیا یہ درست ہے کہ نہیں ؟ یہ ہرگز درست نہیں ہے ۔

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

پیغمبر اسلامؐ قدرت و طاقت سے استفادہ کرتے تھے،کہیں نرمی سے،کہیں سختی سے لیکن تمام تر موارد کی شناخت رکھتے تھے ۔ ہر مورد (معاملہ) میں مناسب حکمت عملی اپناتے اور جن وسائل سے استفادہ کرتے وہ لوگوں کی آگاہی و بیداری کیلئے ہوتے ۔شمشیر لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کیلئے چلاتے، اخلاق کا ایسا استعمال کرتے جو لوگوں کی بیداری و آگاہی کا سبب بنتا ۔شمشیر چلاتے تا کہ دل کو بینا، بہرے کو سننے والا، اندھے کو دیکھنے والا اور گونگے کو بولنے والا بنا دیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کی وفات اور سورج گرہن:

احادیث کی کتب میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے ۔پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک فرزند بنام ابراہیم وفات پا گئے ۔پیغمبرؐ ان سے بہت محبت کرتے تھے ۔آپؐ غمگین ہوئے اور گریہ بھی کیا ۔لوگ بھی بہت غمزدہ اور گریہ کی حالت میں تھے،اسی اثناء میں سورج کو گرہن لگ گیا ۔ لوگوں نے سوچا کہ پیغمبرؐ کے بیٹے کی وفات سورج گرہن کا سبب ہے،اس امر کے سبب لوگوں کا عقیدہ اور ایمان اور زیادہ مضبوط ہوگیا ۔لیکن پیغمبر اکرمؐ ان کی جہالت اور نادانی سے استفادہ نہیں کرنا چاہتے تھے ۔آپؐ لوگوں کو علم و معرفت کے ذریعے حق کی طرف لانا چاہتے تھے چونکہ آپؐ اس آیہ قرآنی کے حقیقی مصداق تھے:

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نحل: ۱۲۵)

آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے دعوت دیں اور ان سے بہتر انداز میں بحث کریں ۔

پیغمبر اسلامؐ نے یہ نہ کہا کہ لوگوں کی جہالت سے استفادہ کروں جیسے کہ کہا جاتا ہے خذ الغایات و ترک المبادی ۔ ہدف حاصل کرو، وسیلے کو رہنے دو جیسا بھی ہو ۔پیغمبر اسلامؐ منبر پر جاتے ہیں ،لوگوں کے خیالات کو یہ کہہ کر راحت پہنچاتے ہیں کہ یہ سورج گرہن اس سبب سے نہیں بلکہ ایک اور کائناتی سبب سے لگا ہے ۔ایسے افراد جن کی خاموشی سے بھی لوگ فائدہ اُٹھائیں ان کا عمل ایسا ہونا چاہیے کہ ہرگز ایسا موقع فراہم نہ کیا جائے ۔کیوں؟

۱۔اس لیے کہ اسلام کیلئے ایسے جعلی ذرائع جھوٹے خوابوں اور من گھڑت واقعات سے استفادہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں چونکہ دین اسلام منطقی، استدلالی اور روحانی دین ہے جو واقعاً حقیقت پر مبنی ہے، اسے غیر حقیقی چیزوں کی کیا ضرورت ہے ۔

۲۔جو ایسے ذرائع سے استفادہ کرتا ہے درحقیقت اشتباہ کر رہا ہے مثل مشہور ہے کہ تم لوگوں کو جاہل نہیں بنایا جاسکتا کب تک لوگوں کی

جہالت سے استفادہ کیا جاسکتا ہے اور خصوصاً اس دین کیلئے جو قیامت تک کیلئے بشریت کیلئے ہدایت و راہنمائی کا باعث ہو۔ یہ دین لوگوں کو بابصیرت رکھنا چاہتا ہے نہ جاہل اور بے بصیرت، جاہلیت اور بے بصیرتی دراصل دین کے خلاف ہے اس لئے دین اسے مٹانا چاہتا ہے اور نہ ہی اسے رواج دینا چاہتا ہے اور نہ ہی اس سے استفادہ کرنا چاہتا ہے۔

مقدس ہدف کیلئے مقدس وسیلہ:

حصول حق کیلئے جو بھی وسیلہ اختیار کیا جائے وہ حق ہونا چاہیے، اگر میں جان لوں کہ ایک جھوٹی، ضعیف روایت یا حدیث کے ذریعے گناہگاروں کو توبہ کی طرف بلایا جاسکتا ہے اور نماز شب پڑھنے والا بنایا جاسکتا ہے تو بھی اسلام ایسے کام کی مجھے اجازت نہیں دیتا۔ کیا اسلام اجازت دیتا ہے کہ ہم جھوٹ بولیں اور لوگوں کو امام حسینؑ کی مظلومیت پر گریہ کیلئے آمادہ کریں؟ نہیں، اسلام ایسے جھوٹے اور جعلی قصوں کی ہرگز اجازت نہیں دیتا اور اسلام کہتا ہے کہ جو حقیقت ہے وہ بیان کی جائے۔

امام حسینؑ کیلئے ایک آنسو بھی بہت زیادہ اجر و ثواب کا حامل ہے لیکن اسلام ہمیں حقیقت بینی کی طرف دعوت دیتا ہے اگر سچ کے ساتھ جھوٹ ذکر کرنے کی رسم چل نکلی تو بالآخر واقعہ کربلا، سچ اور جھوٹ کا مجموعہ بن جائیگا نتیجتاً آہستہ آہستہ حق مٹ جائے گا اور باطل اس کی جگہ لے لے گا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک سید منبر افروز تھے اور جھوٹے واقعات بیان کیے جارہے تھے۔ ایک مجتہد جو اس مجلس میں تشریف فرما تھے، انہوں نے اسے روکا کہ جھوٹ نہ بولو، صاحب منبر نے جواب دیا تم جاؤ فقہ و اُصول پڑھو یہ منبر میرے جد امجد کا ہے۔ میری جو مرضی میں بیان کروں تمہیں اس سے کیا۔ واقعاً اگر ایسی صورتحال بن جائے کہ ہر کوئی اپنی مرضی سے گفتگو کرے، وہ نہ مرضی خدا اور رسولؐ کو پیش نظر رکھے اور نہ مرضی علیؑ کو نہ حسن مجتبیٰؑ اور نہ ہی حسینؑ شہید کربلا کو تو پھر دین خدا کے ساتھ کیا ہوگا اس دین مقدس کی شکل کیسی بن جائے گی، الامان۔۔۔۔!

ایک وہ راستہ جس سے دین کو بہت نقصان اُٹھانا پڑا یہی ہے کہ اس اصل کی رعایت نہیں کی گئی۔ ہمیں چاہیے کہ جیسے ہمارا ہدف مقدس اور پاکیزہ ہو ویسے وسیلہ بھی مقدس اور پاکیزہ ہونا چاہیے۔ ہمیں جھوٹ، غیبت، تہمت اور ہر قسم کی معاشرتی برائی سے نہ شخصی زندگی میں اور نہ ہی دینی معارف کی تبلیغ کیلئے استفادہ کرنا چاہیے۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین کے نام پر بے دینی کرتا ہے۔ چونکہ مذکورہ غیر اخلاقی افعال ضد دین ہیں اور بنام دین ان امور کی انجام دہی قابل قبول نہیں لہٰذا لوگوں کو حکمت اور اسوہ حسنہ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف دعوت دینی چاہیے اور یہی سیرت انبیاءؑ کا درخشاں پہلو ہے۔

علی علیہ السلام اور وسائل سے استفادہ:

علی علیہ السلام کی سیاست نے کیوں تاثیر نہیں دکھائی، بے شک علیؑ کا ہدف مقدس تھا؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اس ہدف کو حاصل کرنے کیلئے باطل وسیلے سے استفادہ نہیں کیا آپؑ نے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کی روش اور ان کے طریقہ کار کو اختیار کیا اور خود اس کے سختی

سے پابندرہے۔ دنیا کی سیاست بازیاں آپ کی نظروں کو خیرہ نہ کرسکیں۔ یہ جو بعض حکام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نابغہ روزگار تھے اور فلاں بھی، یہ سب اسی وجہ سے ہے کہ ان کے سامنے جو بھی جائز یا ناجائز وسیلہ یا ذریعہ آتا تھا اس سے خوب استفادہ کرتے تھے۔

کیوں بعض لوگ علی علیہ السلام کی سیاست کو قبول نہیں کرتے، اس وجہ سے کہ علیؑ کی سیاست کسی غیر مقدس امر کے تحت تاثیر نہیں تھی، علیؑ نے حق کو ہدف قرار دیا تھا اور اس کے حصول کیلئے ہر اس وسیلے اور ذریعے کو استعمال کیا جو حق تھا۔ جبکہ دوسرے لوگ فقط ہدف کو اہمیت دیتے تھے اور اس کے حصول کیلئے ہر جائز و ناجائز وسیلے سے استفادہ کرتے تھے۔ علیؑ کے باطل وسیلہ سے استفادہ نہ کرنے کے چند ایک نمونے درج ذیل ہیں۔

شام کے گورنر کی معزولی:

آپ نے اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں بعض لوگوں کی حمایت کے باوجود شام کے گورنر کو باقی نہ رکھا اور معزول کر دیا اور فرمایا کہ میرا اس کو ایک دن بھی باقی رکھنا گویا اس کی صلاحیت کی تائید شمار ہوگا جبکہ میں اس کو اس قابل نہیں سمجھتا۔ حالانکہ بعض لوگوں نے آپؑ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ اس کو باقی رکھیں اور جب آپ کی حکومت مستحکم ہو جائے تو اس کو معزول کر دیجئے گا لیکن آپ نے اس بات کو قبول نہ کیا۔

علی علیہ السلام اور دشمن کا پانی بند کرنا:

جنگ صفین میں مخالف لشکر نے شریعہ کے مقام پر قبضہ کر کے امیر المومنینؑ کی فوج پر پانی بند کر دیا۔ حضرت علیؑ نے دشمن کے پاس پیغام بھیجا کہ پانی کا راستہ کھول دو مگر مخالفین نے ایسا قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت علیؑ نے اپنی فوج کو اجازت دے دی کہ طاقت اور قدرت سے انہیں پیچھے ہٹا کر پانی حاصل کرلیں۔ جب حضرت علیؑ کے لشکر نے انہیں بھگا دیا اور خود پانی پر قابض ہو گئے تو آپؑ نے حکم دیا کہ ان کے لئے پانی کا راستہ کھلا رکھو۔ میں ان پر کیسے پانی بند کرسکتا ہوں جبکہ خدا نے کافر کے لئے پانی بند کرنے کا حکم نہیں دیا۔

آپؑ نے اپنے لشکر سے کہا آپ کو شجاعت اور جوانمردی سے کام لینا چاہیے۔ حضرت علیؑ اپنی کامیابی کو ناجوانمردانہ عمل سے حاصل نہیں کرنا چاہتے تھے۔

علی علیہ السلام کے مدمقابل ایک شخص کا جنگ صفین میں برہنہ ہونا:

واقعہ کچھ یوں ہے کہ جنگ صفین میں ایک دن حضرت علی علیہ السلام کے مدمقابل جنگ کے دوران دشمن کے ایک سپاہی نے جب یہ دیکھا کہ علیؑ کے ہاتھوں بچنے کا کوئی راستہ نہیں رہا تو اس نے اپنی شرم گاہ پر سے کپڑا ہٹا لیا۔ علیؑ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ ایسے شخص کو قتل کریں لہذا آپ نے منہ پھیر لیا اور واپس پلٹ آئے۔ بعض افراد کا کہنا ہے کہ حضرت علیؑ کو چاہیے تھا کہ اس کو قتل کر کے فتنے کی آنکھ نکال دیتے لیکن ایسے شخص کو قتل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چونکہ یہ بات آپکی غیرت اور شہامت کے خلاف تھی۔

تاریخ میں اور بھی ایسے واقعات موجود ہیں ۔ آئمہ اور انبیاء علیہم السلام کی سیرت مکارم اخلاق کا نمونہ تھی حتی کہ وہ جنگ و جدل کے میدان میں بھی اس طرح کے اخلاقی اصولوں کا خیال رکھتے تھے چاہے بظاہر نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے ۔

امام حسین علیہ السلام اور وسائل سے استفادہ:

امام علیہ السلام کے لیے قتل ہونا یا نہ ہونا کوئی مسئلہ نہ تھا بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ اسلام قتل نہ ہو حتی اسلام کی ایک چھوٹی سی اصل کا قتل بھی امام علیہ السلام کو گوارا نہ تھا۔ روز عاشورہ صبح کے وقت شمر بن ذی الجوشن لعین میدان جنگ کا جائزہ لینے کیلئے چھپ کر خیموں کے عقب سے آتا ہے ۔ امام علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ خیموں کو ایک خاص شکل میں مرتب کیا جائے اور خیموں کے عقب میں خندق کھود کر آگ لگا دی جائے تا کہ دشمن عقب سے حملہ آور نہ ہو سکے ۔ شمر نے جب یہ دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا اور بکواس بکنے لگا ۔ بعض اصحاب امام علیہ السلام نے اسے جواب دیا لیکن بکواس کے انداز سے نہیں بلکہ احسن انداز سے ۔

ایک صحابی نے کہا یا امام علیہ السلام مجھے اجازت دیں میں ایک ہی تیر سے اس کا کام تمام کر دوں ۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا میں نہیں چاہتا۔ جنگ کا آغاز ہماری طرف سے ہو اور تاریخ یہ نقل کرے کہ کربلا کی جنگ حسین علیہ السلام نے شروع کی ۔ چونکہ ہم دو مسلمان گروہ ایک دوسرے کے سامنے ہیں اور قرآنی اصل موجود ہے ۔

فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ

ترجمہ: پس جو شخص تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے ویسی ہی زیادتی تم بھی اس پر کرو اور خدا سے ڈرتے رہو اور خوب سمجھ لو کہ خدا پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۹۴)

امیر المومنین علیہ السلام نے بھی جنگ صفین میں یہی آیت تلاوت کی تھی کہ میں جنگ شروع نہیں کرتا لیکن اگر انہوں نے شروع کی تو دفاع کروں گا۔ امام حسین علیہ السلام بھی یہی فرماتے ہیں کہ اگر انہوں نے جنگ شروع کی تو ہم دفاع کریں گے ۔ یہ امام علیہ السلام کا مقام معنویت ہے کہ ایک مستحب عمل کی بھی اتنی شدت سے رعایت کرتے ہیں ۔

لیکن دشمن کے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں ہے ۔ وہ تو حرمت کو بھی پائمال کرنے پر آمادہ ہے ۔ امام علیہ السلام اپنے لشکر کا میمنہ میسرہ اور قلب تشکیل دیتے ہیں ۔ اپنے پرچم دار بناتے ہیں ۔ میمنہ زہیر کے حوالے میسرہ حبیب کے حوالے اور پرچم دار ابوالفضل العباس علیہ السلام کو قرار دیا۔ دشمن نا جوانمرد ہے اس لئے اس کیلئے مردانگی اور جوانمردی کوئی معنی نہیں رکھتی ۔ رے شہر کی حکومت عمر سعد لعین کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی ۔ اس کے تمام کام چاپلوسی اور عبید اللہ بن زیاد کی رضایت پر مبنی تھے ۔ پہلا تیر پسر سعد امام علیہ السلام کے لشکر کی طرف پھینکتا ہے اور اپنے لشکر سے مخاطب ہو کر کہتا ہے" گواہ رہنا سب سے پہلا تیر میں نے پھینکا ہے"۔ اس کے لشکر میں چار ہزار تیرانداز تھے ۔ جنہوں نے یکبارگی لشکر امام علیہ السلام پر تیروں کی بارش کر دی ۔ امام علیہ السلام کے

اصحاب باوفا میں سے اکثر شہید ہوگئے لیکن ہر شہید ہونے والے کے ہاتھوں کئی لعین بھی واصل جہنم ہوئے ۔عاشورہ کی جنگ ایک تیر سے شروع ہوئی اور ایک تیر پر ختم ہوگئی ۔

امام علیہ السلام آخری وقت چند لحظات کیلئے رکے ۔نامرد دشمن جونزدیک آکر جنگ نہیں کررہے تھے بلکہ دور سے حملہ کرتے تھے چونکہ جانتے تھے کہ فرزند علی علیہ السلام سے قریب آکر جنگ کرنا بہت مشکل ہے ۔دور سے ایک ظالم نے پتھر مارا جو امام علیہ السلام کی پیشانی پر لگا آپ علیہ السلام زین سے زمین پر آئے پھر کیا ہوا ایک صدا بلند ہوئی ۔

بسم اللہ وباللہ وعلیٰ ملة رسول اللہ

(ماخوذ از کتاب ۔سیری در سیرہ نبوی ۔استاد شہید مطہری ؒ)

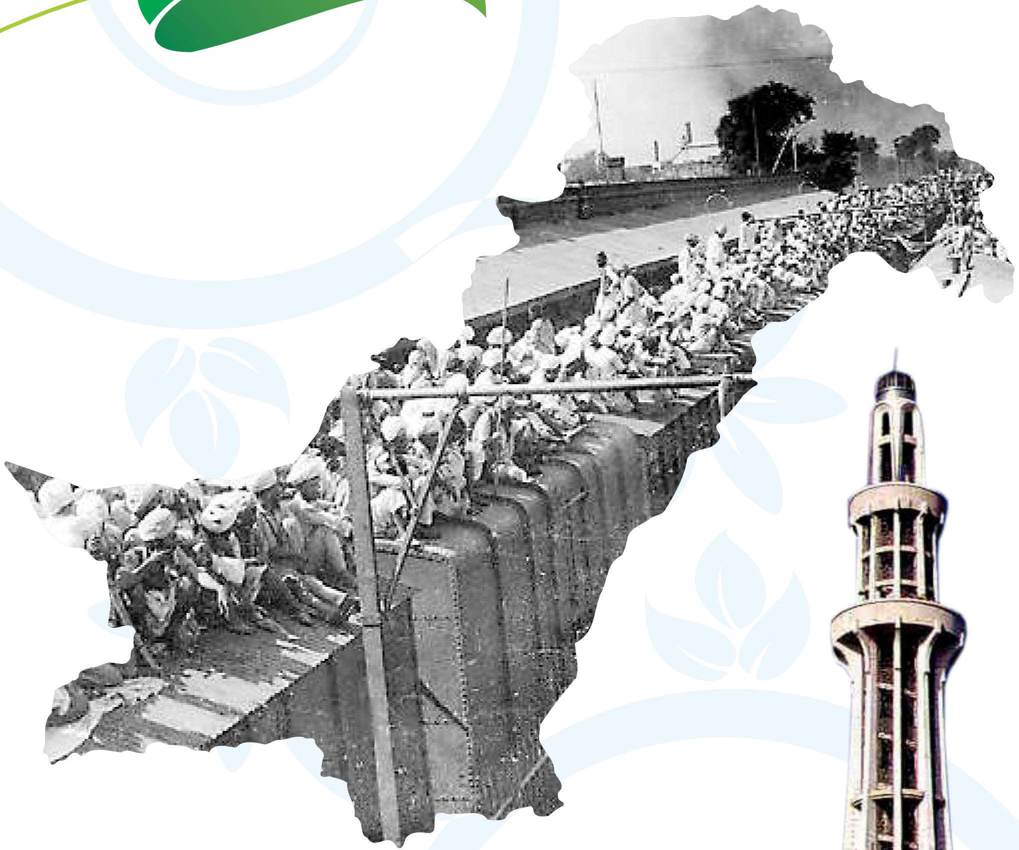

تحریک پاکستان میں پیروان اہلبیت علیہم السلام کا کردار

برصغیر کے مردم خیز خطہ میں جب تشیع نے اپنے وجود کا اظہار کیا تو اس زمانے میں بالعموم ہندوستان متحدہ پر سنی حکمران بادشاہ رہے جس میں غزنوی، تغلق، لودھی، خلجی، خاندان غلامان، مغل اور سادات حکمران شامل تھے لیکن بایں ہمہ حضرت امام حسینؑ کی غم انگیز شہادت کا واقعہ مسلمانان برصغیر کی روایت مذہبی کے ایک مستقل حصہ کی حیثیت سے ہند میں داخل ہوا۔ جس نے مسلمانوں سے آگے بڑھ کر ہندوستان کے باسیوں کے دل و دماغ میں اپنی جگہ بنالی۔ اس طرح تشیع ایک خاص احساساتی رنگ اور خط سُرخ شہادت کے افتخار کو ماتھے پر سجائے برصغیر کی جدید تاریخ میں وارد ہوئی۔

بعض روایات کے مطابق امام حسینؑ کا اپنی حیات مبارک کے آخری لمحات میں ہند کی طرف ہجرت کر جانے کی خواہش کا اظہار ایک اور جذباتی وجہ بنا جو ہندوستان کے باسیوں میں تشیع کیلئے فروغ کے کام آیا۔ یوں عاشورہ محرم الحرام اور غم حسینؑ اور مکتب اہلبیتؑ کو ہندوستان متحدہ میں ایک خاص سماجی، ثقافتی حیثیت مل گئی جو روز افزوں تھی۔

تقسیم ہند جو کہ بجائے خود ایک عالمی واقعہ ہے سے پہلے اور بعد شیعوں نے پاکستان کے قیام میں بھرپور حصہ لیا۔ بہت سی شیعہ شخصیات کا تحریک پاکستان میں نمایاں کردار رہا ہے۔ ذیل میں نمایاں طور کارنامے انجام دینے والی شیعہ شخصیات کی خدمات کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے جو کہ نہ صرف تاریخ ہندوستان بلکہ تاریخ عالم میں نامور ہوئیں۔ تاریخی حقائق سے ثابت ہے کہ قیام پاکستان کی تحریک میں سب سے زیادہ اہم کردار اہل تشیع کا تھا اور اکابرین اہل تشیع سے لے کر ایک عام سے کارکن تک کسی نے بھی قیام پاکستان کی مخالفت نہیں کی (یا یوں کہیئے کہ اہل تشیع نے پورے وجود سے اجماعی طور پر تحریک پاکستان کی حمایت کی)۔ تاریخ کے ان سنہرے اوراق سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔

جسٹس سید امیر علی

1884ء میں جسٹس سید امیر علی کی کوششوں سے کراچی میں ایک مدرسہ قائم کیا گیا جو علی گڑھ کی طرز پر تھا اور اس کا نام سندھ مدرسہ

الاسلام رکھا گیا۔قائداعظم محمد علی جناح بھی اسی مدرسہ کے طالب علم رہے ہیں۔اسی طرح کا ایک مدرسہ بنگال میں ہگلی کے مقام پر قائم ہوا۔ جس کا ایک حصہ امام باڑہ کے لئے مختص تھا۔

محمد علی جناح

قائداعظم محمد علی جناح برطانیہ کی پرعشرت زندگی چھوڑ کر مسلمانانِ ہند کے دکھ درد میں شریک ہونے کے لیے ہندوستان تشریف لائے اور اس کے بعد مسلمانوں کے ہر دلعزیز لیڈر بن گئے۔قائداعظم محمد علی جناح کی مدبرانہ قیادت ہی قیام پاکستان کی کامیابی کا سرچشمہ ثابت ہوئی۔آپ ایک غیر متعصب شیعہ تھے۔مذہبِ اہلِ بیت سے تعلق رکھنے کے باوجود کبھی آپ نے کسی فرقے کی ضرورت سے زیادہ حمایت نہیں کی۔

الف: تبلیغی شیعہ:

قائداعظم محمد علی جناح نہ صرف یہ کہ اثنا عشری شیعہ تھے بلکہ انھوں نے آغا خان کو یہ ترغیب دلائی کہ وہ اسماعیلیوں کی سربراہی سے سبکدوش ہوکر اثنا عشری جماعت میں شامل ہو جائیں (بالفاظ دیگر اثنا عشری مکتب اختیار کریں)۔(شاہراہِ پاکستان صفحہ ۵۲۰)

شفیق بریلوی صاحب نے اپنی کتاب محمد بن قاسم سے محمد علی جناح تک شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی کے صفحہ 105 کے مقابل نکاح کے رجسٹر سے قائداعظم کے نکاح کے اندراج کا عکس شائع کیا ہے جس میں آپ کو محمد علی ولد جینا خوجہ اثنا عشری تحریر کیا گیا ہے۔

ب: محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

جنابِ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عقیدت کا اظہار اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ قائداعظم فرماتے ہیں کہ میں نے لنکن ان یونیورسٹی میں صرف اس لئے داخلہ لیا تھا کہ اس کے دروازے پر دنیا کے ممتاز قانون دانوں کی فہرست میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام شامل تھا۔ اسی طرح سے حضرت علی علیہ السلام کے یوم شہادت پر دنیوی کاروبار سے لاتعلقی سے ان کی عقیدت اور اصول پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔

راجہ صاحب محمود آباد

پاکستان کی تاریخ سے آشنا لوگ کہتے ہیں: پاکستان، قائداعظم کی رہنمائی اور راجہ صاحب محمود آباد کی دولت کے مرہونِ منت ہے۔

راجہ صاحب محمود آباد ریاست محمود آباد کے والی تھے جو کہ لکھنو سے 30 میل دور شیعہ اکثریتی ریاست تھی۔آپ کے والد گرامی سر محمد علی خان مایہ ناز شخصیت کے حامل تھے۔آپ کے والد مہاراجہ علی محمد خاں، نے ایک دفعہ کانپور مسجد کے حادثے میں گرفتار ہونے والے مسلمانوں کی ضمانت کے طور پر اپنی پوری ریاست پیش کر دی تھی۔لوگوں نے کہا بھی آپ بلاامتیاز سب کی ضمانت دے رہے ہیں، ان کی اکثریت سے آپ واقف بھی نہیں ہیں تو آپ نے کہا ایک مسلمان کو بچانے کے لئے میری ریاست ختم ہو جائے تو میں اسے معمولی سمجھوں گا۔

اور یہ سینکڑوں کی تعداد میں ہیں ۔ان کے تحفظ کے لئے میں اپنی جان اور آن کے لئے بھی خطرہ مول لے سکتا ہوں، ریاست کیا چیز ہے ۔

الف: آپ کی دریادلی

راجہ صاحب نے جس طرح دل کھول کر تحریکِ پاکستان میں اپنی دولت لٹائی ہے اس کی مثال مشکل سے ملتی ہے ۔گاندھی جی، جواہر لال نہرو، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، چودھری خلیق الزماں، غرض کہ ہندوستان کا ہر شعلہ بیاں مقرر آپ کی رہائش گاہ قیصر باغ لکھنو میں محفلوں کو گرماتا ۔جب آپ نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی تو یہ ایک قسم سے گورنر سر ہنری ہیگ کے ساتھ ٹکر کے مترادف تھا۔اسی وجہ سے آپ کو بلا کر دھمکی دی گئی کہ اگر آپ نے مسلم لیگ نہ چھوڑی تو ریاست ضبط کرلی جائے گی۔لیکن آپ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ شعلہ آتش اور تیز ہوگیا۔

ب: لوگوں کی خدمت

راجہ صاحب مخدوم ہونے کے باوجود خادم نظر آتے اور شاید خدمت کی یہ میراث ان کو اپنے والد مہاراجہ محمد علی خاں سے ملی تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ راجہ صاحب ایک طرف سے مسلم لیگ کے تمام جلسوں کا خرچہ برداشت کرتے تو دوسری طرف ذاتی طور پر ہر بے کس و نادار کی مدد کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ۔جب آپ کے بیٹے سلیمان میاں صاحب کی ولادت ہوئی تو لوگوں نے جشن منانے کا مشورہ دیا۔مگر آپ نے عجیب انداز سے اللہ کی اس نعمت کا شکرادا کیا۔وہ اس طرح کہ ریاست کی تمام 24 تحصیلوں سے کل ایسے آدمیوں کی فہرست منگوائی جو موتیا کے مرض کا شکار تھے ۔ چنانچہ انھوں نے گیارہ سو اٹھاون 1158 مریضوں کو اپنے علاقے کے کیمپ میں ٹھہرایا اور تمام لوگوں کا مفت آپریشن ڈاکٹر ٹی پرشاد (جو اس وقت آنکھوں کے مشہور ڈاکٹر تھے) سے کروایا۔

ج: قائداعظم کی انسان شناسی

قیام پاکستان کی تحریک میں آپ کی خدمات جلی حروف میں درج ہیں ۔آپ قائداعظم کے دست راست شمار ہوتے تھے۔آپ نے قیام پاکستان کے سلسلہ میں مالی، اخلاقی مدد فراہم کرنے میں بہت زیادہ مثبت کردار ادا کیا۔قائداعظم محمد علی جناح متعدد مواقع پر آپ کے وجود کو باعث افتخار قرار دیا۔اور آپ کی صلاحیتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے آپ کو مسلم لیگ کا خزانچی مقرر کیا لیکن راجہ صاحب اس اہم منصب کے ساتھ ساتھ اپنی شعلہ بیانی سے بھی نوجوانوں کے دلوں کو گرماتے رہے، یوں زبانی خرچ کے ساتھ ساتھ جیبی خرچ کی ذمہ داریاں بھی انجام دیتے رہے ۔

لیکن پاکستان بننے کے بعد آپ کو اپنی ریاست سے ہاتھ دھونا پڑا ۔جس کے بعد آپ کو پاکستان میں تین فیکٹریاں لگانے کی پیشکش بھی ہوئی لیکن آپ نے اسے ٹھکرا دیا۔اپنی زندگی کے آخری ایام بڑی کسمپرسی کے ساتھ جو کی روٹی اور بسوں میں سفر کرتے ہوئے گزارے

وہ محوِ نالہ جرسِ کارواں رہے　　　یارانِ تیزگام نے محمل کو جا لیا

مرزا ابوالحسن اصفہانی

آپ قائداعظم کے نہایت ہی قریبی دوست شمار ہوتے تھے۔ آپ نے مسلم لیگ کو فعال اور مضبوط بنانے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے قائداعظم کی خواہش پر انگریزی اخبار ڈان کا اجرا کیا۔ 1945ء کے مسلم لیگ کے اسمبلی کے الیکشن مہم کے انچارج تھے۔ آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معاشرے میں بہت بلند مقام کی حامل شخصیت شمار ہوتے تھے۔

راجہ غضنفر علی خان

آپ قائداعظم کے دیرینہ ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے قیام پاکستان کے لیے سرتوڑ کوششیں کیں۔ آپ قائداعظم کے ہراول دستہ کے اہم رکن شمار ہوتے تھے۔ آج بھی اہل علاقہ آپ کی خدمات پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

مرزا احمد اصفہانی

مرزا احمد اصفہانی نے قائداعظم کے کہنے پر مسلم بینکاری نظام کا آغاز کیا اور مسلم کمرشل بینک کی بنیاد رکھی۔ آپ نے ہر مشکل موقع پر مسلم لیگ کے فنڈ میں خطیر رقم بطور چندہ دی۔ قائداعظم اکثر و بیشتر مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور معاشی ترقی کے لیے آپ کے ساتھ مشاورت کیا کرتے تھے۔

سر آدم جی داود

مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آپ کی شاندار خدمات کا اعتراف متعدد مواقع پر قائداعظم نے اپنی تحریروں میں فرمایا۔ آپ کا شمار سرکردہ افراد میں ہوتا تھا۔ آپ نے قائداعظم اور مسلم لیگ کو پھیلانے اور اس کی مضبوطی کیلئے اہم کردار ادا کیا۔

نواب فتح علی خان قزلباش

آپ اس وقت لاہور کے سب سے بڑے نواب شمار ہوتے تھے۔ آپ نے پنجاب کے دل لاہور میں قیام پاکستان کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔ لاہور میں مسلم لیگ اور قائداعظم کی تمام تنظیمی سرگرمیوں کا اہم مرکز قزلباش ہاؤس ہی ہوا کرتا تھا۔

سید محمد دہلوی

سید محمد دہلوی اپنے دور کے شیعہ مکتب کے بڑے رہنماوں میں سے ایک شمار ہوتے تھے۔ علم و حکمت کے بہار چمن میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ آپ نے قیام پاکستان کی تحریک میں بہت ہی مثبت اور جاندار کردار ادا کیا۔

علامہ ابن حسن جاچوروی

علامہ ابن حسن جاچوروی کا شمار نامور علماء دین میں ہوتا تھا۔ آپ نے قیام پاکستان کی تحریک میں بہت شاندار کردار ادا کیا۔ قائداعظم آپ کی صلاحیتوں کے بہت زیادہ معترف تھے۔ آپ نے شیعہ قوم کے شعور کو اجاگر کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔

مولانا حسین بلگرامی آف اودھ پورہ

آپ اہل تشیع کے ممتاز عالم دین تھے اور قیام پاکستان کی تحریک میں بڑھ چڑھ حصہ لیا۔

سید وزیر حسن آغا

آپ پاکستان مسلم لیگ کے مرکزی جوائنٹ سیکرٹری تھے اور قیام پاکستان کی تحریک میں بہت سے مواقع پر انتہائی اہم خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ مسلم لیگ کے اہم مرکزی راہنما اور قائداعظم کے معتمد خاص شمار ہوتے تھے۔

سید علی امام آف پٹنہ

آپ کا نام تحریک پاکستان کے اہم ترین اکابرین میں شمار ہوتا ہے۔

سید حسن امام آف پٹنہ

آپ کا شمار بھی تحریک پاکستان کے اہم ترین اکابرین میں ہوتا ہے۔

سیٹھ محمد علی حبیب حبیب بینک والے

آپ قیام پاکستان کی تحریک میں بڑے فعال تھے، متعدد مواقع پر قائداعظم اور مسلم لیگ کی مالی معاونت کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد پہلے بجٹ کے لیے قائداعظم کی انتہائی خطیر رقم سے معاونت کی۔

اس کے علاوہ آغا محمد اشرف قزلباش، سید مراتب علی شاہ، میجر حسن بلگرامی، سر ہارون، نواب فتح علی سیال، خان بہادر سید آل نبی (یوپی)، ابراہیم رحمت اللہ (بمبی)، سید سلطان احمد (بہار)، سید رضا علی (یوپی)، غلام علی چھاگلہ (سندھ)، سید محمد محسن (ڈھاکہ)، نواب سید محمد اسماعیل (بہار)، راجہ آف سلیم پور (یوپی)، سید محمد مہدی پیر پو (یوپی)، سید جعفر امام (بہار)، سید آل نبی، سید مقبول حسین گویال (بہار)، مولانا مرزا احمد علی (لاہور)، علامہ حسین الوری، سید ذیشان حسین شاہ کرنال، سید مہدی علی (علی گڑھ)، پروفیسر اجمل رضوی (راولپنڈی) نے

تاریخ پاکستان میں کردارادا کیا۔

شیعہ خواتین

فاطمہ جناح، بیگم مرزا محمد اصفہانی، بیگم علی امام، بیگم ہارون، بیگم قزلباش، بیگم وزیر حسن آغا کا کردار تحریک پاکستان میں نمایاں مقام رہا ہے۔
اسی طرح صوبہ سرحد میں شیعہ بنگش سادات اورطوری قبیلہ، بلوچستان میں ہزارہ شیعہ، بلوچ شیعہ، سندھ میں تالپور خاندان، سادات، بلوچ، مہر، پنجاب میں بلوچ، سادات اور دیگر تمام اہم علاقوں سے ہر اقوام سے تعلق رکھنے والے شیعہ افراد نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔
آج بھی پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ قیام پاکستان کی تحریک میں حصہ لینے والی قوم عصر حاضر میں بھی وطن عزیز پاکستان کے استحکام، سالمیت اور بقا کی جنگ لڑ رہی ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے قیام پاکستان کے لیے سب سے زیادہ قربانیاں دیں تو آج ہم استحکام پاکستان کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں۔
لیکن انہی پیروان ولایت کو ان کے آباؤ اجداد کی سرزمین پر بعض کج فکر گروہوں کی طرف سے کہ جنہوں نے اس وقت بھی قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی دیوار سے لگانے اور تنہا کرنے کی کوشش کی جاتی رہی لیکن یہ پیروان اہلبیتؑ اپنے دیگر مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر اس ملک عزیز کے دفاع، استحکام، ارتقاء اور استقلال کیلئے کوششیں جاری رکھیں گے۔ انشاءاللہ

پاکستان بنایا تھا پاکستان بچائیں گے

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ

المهدیؑ

سید حسن نصراللہ حفظہ اللہ

قائد مقاومت سید حسن نصر اللہ حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

ہم اپنی تمام تر قوت و ایمان کے ساتھ کھڑے ہیں اور ظالم طاقتوں کا مقابلہ کر رہے ہیں ہم ثابت قدم ہیں اور امریکیوں کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ لبیک یا حسین علیہ السلام یعنی کیا؟ اگر چہ امریکہ و اسرائیل اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

انہوں نے ہماری زبان سے لبیک یا حسین علیہ السلام کا نعرہ تو بہت سنا ہے۔

لبیک یا حسین علیہ السلام!

یعنی آپ میدان جنگ میں ہوں، تمام لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ جائیں، آپ پر تہمتیں لگائیں اور آپ کو ذلیل و خوار کرنا چاہیں۔

لیکن پھر بھی آپ استقامت دکھائیں۔

لبیک یا حسین علیہ السلام!

یعنی آپ، آپ کا مال اور آپ کے بیوی بچے سب کے سب اس حق و باطل کے معرکہ میں حاضر ہوں۔

لبیک یا حسین علیہ السلام!

یعنی ایک ماں اپنے بیٹے کو اسلام کے دفاع کی خاطر میدان میں بھیجے اور جب اس کا جوان لال شہید ہو جائے۔ تو اس کا کٹا ہوا سر اس کی ماں کو دیا جائے اور وہ اپنے جوان بیٹے کے سر کو گھر لے جائے، چہرے کو خاک اور خون سے صاف کرے اور مخاطب ہو کر کہے: بیٹا میں تجھ سے راضی ہوں خداوند کریم تیرے چہرے کو آخرت میں نورانی فرمائے، تو نے مجھے روز قیامت حضرت فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کے سامنے سرخرو کر دیا ہے۔

پس یہ معنی ہے لبیک یا حسین علیہ السلام کا۔

فلسطین

فلسطین کا رقبہ 27024 مربع کلو میٹر ہے۔ یہ سرزمین دنیا کے شمالی حصہ میں جنوب مغربی ایشیاء میں واقع ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق 1987ء تک فلسطینیوں کی تعداد پوری دنیا میں 51 لاکھ افراد سے زیادہ ہے جو کہ مقبوضہ علاقوں کے علاوہ دنیا کے 13 ممالک میں منتشر ہیں۔ عالمی اور علاقائی حکمت عملی کے اعتبار سے فلسطین کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ ملک ایشیاء کو افریقہ سے ملانے والا ایک پل ہے اور جزیرہ نمائے عرب کو بحر روم سے ملاتا ہے۔ اس علاقہ کی اسی اہمیت کی وجہ سے استعمار نے دو اہم عرب علاقوں کے درمیان جدائی ڈالنے کا منصوبہ بنایا اور اس پر عمل کیا۔ اسلامی روایتوں، تاریخی شواہد اور آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں موجود تھا۔ اسلام کے ظہور کے بعد کی فلسطین کی تاریخ اس بات کا ثبوت ہے کہ فلسطین ایک اسلامی اور عرب سرزمین رہی ہے اور یہودیوں کے اس دعویٰ کی نفی کرتی ہے کہ یہ سرزمین یہودیوں سے متعلق ہے۔

صیہونزم کی پیدائش:

بعض کتابوں کے مطابق 1897ء میں سوئزرلینڈ کے شہر "بال" میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں صیہونیت کی ابتداء ہوئی جبکہ باقاعدہ طور پر سیاست کی دنیا میں اس لفظ کی آمد سے بہت پہلے ہی عملی طور پر صیہونیت کی بنیاد رکھ دی گئی اور بال کانفرنس صیہونزم کی سرگرمیوں کا علی الاعلان آغاز شمار ہوتا ہے۔ اگرچہ صیہونزم کے بعض مظاہر انیسیویں صدی کے اواخر میں نظر آتے ہیں لیکن ان کی سرگرمیوں کی جڑیں کئی سو سال پہلے حتیٰ کہ یہودیوں کی تاریخ میں بھی نظر آتی ہیں۔

یہودیوں کا اظہار مظلومیت:

صیہونزم کی تاریخ کے مطالعہ کے دوران جو عجیب بات دیکھنے میں آئی ہے وہ "یہود آزادی" ہے۔ یہودی تاریخ میں ہمیشہ سے

ایسے عناصر موجود رہے ہیں جو یہودی ہونے کے باوجود اپنے وطن میں ایسی حرکتیں کرتے رہے ہیں جس سے یہود آزادی کا شور شرابہ کیا جاسکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صیہونی گروہ اس بات کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے تھے کہ بے خبر یہودی عوام کو اکسانے کیلئے یہ مظلوم نمائی بہت ضروری ہے۔ اپنی مظلومیت کو ثابت کرنے کیلئے صیہونیوں نے بعض واقعات کا سہارا لیا ہے مثلاً:

۱) سپین سے یہودیوں کا اخراج
۲) پولینڈ میں یہودیوں کا قتل عام
۳) روس میں یہود مخالف تحریک
۴) "ڈریفوس" کا واقعہ
۵) جرمنی میں یہود کشی

موجودہ تاریخ کا اہم واقعہ دوسری جنگ عظیم کے دوران نازیوں کے ہاتھوں یہود کشی کی تحریک ہے۔ اکثر محققین کے نزدیک جرمنی میں قتل ہونے والے یہودیوں کے اعداد و شمار جعلی ہیں اور صیہونیوں نے اس واقعہ کو اپنے حق میں استعمال کرنے کیلئے یہ حرکت کی تھی۔ ہٹلر کے ان اقدام کو صیہونیوں کی حمایت حاصل تھی۔

فلسطین کی اہمیت اور استعماری لالچ:

سامراجیوں نے انیسویں صدی میں ہی اس سرزمین کی اہمیت کی وجہ سے اس پر کنٹرول کرنے کی سازشیں کرنا شروع کر دی تھیں۔ "نپولین بوناپارٹ" نے مشرقی سلطنت کے قیام اور علاقہ میں برطانیہ کے رسوخ کا مقابلہ کرنے کیلئے فلسطین کے علاقہ میں اپنی ماتحت ایک یہودی حکومت کے قیام کے لئے فلسطین پر حملہ کرنے کیلئے یورپ اور ایشیاء کے یہودیوں کو اپنے لشکر میں بھرتی کرنا شروع کیا تھا۔

1827ء میں ایک برطانوی یہودی نے فلسطین میں یہودیوں کی آبادی اور بحر روم کے ساحلوں کو خلیج فارس سے ملانے کیلئے پانا سے خلیج فارس تک پٹڑی بچھانے کی تجویز پیش کی اور برطانیہ نے 1838ء میں بیت المقدس میں پہلا یورپی قونصل خانہ قائم کیا۔ فلسطین پر کنٹرول حاصل کرنے کیلئے صیہونیوں نے برطانیہ کے ساتھ منصوبہ بندی شروع کر دی۔

فلسطین پر کنٹرول حاصل کرنے کیلئے برطانوی اقدامات:

۱) برطانوی کابینہ کی منظوری: ہربرٹ سیمپوئل (برطانوی حکومت کا یہودی اور صیہونی وزیر) نے 1915ء میں برطانوی کابینہ کے سامنے ایک بل پیش کیا جس میں فلسطین پر برطانوی تسلط پر زور دیا گیا تھا۔ اس کی اساس فلسطین کو یہودی ملک بنانے پر تھی چنانچہ اس نے اس سرزمین پر یہودیوں کی آبادکاری اور ان کی خودمختاری کا بھی مطالبہ کیا تھا۔

۲) عثمانی سلطنت میں تفرقہ اندازی: جب پہلی جنگ عظیم میں عثمانی حکومت نے جرمنی کی حمایت کی تو برطانیہ نے امریکہ نواز کی دلجوئی کی اور عربوں کو اپنی حمایت پر اکسایا۔ اس منصوبہ کے مطابق اگر عرب، عثمانی ترکوں کے خلاف تحریک چلائیں تو برطانیہ کو دنیائے اسلام کی خلافت کو عربوں میں منتقل کرنے اور انہیں عثمانی ترکوں سے نجات دلانے میں ان کی حمایت کرنا تھی۔

۳) امریکی صیہونیوں کو فلسطین کے معاملہ میں ملوث کرنا: برطانوی حکومت کا ایک اور اقدام امریکی صیہونیوں کو فلسطین کے معاملہ میں کھینچنا تھا۔ برطانیہ کی کوشش تھی کہ جرمنی کی سربراہی میں اتحادیوں کو شکست دینے کیلئے کسی طرح امریکہ کو بھی میدان جنگ میں ملوث کر دے۔ اس مقصد کیلئے برطانیہ نے امریکی حکومت میں اثر و رسوخ رکھنے والے امریکی صیہونیوں سے فائدہ اُٹھایا۔ اس سیاسی لین دین میں برطانیہ نے وعدہ کیا کہ وہ یہودی حکومت کی تشکیل کیلئے صیہونیوں کی اس دیرینہ آرزو کی حمایت کرے گا۔

۴) فلسطین برطانوی سرپرستی میں: برطانیہ کی جانب سے فلسطین پر کنٹرول کرنے کیلئے بالفور اعلان (برطانیہ اور صیہونی اتحاد کا اعلان) کے 27 روز بعد برطانوی فوج جنرل "الن لی" کی قیادت میں بیت المقدس میں داخل ہوگئی۔ 24 اپریل 1920ء کو برطانیہ، فرانس، اٹلی، جاپان، یونان، بیلجیئم کی شرکت کے ساتھ اٹلی میں "سان ریمو" کانفرنس میں طے کیا گیا کہ شام اور لبنان کی سرپرستی فرانس اور اُردن، فلسطین اور عراق کی سرپرستی برطانیہ کے حوالے کر دی گئی۔

۵) برطانوی اہلکار کی فلسطین آمد: 30 جون 1920ء کو برطانوی یہودی "ہربرٹ سیموئیل" برطانوی حکومت کی جانب سے "اہلکار" کی حیثیت سے فلسطین پہنچا تاکہ وہاں پر ایک غیر فوجی حکومت تشکیل دے۔ حکومت کے اس انتخاب پر مسلمانوں کی جانب سے شدید اعتراض کیا گیا۔ اس نے واضح طور پر صیہونیوں کے ساتھ تعاون اور ان کی مدد کو اپنا مقصد بنایا اور اس نے فلسطین میں صیہونی حکومت کے قیام کیلئے زمینہ سازی کی۔

صیہونی پروٹوکول یا ان کے بنیادی اعتقادات:

صیہونیوں نے اپنے ناپاک ارادوں کو چند اصولوں کی صورت میں بیان کیا جو "پروٹوکول" کے نام سے معروف ہیں۔ پروٹوکول کے بنیادی نکات کی تشریح اور اس پر لکھے گئے مقدمہ کے مطالعہ سے تین بنیادی نکتے سامنے آتے ہیں۔

۱۔ آزادی پسند اصولوں پر فلسفی تنقید اور آمرانہ حکومت کی تعریف۔

۲۔ عالمی آمرانہ حکومت کے قیام کیلئے یہودیوں کو اطمینان دلانے کیلئے اجتماعی جنگ کا منصوبہ۔

۳۔ اس منصوبہ کے بنیادی نکات کو عملی جامہ پہنانے کیلئے پیشگوئی۔

یہودی منصوبہ بندی کو جامہ عمل پہنانے کیلئے صیہونی درج ذیل امور پر کام کرتے ہیں۔

۱۔ فلسطین پر قبضہ اور خطہ میں یہودیوں کو جمع کرنا۔

۲۔ عالمی صیہونی حکومت کے قیام کیلئے کوششیں۔

۳۔ اس ہدف تک پہنچنے کیلئے نسلی برتری کا خیال خام اور اس سیاسی نظریہ کو انجام دینے کا اعتقاد یہودیوں کا اسلحہ ہے۔

۴۔ ہر ممکن طریقے سے مذہبی اعتقادات اور ایمان اور درحقیقت تمام توحیدی ادیان خاص طور پر اسلام کو محو کر دینا، اگرچہ اس عمل کو ذہنی رنگ ہی دینا پڑے۔

کلی طور پر صیہونزم اپنے اہداف کے حصول کیلئے درج ذیل پروگرام پر عمل کرتا ہے۔لوگوں کے مذہبی اعتقادات کو مشکوک بنانا، مذہبی رہنماؤں کو راستہ سے ہٹانا، دہشت گردی، فریب کاری اور دھوکہ دہی، فحاشی کی ترویج، بے رحمی اور قتل وغارتگری، غیر اخلاقی حرکتوں کی تبلیغ، لوگوں کو عیش وعشرت میں مشغول کرنا، برائیوں کا فروغ، نمود و نمائش، لوگوں کو سیاسی مسائل سے دور کرنا، تفرقہ ڈالنا، جنگیں کروانا اور دوسرے ممالک پر قبضہ کرنا۔

صیہونیوں کی ہوس:

دوسرے ممالک پر اپنے اقتدار کی ہوس کو جائز قرار دینے کیلئے صیہونی "ارض موعود" کی حدود کے بارے میں، توریت میں جعلی باتوں کو دستاویز قرار دیتے ہیں۔ اسرائیل کی صیہونی حکومت کی پارلیمنٹ کے دروازہ پر لکھا ہے۔

"اے یہودیو! تمہارا وطن نیل سے فرات تک ہے"

صیہونی ہمیشہ اپنے اصلی مقصد کو خفیہ رکھتے ہیں یا گول مول انداز میں اس کو بیان کرتے ہیں مثلاً 1897ء سے 1946ء تک وہ لوگ کہتے رہے کہ ہم صرف یہودیوں کیلئے ایک مرکز چاہتے ہیں، حکومت نہیں اور کہتے تھے کہ ہم فلسطینیوں کو ہجرت پر مجبور نہیں کریں گے لیکن جب طاقت حاصل کر لی تو یہودی حکومت کا مطالبہ کر دیا۔

فلسطین سے برطانوی سرپرستی کا خاتمہ:

برطانیہ نے تقریباً تیس سال کے ظالمانہ تسلط اور تمام اہم امور صیہونیوں کو سپرد کرنے کے بعد 1947ء میں اعلان کر دیا کہ وہ 15 مئی 1948ء تک اپنی فوجیں فلسطین سے واپس بلالے، اسی لیے برطانیہ نے اقوام متحدہ سے اس مسئلہ کو حل کرنے کا مطالبہ کر دیا۔ صیہونیوں نے اقوام متحدہ کی تقسیم فلسطین پر مبنی قرارداد اور برطانیہ کی فوج کی واپسی کے اعلان کے بعد ان زمینوں پر حملہ کرنا شروع کر دیا جو قرارداد کے مطابق عربوں کے حصہ میں آنی تھی تاکہ برطانیہ کے نکلنے سے پہلے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی آئندہ حکومت کی سرحدوں کو پھیلا سکیں۔ یہ ناانصافی دیکھ کر عربوں نے اپنی جان اور وطن کا دفاع کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ صیہونی پہلے ہی سے تیار تھے۔ اس لیے انہوں نے جلد ہی حالات پر قابو پالیا۔

صیہونی حکومت کو تسلیم کرنا:

صیہونی حکومت کے اعلان کے فوراً بعد، امریکی صدر ٹرومین نے اسے باضابطہ طور پر تسلیم کر کے اس کی حمایت کا اعلان کر دیا اور اس کے بعد فوجی اور اقتصادی امداد کا سیل رواں امریکہ سے اسرائیل کی جانب بہنے لگا، اس حکومت کو تسلیم کرنے والا تیسرا ملک روس تھا جبکہ اس سے پہلے بھی اسٹالن نے صیہونیوں کی کافی مدد کی تھی۔ فلسطین پر قبضہ نہ صرف ایک اخلاقی جرم ہے اور کوئی حریت پسند اور آزاد فکر انسان کسی

ملت کو اس کے وطن سے نکال دینے کی حمایت نہیں کرسکتا بلکہ قانونی اور بین الاقوامی اصول کے مطابق بھی یہ عمل قابل دفاع نہیں ہے۔ بین الاقوامی قوانین کے مطابق کسی سرزمین کے حصول کی راہیں معین اور مشخص ہیں بنا بریں فلسطین پر قبضہ کرنے کیلئے صیہونیوں کے اقدامات اور دعوے کسی بھی بین الاقوامی قانون پر پورے نہیں اترتے اور اس حکومت کے تمام اقدامات غیر قانونی ہیں۔

امریکی پالیسی میں اسرائیل کی حمایت کی وجہ:

۱۔اسرائیل علاقہ کی حریت پسند تحریکوں کو کچلنے اور تفرقہ ڈالنے میں مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

۲۔سرد جنگ کے دوران اس خطہ میں امریکی فوجی چھاؤنی شمار ہوتا تھا۔

۳۔اسٹریٹجک معلومات حاصل کرنے کا مرکز ہے۔

۴۔امریکی اسلحہ کی آزمائش کیلئے مناسب جگہ اور امریکی فوج کے عسکری منصوبوں اور مختلف حالات میں ان کے انطباق کی صلاحیت کو پرکھنا۔

۵۔علاقہ کے امن کو خطرہ میں ڈال کر اسلحہ کی دوڑ پیدا کرنا۔

صیہونی حکومت کے قیام سے پہلے فلسطینی جدو جہد کا انداز:

اس دور میں فلسطینی جدو جہد کی بنیاد سیاست پر تھی اور جب اس طرح سے کسی نتیجہ پر نہیں پہنچے تھے تو مسلحانہ یا دوسرے طریقے اختیار کرنے تھے۔فلسطینیوں کا موقف اور ان کے مطالبات مختلف قومی کانفرنسوں کے ذریعے برطانوی حکومت تک پہنچ چکے تھے۔1919ء سے 1939ء تک آٹھ کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔فلسطینیوں کا ایک اور اقدام یہ تھا کہ انہوں نے برطانوی حکمرانوں سے مذاکرات کرنے،انہیں فلسطین کے حالات سے آگاہ کرنے اور اپنے قانونی حق کا مطالبہ کرنے کیلئے مختلف وفود کو برطانیہ بھیجا۔یہ اقدام بھی مکمل طور پر بے نتیجہ رہا۔ فلسطینی عوامی جدو جہد کا دوسرا حصہ منفی (مزاحمتی) جدو جہد پر مشتمل ہے جو درج ذیل شکلوں میں ظاہر ہوئی۔عام ہڑتالوں کیلئے کمیٹیوں کی تشکیل، جلسے اور جلوس،سرپرستی کے قوانین کی مخالفت،مسلح جدو جہد۔

صیہونی حکومت کے قیام کے بعد فلسطین کی جدو جہد:

برطانوی سرپرستی کے دور میں آزادی کی تحریکیں مختلف وجوہات کی بنا پر ناکام رہیں اور فلسطین کو صیہونی شر سے نجات نہ دلا سکیں۔ 1948ء میں اسرائیلی حکومت کے قیام کے بعد چند برسوں تک ملت فلسطین دہشت ناک،تنہائی،مایوسی اور بے وطنی کا شکار رہی اور ایسا لگتا تھا کہ جیسے یہ مسئلہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو چکا ہے،یہاں تک کہ عرب مسلمان عوام کے شدید دباؤ کی وجہ سے عرب سربراہی کانفرنس نے ایک وکیل "احمد الشقیری" جو عربوں کے درمیان فلسطین کا نمائندہ تھا کو مامور کیا کہ فلسطینی حکومت کی بنیاد ڈالنے اور اس ہدف کو حاصل کرنے کیلئے ایک تنظیم کے قیام کیلئے اقدام کرے۔شقیری نے عرب ممالک کے دورے کرنے کے بعد تحریک آزادی فلسطین کا دستور بنایا۔یہ تحریک

اپنے اصلی مقصد یعنی فلسطین کی آزادی کی بجائے دوسرے مسائل میں مشغول ہوگئی ،اسی لیے کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کرسکی اور جون 1967ء کی جنگ میں عربوں کی شکست کے بعد یہ تنظیم مکمل طور پر ختم ہوگئی اور اس کے بعض ارکان فلسطینی تنظیم "الفتح" کے پرچم تلے جمع ہوگئے جسے 1965ء میں یاسر عرفات اور بعض فلسطینی نوجوانوں نے تشکیل دیا تھا۔

1967ء سے 1970ء کے درمیان تقریباً 50 فلسطینی تنظیمیں وجود میں آئیں لیکن ان میں اکثر ارکان کی کمی اور وسائل کے فقدان کی وجہ سے یا تو بکھر کر رہ گئیں یا بڑی تنظیموں میں ضم ہوگئیں۔مختصر یہ کہ یہ تنظیمیں مختلف وجوہات کی بنیاد پر کوئی کارکردگی نہ دکھا سکیں اور درحقیقت فلسطینی مسلمانوں کی تحریک کی ایک وجہ یہی ناکامی اور سیاسی اور عسکری تنظیموں سے مایوسی تھی۔

انتفاضہ یا فلسطینیوں کا قیام:

مقبوضہ سرزمین پر فلسطینی مسلمانوں کا موجودہ قیام جسے ہاتھ میں پتھر والے جوانوں کا قیام بھی کہا جاسکتا ہے۔8 ستمبر 1987ء کو شروع ہوا جس نے کئی لوگوں کی قربانیوں کے باوجود،نصف صدی گزرنے کے بعد فلسطینیوں کو حملہ آور بنادیا اور اسرائیل کو دفاعی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔فلسطین کے اسلامی انقلاب کو مغربی پروپیگنڈہ مشینریوں کے زہریلے پروپیگنڈے کے باوجود دنیا کا اہم مسئلہ سمجھا گیا اور اس نے دنیا بھر کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کروالیا ہے۔یہ تحریک اس قدر اچانک شروع ہوئی کہ عالم استکبار کا کوئی رہنما،صیہونی حکومت اور فلسطینیوں کی قوم پرست اور بائیں بازو کی جماعتیں بھی اس کا اندازہ نہیں لگا سکتی تھیں۔

انتفاضہ کے اثرات اور نتائج:

فلسطینی مسلمانوں کو اس انتفاضہ کی مختصر مدت میں جو نتائج حاصل ہوئے ہیں وہ گزشتہ پوری جدوجہد کے حاصل شدہ نتائج سے زیادہ ہیں اور اس کی وجہ صرف اسلام اور فلسطینی مسلمانوں کا اسلامی انقلاب ہے۔انتفاضہ نے اسرائیلی معیشت پر بہت گہرے اثرات مرتب کئے ہیں کیونکہ انتفاضہ کو کچلنے کیلئے صیہونی حکومت کو اپنے بجٹ کا بہت بڑا حصہ خرچ کرنا پڑ رہا ہے۔دوسری طرف سے ملک گیر عام ہڑتالوں کی وجہ سے کارخانوں کی پیداوار میں غیر معمولی طور پر نمایاں کمی واقع ہوئی ہے۔سیاسی اعتبار سے،انتفاضہ کی وجہ سے لیکوڈ اور لیبر پارٹی کے درمیان کشیدگی پیدا ہوئی ہے۔یہ دو پارٹیاں اس بحران کو حل کرنے کے بارے میں اختلافات کا شکار ہیں،لیکوڈ پارٹی شدید ردعمل اور لیبر پارٹی میانہ روی اختیار کرنے پر زور دے رہی ہیں۔اس انتفاضہ نے اجتماعی اعتبار سے بھی صیہونی معاشرے پر بہت برے اثرات ڈالے ہیں۔اسرائیلی فوجیوں کا مورال گر رہا ہے اور ان کے درمیان خودکشی کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔دوسرے ممالک سے یہودیوں کا مقبوضہ فلسطین میں نقل مکانی کا عمل سست بلکہ دوسرے ملکوں کی طرف ہجرت کا آغاز ہوچکا ہے۔

انتفاضہ نے صیہونی حکومت کے خلاف خود اسرائیل کے اندر ایک محاذ کھول دیا ہے اور ہمسایہ ملکوں کو پہلے کی نسبت سکون اور اطمینان کا سانس لینے کا موقع ملا ہے۔انتفاضہ کی وجہ سے تمام مذہبی پارٹیوں نے اپنے اختلافات بھلا دیئے ہیں اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے

والے لوگ عوامی کمیٹیوں کی شکل میں متحد ہو چکے ہیں۔ ادھر یہودیوں کی آبادکاری کیلئے نئی آبادیاں بنانے کا عمل سست ہوا ہے اور حکومت مجبور ہوگئی ہے کہ صیہونیوں کی فلاح و بہبود کیلئے کام کرنے کی بجائے مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کرنے پر اپنی توانائیاں صرف کرے۔

حرکۃ المقاومۃ الاسلامیہ فی فلسطین (حماس):

حماس درحقیقت وہی "اخوان المسلمین فلسطین" ہے جس نے انتفاضہ شروع ہونے کے تقریباً سات مہینے بعد جون 1987ء میں اپنے قیام کا اعلان کیا۔ حماس، اخوان المسلمین کا عسکری بازو ہے جس کے رہنما غزہ کی پٹی میں اخوان المسلمین کے اہم رکن "شیخ احمد یٰسین" تھے۔ شیخ یٰسین کے پاؤں مفلوج تھے۔ انہیں کئی بار اسرائیلی حکومت نے گرفتار کیا اور 1985ء میں لبنان میں اسرائیل نے انہیں ٹارگٹ کلنگ میں شہید کر دیا۔ یہ تنظیم صیہونیوں کو فلسطین کی ایک انچ زمین دینے کو بھی تیار نہیں ہے اور صرف نہر اُردن کے مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کے علاقے کی بجائے فلسطین کو مکمل طور پر آزاد کرانا چاہتی ہے۔ یہ تنظیم صرف قوم پرستی کی مخالف ہے اور اسے فلسطینی کاز سے انحراف سمجھتی ہے، غزہ، نابلس، الخلیل، بیت المقدس اور نہر اُردن کے مغربی کنارے کے علاقوں میں حماس کے حامی بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔

اگرچہ حماس نے جہاد کو اپنے بنیادی اُصولوں میں جگہ دی ہے لیکن اس کی زیادہ تر سرگرمیاں لوگوں کو ہڑتال، جلوس، مظاہرے اور مزاحمتی جدوجہد وغیرہ کی دعوت ہے۔ چونکہ اس گروہ کی زیادہ تر سرگرمیاں مسجدوں، اسکولوں اور دوسرے عوامی مراکز میں ہے۔ اس لیے عوام میں اس کی جڑیں کافی مضبوط ہیں اور معمولی اشارے پر بھی مغربی کنارے کے علاقے اور غزہ کی پٹی میں ہڑتال کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

صیہونی حکومت کے قیام کے بعد عربوں کا موقف:

دوسری جنگ عظیم کے بعد ظاہر ہونے والے عالمی نظام کی ایک خاصیت دو قطبی ہونا تھا کہ دوسرے ملکوں خاص طور پر تیسری دنیا کے ممالک کی خارجہ پالیسی دو بڑی طاقتوں میں سے ایک کی تابع ہوا کرتی تھی۔ مشرق وسطیٰ میں، فلسطین کے بحران کے بارے میں بڑی طاقتوں کے فیصلوں کی وجہ سے یہ مسئلہ حل نہ ہوا اور صیہونیوں کو استحکام حاصل ہوا۔ اس مسئلہ کے حل نہ ہونے کی ایک اور وجہ عرب حکومتوں کا اپنے موقف پر عدم استحکام اور عزم و ارادہ کی کمزوری تھا۔ یہ ممالک مسئلہ فلسطین پر کوئی متحد پالیسی اختیار نہ کر سکے بلکہ بعض اوقات متضاد پالیسیوں پر عمل پیرا رہے۔ اُردن، مصر، شام اور لبنان، فلسطین کے ہمسایہ ممالک ہونے کی وجہ سے اہم کردار کے مالک تھے۔ جبکہ عراق سعودی عرب اور خلیج فارس کی دوسری عرب ریاستیں صرف زبانی مذمت یا زیادہ سے زیادہ مالی امداد کرنے پر اکتفا کرتے رہے۔

اسلامی انقلاب سے پہلے ایران اور مسئلہ فلسطین:

11 فروری 1979ء کو ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی سے صیہونی حکومت لرزہ براندام ہوگئی اور اس کیلئے نئی اور سخت مشکلات کھڑی ہوگئیں جبکہ اس انقلاب سے پہلے اسرائیل کیلئے ایران، مشرق وسطیٰ میں ایک اہم مرکز کی حیثیت رکھتا تھا اور صیہونی مخالف تحریکوں کو

کچلنے کا کام کیا کرتا تھا۔ ایران میں شاہ اور اسرائیل کی غاصب حکومت کے بڑے پیمانے پر سیاسی، اقتصادی، دفاعی اور فوجی تعلقات، علاقے میں مغربی مفادات کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ شاہ کی حکومت کے اسلام مخالف موقف کے برخلاف، مسلمان ایرانی قوم، بیدار علمائے دین کی قیادت میں، ابتداء ہی سے صیہونی حکومت کے قیام کی مخالفت اور دونوں ملکوں کے تعلقات سے متنفر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں آیت اللہ کاشانی نے حکومت اسرائیل کے قیام سے خبر دار کرتے ہوئے پہلا قدم اُٹھایا، انہوں شدید حکومتی دباؤ کے باوجود لوگوں کو 10 جنوری 1948ء کے دن فلسطین کے حق میں مظاہرے کرنے کی دعوت دی اور فلسطینیوں کی مالی امداد کیلئے بینک میں ایک اکاؤنٹ کھولا، اسی کے ساتھ فدائیان اسلامی نامی تنظیم نے شہید مجتبیٰ نواب صفوی کی قیادت میں پانچ ہزار رضا کاروں پر مبنی ایک دستے کو فلسطین بھیجنے کیلئے تیار کیا جس کی حکومت شاہ نے شدید طور پر مخالفت کی۔ آیت اللہ کاشانی کی اسرائیل اور برطانیہ مخالف جدوجہد میں شدت کو دیکھ کر حکومت نے انہیں لبنان جلاوطن کر دیا۔

امام خمینیؒ اور مسئلہ فلسطین:

شاہ کی منحوس حکومت کے خلاف امام خمینیؒ کی جدوجہد کا ایک سبب اسرائیل کا مسئلہ تھا۔ انہوں نے 1963ء ہی سے عالم اسلام اور ایران کیلئے اسرائیلی خطرے کو محسوس کر کے اس سے خبردار کرنا شروع کر دیا اور ایران کی سیاست، اقتصاد اور فوجی نظام میں نفوذ پیدا کرنے کیلئے اسرائیل کی سازشوں کو برملا بیان کیا۔ یہ بات دنیائے اسلام کے مسائل خصوصاً مسئلہ فلسطین پر آپ کی توجہ کی نشاندہی کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ آپ کی فکر صرف ایران کے اندرونی معاملات تک محدود نہیں تھی۔

امام خمینیؒ ترکی اور پھر عراق میں جلاوطنی کے دوران مختلف حوالوں سے مسئلہ فلسطین کے بارے میں اپنے موقف کا اظہار کرتے رہے اور اسی کی بنا پر حکومت شاہ کے خلاف ایرانی مسلمانوں کی تحریک کا ایک بنیادی عنصر فلسطین کی حمایت تھا۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ایران اور مسئلہ فلسطین:

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے ایک ہفتہ کے اندر ہی فلسطینی رہنماؤں نے ایران کا دورہ کیا۔ اسی دورہ میں امام خمینیؒ نے "آج ایران" اور "کل فلسطین" کہہ کر ایران کی خارجہ پالیسی کی ترجیحات کو معین کر دیا اور اس کے بعد سے "قدس کی آزادی" کی اس پالیسی نے عملی طور پر اسرائیل کیلئے بے پناہ مشکلات کھڑی کر دیں۔

فلسطینیوں کی حمایت میں ایران کے عملی اقدامات:

اسلامی جمہوریہ ایران نے اپنی خارجہ پالیسی کے اعلان کے علاوہ درج ذیل اقدامات انجام دیئے۔

۱۔ اسرائیلی سفارتخانہ کا خاتمہ: اسلامی جمہوریہ ایران مسئلہ فلسطین کو ایک اسلامی مسئلہ سمجھتے ہوئے، اس کی حمایت کو اپنی ذمہ داری شمار کرتا

ہے۔اس مسئلے میں پہلا قدم،تہران میں صیہونی سفارتخانہ کا خاتمہ کر کے اسے فلسطینی سفارت خانہ میں تبدیل کرنااور PLO کے نمائندے کو "سفینہ فلسطین" کا لقب دینا تھا کہ جسے ایران کا پہلا اہم سیاسی قدم کہا گیا۔

۲۔یوم القدس کا اعلان: امام خمینیؒ نے اس صیہونی مخالف تحریک کو آگے بڑھانے کیلئے،اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد پہلے ہی ماہِ رمضان میں جمعۃ الوداع کو "عالمی یوم القدس" کا نام دے دیا۔جس نے صیہونیوں کے خلاف چلنے والی تحریک کو نیا انداز دیا اور اسرائیل مخالف تحریک کو مقبوضہ علاقوں کے علاوہ پوری دنیا میں پھیلا دیا۔

۳۔انسان دوستی پر مبنی مالی امداد: اسلامی جمہوریہ ایران نے فلسطینیوں کی مالی امداد بھی کی ہے۔مستضعفین جہان اور مظلومین عالم کیلئے کی جانے والی یہ عوامی امداد ان کیلئے بہت موثر اور اہمیت کی حامل ہے۔خصوصاً موجودہ دور میں جبکہ انتفاضہ کی وجہ سے عرب حکومتوں کی جانب سے امداد بند ہو چکی ہے۔

۴۔سیاسی کوششیں: بلاشک وتردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ بین الاقوامی فورموں میں فلسطینیوں کی واحد حامی حکومت،اسلامیہ جمہوریہ ایران کی حکومت ہے اور فلسطینیوں کی مشکلات اور ان کے مسائل کو ان فورموں میں زیر بحث لانا اور ان کے حقوق کا دفاع کرنا، ان اقدامات کا حصہ ہے۔

۵۔نام نہاد امن منصوبوں کی مخالفت: صیہونی حکومت کی ماہیت کو اچھی طرح جاننے کی وجہ سے اسلامی جمہوریہ ایران نے ہمیشہ امن منصوبوں کے نام پر ہونے والی سازشوں کی مخالفت کی ہے۔جس کی وجہ سے کئی نام نہاد امن منصوبے ناکامی کا شکار بھی ہوئے ہیں البتہ اس کی وجہ سے ایران کو کافی دباؤ کا بھی سامنا ہے۔

فلسطینی تحریک پر اسلامی انقلاب کے اثرات:

بے شک مقبوضہ فلسطین نے اسلامی انقلاب کی کامیابی سے پہلے مختلف مکاتب فکر اور ان کی جدوجہد کے طریقہ کار کا تجزیہ اور ان کی ناکامی کا مشاہدہ کر لیا تھا۔انہوں نے اسلامی انقلاب سے جدوجہد کا نیا طریقہ سیکھا جس کے نتیجہ میں اعتماد کے ساتھ مذہب اور خدا پر توکل کے ہتھیار کے ساتھ فلسطین کی اس جدوجہد کو شدت کے ساتھ شروع کر دیا۔

اسلامی انقلاب کا دوسرا اہم اثر صیہونی حکومت کے ساتھ عرب حکمرانوں کی صلح کے اس سخت دور میں فلسطینی تحریک کا تسلسل ہے۔ مسلمانان فلسطین اس امید پر کہ اسلامی جمہوریہ ایران ان کا حقیقی حامی ہے، اپنی جدوجہد کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور اِن کی اس مقاومت نے تمام صہیونی سازشوں کو ناکام بنا دیا ہے۔

اقتباس از وصیت نامہ شہید علی منیف اشمر
(حزب اللہ لبنان)

اے امام زمانہ علیہ السلام!

میری تمنا یہ تھی کہ آپؑ کی رکاب میں جنگ کرتے ہوئے شہید ہوں اور وقت شہادت میرا سر آپ کی گود میں ہو

لیکن

اے میرے مولا علیہ السلام!

آپ کی غیبت کے طولانی ہونے اور آپ کے آباء و اجداد کے دیدار کے شوق نے مجھے بے چین کر دیا، میں صبر نہ کر سکا اور میں نے شہادت کو لبیک کہا۔

ہم امریکہ مردہ باد کیوں کہتے ہیں؟

آج تقریبا تمام مسلم دنیا میں امریکہ مردہ باد کا نعرہ حریت پسندوں کا شعار بن چکا ہے بلکہ یہ نعرہ مسلم دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ پوری دنیا کے باشعور اور باضمیر لوگ پوری شدت سے Down with USA کی پکار بلند کر رہے ہیں۔البتہ ہماری تنظیم (آئی ایس او پاکستان) کا یہ افتخار ہے کہ اس نے ایسے وقت میں یہ نعرہ بلند کیا جب معاشرے کی ایک بڑی اکثریت اس فہم سے عاری تھی حتی کہ سادہ لوح مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد امریکی سرمایہ اور سرپرستی میں لڑی جانے والی جنگ کو جہاد سے تعبیر کرتے ہوئے امریکہ کو مسیحا قرار دے رہی تھی۔ایسے میں ہمیں یہ افتخار ہے کہ ہم نے ابراہیم زمان خمینی بت شکن کے لاشرقیہ و لاغربیہ کے نعرے کو درک کیا اور یہ اعلان کیا کہ مسلم امہ کی نجات روس اور امریکہ دونوں کے چنگل سے نکل کر حقیقی اسلام کی راہ پر چلنے میں پنہاں ہے۔

امریکی جرائم کی تاریخ

امریکی جرائم کی تاریخ اتنی سنگین ہے کہ مشہور ادیب Mark Twoin اپنے خطوط میں لکھتا ہے کہ امریکہ کے جھنڈے کی سفید پٹیوں کو سیاہ اور ستاروں کو کھوپڑیوں (علامت ظلم) میں بدل دینا چاہیے

The white stripes should be painted black and the stars painted by the skull and cross bones

ریڈ انڈین کے خون سے لکھا جانے والا پہلا صفحہ:

کولمبس کے امریکہ دریافت کرنے کے بعد اس ملک کی تاریخ کا اولین صفحہ اس سرزمین کے مقامی باشندوں کے کشت و خون سے عبارت ہے۔کولمبس نے یہ فرمان جاری کیا

The best native is the dead one

بہترین مقامی باشندہ (Red Indian) مردہ ریڈ انڈین ہے ۔اور یوں اس وحشت ناک تاریخ کا آغاز ہوا۔مشہور تاریخ نگار H.C.Wells کے مطابق کولمبس کو دریافت کرنے کے بعد ایک صدی سے کم مدت میں 60 ہزار یا 6 لاکھ ریڈ انڈینز کا قتل عام کیا گیا۔

افریقی غلام ظالموں کے نرغے میں:

اپنی اس بربریت کے بعد سفید فام وحشی متوجہ ہوئے کہ وہ ایک ایسی قوم (Red indians) سے محروم ہو چکے ہیں جن سے وہ اپنی غلامانہ خدمت کرواسکتے تھے چنانچہ اپنی اس ہوس کو پورا کرنے کے لیے زوروزبردستی سے افریقی ممالک سے انسانوں کو لایا گیا اور انہیں ظالمانہ غلامی میں لیا گیا۔ The American pageant کے مصنف نے زندہ جلائے جانے اور بہیمانہ طریقے سے قتل کیئے جانے کے ان ہزاروں واقعات کا تذکرہ کیا ہے جو انسانی حقوق کی علمبرداراس نام نہاد قوم نے سیاہ فام افریقی غلاموں کے ساتھ کیئے۔

ہیروشیما وناگاساکی:

ہیروشیما اور ناگاساکی بربریت وبہیمیت کی اسی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہیں ۔6 اگست 1945ء کی صبح امریکہ کی طرف سے جاپان کے شہر ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹمی بم نے ایک لاکھ تیس ہزار بے گناہ لوگوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ یہ درندگی یہاں پر ختم نہیں ہوئی بلکہ اس سانحہ کے ٹھیک تین دن بعد 9 اگست کو دوسرا ایٹمی بم جاپان کے دوسرے شہر ناگاساکی پر گرایا گیا۔جس سے 75000 افراد جل کر مرگئے یا شدید زخمی ہوئے ۔سالہا بعد بھی ان مہلک بموں کی تابکاری کے اثرات کا شکار ہزاروں اپاہج اور مجروح دیکھے جاسکتے ہیں ۔

جنگ ویتنام امریکی تاریخ کا سیاہ باب (1961ء-1975ء):

امریکہ کی طرف سے مظلوم ویتنامی ملت پر مسلط کردہ یہ چودہ سالہ جنگ امریکہ کی تاریخ کا ایک اور سیاہ باب ہے ۔انقلابی ویتناموں نے امریکہ کے مکروہ اور بھیانک وجود کو اپنی سرزمین سے باہر نکالنے کے لیے اس چودہ سالہ اذیت بھری جنگ میں گیارہ لاکھ سے زائد جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

جنگ خلیج اول:

اس جنگ میں امریکہ نے پہلے انتہائی عیاری سے صدام سے کویت پر حملہ کروایا (بغداد میں مقیم امریکی سفیر نے صدام سے خصوصی ملاقات میں اسے کویت پر حملہ کے لیے سبز جھنڈی دکھائی) بعدازاں کویت اور عرب دنیا کے لیے مسیحا بن کر خلیج میں اپنی فوجوں کے ساتھ صدام سے جنگ کے بہانے ڈیرے ڈال دیے۔

☆اس جنگ میں امریکہ نے انتہائی درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے depleted uranium کے ذخائر کو استعمال کیا اور ہیروشیما سے 7.5 گنا زیادہ تابکار مواد عراق کی سر زمین پر برسایا جسکے نتیجے میں مجروح ہونے والے 90 ہزار عراقی فوجی محدود مدت کے اندر موت کے چنگل میں چلے گئے۔

☆جنگی بجٹ کے نام پر مسلم عرب دنیا سے 60 ارب ڈالر ہتھیا لئے۔

افغان جنگ:

طالبان جسے امریکہ نے خود ہی جنم دیا، کے خاتمے کے نام پر مظلوم افغانیوں پر جنگ مسلط کر دی گئی جو تا حال جاری ہے اس جنگ میں تا حال تقریباً ایک لاکھ شہری جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں

جنگ خلیج دوم:

صدام کو دیے گیے weapons of mass destruction کی تلاش کے نام پر یہ جنگ مسلط کی گئی یاد رہے یہ ہتھیار امریکہ نے ایران عراق جنگ کے دوران صدام حسین کو دیئے تھے تا کہ ایران کے نہتے عوام اور پاسداران انقلاب پر برسا کے ایران کو شکست سے دو چار کیا جا سکے اور یوں عراق کے تیل کے ذخائر تک آزادانہ رسائی کی دوسری کوشش کو عملی جامہ پہنایا گیا۔

ان جنگوں کے علاوہ سوڈان کی خانہ جنگی، ایران عراق جنگ، السالواڈور میں فوجی قتل عام اور اس طرح کے دیگر بھیانک واقعات امریکی CIA اور پینٹاگون کی سازشوں کے شاخسانے ہیں۔

اس سے بڑھ کر امریکی استعمار اسلامی ممالک کو ثقافتی و معاشرتی اعتبار سے فساد کا شکار کرنے کے لیے فحاشی کو عام کرنے میں مشغول ہے اس سلسلے میں امریکی ہالی ووڈ کا کردار علیحدہ بحث کا متقاضی ہے ایک پوری ثقافتی جنگ ہے جو مسلم معاشروں پر مسلط کر دی گئی ہے۔

ملک عزیز پاکستان کو سیاسی، اقتصادی و ثقافتی اعتبار سے برباد کرنے میں امریکی کردار ملک کی ساٹھ سالہ تاریخ میں ہر باشعور کے لیے روشن ہے۔ فوجی حکومتیں مسلط کرنا، فرقہ واریت کو فروغ دینا، لسانی تحریکوں کی پس پردہ حمایت کرنا اس کے واضح مصداق ہیں۔ اسی طرح اقتصادی اعتبار سے پاکستان کو تباہ کرنے کیے لیے کٹھ پتلی حکمرانوں کے ذریعے جاری کردہ پالیسی ملک کو کمزور سے کمزور کیے جا رہی ہیں۔

گو کہ آج کے معاشرے میں ہمارا یہ موقف اجنبی نہیں رہا اور معاشرے کی بڑی تعداد اس کی تائید کر رہی ہے اس کے باوجود اس نعرے کے اطراف میں چند توضیحات ضروری ہیں تا کہ نام نہاد روشن فکر جن کج دلائل سے اس نعرے کو دبانا چاہتے ہیں ان کی راہ روکی جا سکے۔

اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں سے چشم پوشی!!

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ نعرہ لگا کر اپنی معاشرتی خرابیوں اور کمزوریوں سے فرار کیا جاتا ہے اور یہ کہہ کر کہ ہماری تباہی کا ذمہ دار امریکہ ہے ہم اپنی کوتاہیوں سے چشم پوشی کر رہے ہیں ان حضرات سے جواباً ہم دو گزارشات کرنا چاہیں گے۔

1۔ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہر معاشرہ وملت اپنی تقدیر اور سرنوشت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور وہ کسی کو الزام دے کر خود کو بری الذمہ نہیں کر سکتا۔ اور جب کوئی استعمار کسی ملت کو سرنگوں کرنا چاہتا ہے اور اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے تو اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اسی ملت کے خائنوں کو خرید کر اپنا آلہ کار بناتا ہے۔ اسی لیے ہم ہمیشہ فرقہ واریت، لسانیت جیسی اپنی معاشرتی امراض (کمزوریوں) کو ختم کرنے کی بات کرتے ہیں اور انہیں اپنے ملک کی کمزوری کا سبب سمجھتے ہیں اور اسی طرح ان خائنوں کو بے نقاب کرنے کی بات بھی کرتے ہیں جو استعمار کے آلہ کار بن کر اس کے مقاصد کی تکمیل کرتے ہیں خواہ وہ حکمران ہوں، فرقہ وارانہ ولسانی تنظیموں کے سربراہ ہوں یا بے راہ روی اور فحاشی کو فروغ دینے والا میڈیا یا NGOs ہوں۔

2۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ محض اپنی کمزوریوں کی اصلاح اور آلہ کاروں کو بے نقاب کرنا کافی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ضروری ہے کہ وہ مرکز فساد جو ان کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتا ہے (بلکہ ہماری رائے میں جو ان کمزوریوں میں سے بہت سی کو خود پیدا کرتا ہے) کو طشت از بام کرنا ضروری ہے کیونکہ ایسا نہ کرنا گویا ایسا ہی ہے کہ ہم ایک کشتی میں سوار ہوں ہم دیکھ رہے ہوں کہ ایک شخص مسلسل کشتی میں سوراخ کر رہا ہے ہم بجائے اس شخص کو اٹھا باہر پھینکنے کے خلوص دل کے ساتھ سوراخ بند کرنے میں مصروف ہو جائیں۔ ایسے خلوص پر ہمارا اسلام۔

نعروں سے کیا بنتا ہے!!

ان لوگوں کی طرف سے دوسری بات یہ کی جاتی ہے کہ کسی کو مردہ باد کے نعرے لگانے سے کچھ نہیں بنتا اس سے محض اپنے دل میں لگی آگ تو بجھ سکتی ہے دشمن کا کچھ نہیں بگڑ سکتا۔

ا۔ پہلی اصلاح جو ہمارے ان نادان دوستوں کو کرنی چاہیے وہ یہ ہے کہ "نعروں سے کیا بنتا ہے" کی بجائے "محض نعروں سے کیا بنتا ہے" کی بات سے جزوی طور پر اتفاق کریں اور یہ ہمارا بھی نظریہ ہے کہ محض نعرے قوموں کی تقدیر نہیں بدل سکتے۔

البتہ!

☆ نعرے قوموں کے اہداف کے ترجمان ہوتے ہیں۔ عوام کو رخ اور سمت سے آگاہ کرتے ہیں۔

☆ نعرے جذبوں کی ترجمانی کرتے ہیں وہ پاکیزہ اور سچے جذبات جو قوموں کو اپنے اہداف تک پہنچانے کے لیے قوت حیات ہیں۔

☆ نعرے دشمن کو بے نقاب اور رسوا کرتے ہیں۔

☆ ایک نعرہ ایک مومن کے لیے ایک ابتدائی درجہ سے ظلم کی مخالفت کا آغاز ہے (زبان سے مخالفت) تا کہ انتہائی درجہ کی مخالفت کی راہ ہموار ہو سکے۔

لٰہذا

ہر پاکستانی
ہر مسلمان اور
ہر باضمیر انسان یہ کہنے میں حق بجانب ہے

مردہ باد مردہ باد امریکہ مردہ باد
مردہ باد مردہ باد امریکہ مردہ باد

ہم اسرائیل مردہ باد کیوں کہتے ہیں؟

دوسری جنگ عظیم میں سلطنت عثمانیہ کی شکست کے بعد فلسطین کا تاریخی اور مذہبی اہمیت کا منطقہ برطانیہ کے زیر تصرف آ گیا۔ بوڑھے برطانوی استعمار نے عالم اسلام کے قلب میں اسرائیل کے ناسور کو ایک خنجر کی مانند پیوست کرنے کی منصوبہ بندی پر عمل درآمد کا باقاعدہ آغاز 1939ء سے کیا اور اس عمل میں تمام اخلاقی اور قانونی حدود کو پامال اور برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ کیے گئے وعدے کو توڑتے ہوئے 1948ء میں اسرائیل کے باقاعدہ قیام کے تمام تر امکانات فراہم کر دیئے۔ امریکہ اور برطانیہ دنیا بھر سے یہودیوں کو مظلوم ظاہر کرتے ہوئے ان کیلئے نئے وطن یعنی فلسطینیوں کی سرزمین پر اسرائیل کے قیام کیلئے راہ ہموار کرتے رہے۔ بلکہ دوسری طرف مسلح یہودی تنظیموں کے ذریعے فلسطینیوں کے قتل عام اور بربریت کے ناقابل بیان واقعات کے ذریعے فلسطینیوں کو ان کی سرزمین سے بے دخل کرنے کا عمل جاری رہا۔ ھگانہ، پالمچ، ارگون اور مسٹرن نامی مسلح یہودی دہشت گرد تنظیموں نے ہزاروں فلسطینیوں کو اس وقت قتل کر دیا جب مرد کھیتوں میں کام کر رہے ہوتے تھے۔ بعد ازاں بچ جانے والے فلسطینیوں کو اکٹھا کھڑا کر کے گولی مار دی جاتی۔ اس کے باوجود بچ جانے والوں کو یروشلم کے باب دمشق کے باہر عبرت کا نشانہ بنا دیا جاتا تاکہ فلسطینی ہجرت کریں اور اسرائیل کا قیام ممکن ہو۔ 1948ء سے 1953ء کے درمیان تعمیر ہونے والی 370 یہودی بستیوں میں سے 350 تازہ بے گھر کردہ فلسطینیوں کی سرزمین پر تھیں۔

ان تمام دہشت گرد تنظیموں کو جدید اسلحہ امریکہ، برطانیہ اور بعض دیگر یورپی ممالک نے فراہم کیا۔ یوں چودہ مئی 1948ء کو انسانیت کے نام پر بڑا دھبہ یعنی اسرائیل کے قیام کا باقاعدہ اعلان کرتے ہوئے عالمی انسانی حقوق کا قتل عام بھی کر دیا گیا۔ اسرائیل کی بنیاد 3 لاکھ فلسطینی بچوں اور عورتوں اور مردوں کے قتل عام، بے حرمتی اور بے گھر کر دینے جیسے جرائم پر رکھی گئی اور آج تک اسرائیل نے انسانیت کے خلاف جن جرائم کا ارتکاب کیا ہے ان کو قلم بیان کرنے سے عاجز ہے۔ 1946ء سے 1948ء کے دورانیے میں فلسطینی قتل عام اور عورتوں کی بے حرمتی کے واقعات ہوں یا 1949ء، 1973ء اور 1978ء کی عرب اسرائیل جنگوں میں مظلوم فلسطینیوں کی نسل کشی کے ناقابل بیان جرائم، دیر یاسین کے گاؤں میں فلسطینیوں کے بدنوں اور روحوں کو گھائل کرنے کے واقعات ہوں یا صبرا و شاتیلا کے کیمپوں میں ہونے والے قتل عام کی اندوہ ناک داستانیں یہ سب امریکہ، اقوام متحدہ کی مجرمانہ خاموشی اور اسرائیل کی وحشیانہ کارروائی کا براہ راست نتیجہ

تھی۔ 15 مئی 1948ء کو امریکہ وہ پہلا ملک بنا جس نے اسرائیل کو تسلیم کیا اور تا حال امریکہ واحد ملک ہے جس نے درجنوں مرتبہ اقوام متحدہ کے فورم پر اسرائیل کے خلاف پیش ہونے والی قراردادوں کو ویٹو کر کے ناجائز وجود اسرائیل کا تحفظ کیا۔ جب کہ یورپ اس معاملہ میں اس کے ساتھ رہا۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے برعکس اسرائیل نے قبلہ اول بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے منطقہ یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت قرار دیا۔ آج ہجرت کر جانے والے فلسطینیوں کی کل تعداد مقبوضہ فلسطین (اسرائیل) اور غزہ و مغربی کنارے کے فلسطینیوں کی مجموعی تعداد 3 گنا زیادہ ہے۔ کم از کم 50 فیصد پانی کے ذخائر آج بھی فلسطینیوں کے رہائشی علاقوں میں ہیں لیکن ان کا 90 فیصد پانی اسرائیل استعمال کرتا ہے۔ خطے میں سب سے زیادہ امریکی امداد وصول کرنے والی ناجائز ریاست اپنے تمام پڑوسی ممالک سے جنگ کر کے عالمی قوانین کو پامال کر چکی ہے۔ خود قبول کردہ اوسلو معاہدے کے تحت نئی یہودی بستی کی ممانعت کے باوجود ہر روز فلسطینی سرزمین پر یہودی بستیاں بنائی جا رہی ہیں۔ پچاس سال سے کم عمر کے فلسطینی کو مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اپنی سرزمین پر بے گھر فلسطینیوں کو بدترین تزہیک اور ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ مقبوضہ اسرائیل کے اندر 20 لاکھ فلسطینی خط غربت سے نیچے اور بدترین نفرت کا شکار زندگی بسر کر رہے ہیں۔

دوسری طرف مسجد اقصیٰ کے انہدام کی تیاریاں مکمل ہیں اور اس کے نیچے زیر زمین سرنگیں تعمیر کر کے ہیکل سلیمانی کا خواب دیکھا جا رہا ہے۔ اسرائیلی بزعم خود دریائے فرات تک کے علاقے کو سرزمین موعود سمجھتے ہوئے قبضہ کا خواہاں ہے لیکن اسلامی بیداری کی حالیہ لہر جس کی بنیاد انقلاب اسلامی ایران نے رکھی اور آج جس کا آغاز تیونس اور مصر سے ہوا، نے ناپاک اسرائیلی عزائم کے راستے میں رکاوٹ کھڑی کر دی ہے۔ 2006ء کی جنگ میں اسرائیل نے لبنانیوں کا قتل عام تو کیا لیکن حزب اللہ نے اسرائیل کو ناکوں چنے چبوا کر شکست فاش دی۔ غزہ میں عوامی حمایت سے برسراقتدار حماس کی حکومت نے بدترین مسلط کردہ اسرائیل جنگ کا مقابلہ کیا اور آج ان کا عزم اسرائیلی ٹینکوں کے مقابلے میں قوی تر نظر آ رہا ہے۔ اسرائیل کے قیام کے لیے یورپ کا سب سے بڑا جواز جرمن ہٹلر کے ہاتھوں یہودی قتل عام (ہولوکاسٹ) کا مفروضہ ہے جن کے عوض میں وہ ان کو فلسطین میں علیحدہ وطن دینا چاہ رہے تھے۔ آزادی اظہار رائے کے حامل کئی مغربی ممالک میں اس ہولوکاسٹ کے مفروضے پر تحقیق کرنا تعزیری جرم ہے اور یورپ یہ بتانے سے قاصر ہے کہ یورپی جرائم کی سزا فلسطینی مسلمان کیوں بھگتیں؟ یقیناً عالم اسلام کے قلب میں اسرائیل کا قیام مسلمانوں کی دولت، عزت، حرمت، وقار اور مستقبل کو تباہ کرنے کے ہمہ جہت منصوبے کا اہم حصہ ہے۔

اسرائیل کے قیام کے اول روز سے آج تک اس کے وجود کا ناجائز ہونا ثابت ہے جبکہ دنیا بھر میں اسرائیلی اقدامات نے اسے تمام مہذب دنیا کی نگاہ میں قابل نفرت بنا دیا ہے۔ پڑوسی عرب ممالک میں جنگوں کا معاملہ ہو یا یورپی قوانین کو پامال کر کے جاسوسی، مقاصد حاصل کرنے کے معاملات، دبئی میں فلسطینیوں کی ٹارگٹ کلنگ ہو یا عراقی ایٹمی ری ایکٹر کی تباہی، جنوبی لبنان کے بعض علاقوں پر تا حال قبضے کا معاملہ ہو یا گولان کی پہاڑیوں پر ناجائز تصرف، ہر روز فلسطینیوں کا قتل عام ہو یا غزہ کا بدترین محاصرہ، مصر کے انقلاب کو روکنے کی سازش ہو یا ایران میں ایٹمی سائنسدانوں کی ہلاکت میں ثابت شدہ معاونت، اسرائیل عالمی قوانین، انسانی حقوق اور عدل و انصاف کا قاتل اور بدترین مجرم ہے۔

قائد اعظم محمد علی جناح ان عالمی رہنماؤں میں اول ہیں جنہوں نے فلسطین پر اسرائیلی ناجائز قبضے کی مخالفت کی۔ اسرائیل کا کشمیر میں مسلمانوں کو کچلنے کیلئے انڈین آرمی کو مہیا کردہ مدد اور پاکستانی ایٹمی تنصیبات پر ہندوستان کی معاونت سے خطرناک حملہ کی منصوبہ بندی بھی ثابت شدہ حقیقتیں ہیں۔ بقول آیت اللہ موسیٰ صدر، اسرائیل شر مطلق ہے کہ جس سے کسی خیر کے وقوع پذیر ہونے کا امکان ہی نہیں ہے۔

امام خمینیؒ نے رمضان کے آخری جمعہ کو "یوم القدس" قرار دے کر اسے بین الاقوامی مسئلہ بنا دیا ہے جبکہ آئی ایس او نے 16 مئی کو یوم مردہ باد امریکہ کی رسم شروع کر کے اسرائیل سے نفرت کے اظہار کا عملی موقع مہیا کیا ہے۔ اسرائیلی مظالم، اس کا بین الاقوامی کردار، انتفاضہ کا جاری رہنا، مضبوط حزب اللہ، بدلتا مصر، اور بدلتے عالمی حالات بالخصوص اسلامی بیداری کی حالیہ لہر اور رہبر عظیم الشان سید علی خامنہ ای کی درست، بابصیرت اور بروقت رہنمائی وہ حقیقتیں ہیں جو اسرائیل کے عنقریب صفحہ ہستی سے مٹ جانے کی دلیل ہیں۔ اور یہ اب صرف وقت کا معاملہ ہے کہ کب اسرائیل اپنے فطری زوال کی عملی شکل دیکھتا ہے۔ بیان کیے گئے اسرائیلی مظالم و جرائم فقط مشتِ از خروار ہیں ورنہ تلخ حقیقتوں کے سلسلے بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔

کتب اربعہ کا تعارف

(۱) کتاب الکافی

مشہور شیعہ محدث ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینیؒ (متوفی ۳۲۹ھ) کی کتاب ''الکافی''، کتب اربعہ میں پہلی کتاب شمار ہوتی ہے۔

ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینیؒ تیسری صدی ہجری میں ''قدیم رے'' کے ایک گاؤں ''کُلین'' میں پیدا ہوئے۔ اُن کا گھرانہ اپنے علاقے میں علم و فضل کے لحاظ سے ایک معروف خاندان تھا۔ محمد بن یعقوب بعد میں اپنے اسی علم فضل کی بنا پر ثقۃ الاسلام، رئیس المحدثین اور بغدادی کے القاب سے مشہور ہوئے۔ اُن کی صحیح تاریخ پیدائش مشخص نہیں لیکن بعض تاریخی قرائن سے پتا چلتا ہے کہ وہ امام زمانہ (عج) کی ولادت کے زمانے سے انتہائی قریبی زمانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہم اُن کی تاریخ پیدائش کو تقریباً ۲۵۵ ہجری کے قریب قرار دے سکتے ہیں کلینیؒ نے ایک علمی خاندان میں آنکھ کھولی ہے اُن کے والد یعقوب، ماموں ابوالحسن علی بن محمد المعروف علان اور محمد بن عقیل کلینی کہ جو عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانے میں بزرگ شیعہ علماء میں شمار ہوتے تھے۔

علم حدیث میں شیخ کلینی علیہ الرحمہ کی کتاب ''الکافی'' دنیائے اسلام کی اہم ترین کتاب ہے۔ یہ کتاب تین جدا حصوں پر مشتمل ہے:

۱۔اصول ۲۔فروع ۳۔روضہ

اصول کافی:

اس حصے میں درج ذیل ابواب کے تحت احادیث جمع کی گئی ہیں:

کتاب عقل و جہل، کتاب فضل علم، کتاب توحید، کتاب امامت، کتاب ایمان و کفر، کتاب دعا، کتاب فضیلت قرآن۔

فروع کافی:

کتاب کافی کا دوسرا حصہ فروع الکافی ہے جس میں فقہی مسائل سے متعلق روایات ہیں۔ فروع کافی کے اہم ابواب میں کتاب طہارت،

کتاب نماز، کتاب روزہ، کتاب حج، کتاب جہاد، کتاب نکاح، کتاب طلاق، کتاب ارث ۔۔۔شامل ہیں۔

روضۃ کافی:

کتاب کافی کا تیسرا حصہ روضہ کافی کے نام سے معروف ہے جس میں مختلف موضوعات سے متعلق روایات بغیر کسی خاص نظم وترتیب کے ذکر کی گئی ہیں۔نمونہ کے طور پر ذیل کے عناوین ملاحظہ کریں:

ا۔بعض آیات قرآن کی تفسیر وتاویل۔ ۲۔ائمہ معصومینؑ کے وصایا ومواعظ۔ ۳۔بیماریاں اور اس کا علاج۔ ۴۔خواب اور اس کی قسمیں۔ ۵۔تخلیق کائنات کی کیفیت اور بعض موجودات۔ ۶۔بعض بزرگ انبیاء کی تاریخ۔ ۷۔شیعوں کے فضائل ووظائف۔ ۸۔صدر اسلام کی تاریخ اور خلافت امیر المؤمنینؑ سے متعلق بیانات۔ ۹۔حضرت امام مہدی عجؑ اور ان کے اصحاب کی صفات اور زمانہ ظہور کے حالات۔ ۱۰۔بعض اصحاب واشخاص جیسے ابوذر، سلمان، جعفر طیار، زید بن علی وغیرہ کی تاریخ زندگی۔

(۲) کتاب من لایحضرہ الفقیہ

کتب اربعہ حدیث میں سے دوسری کتاب ’’من لا یحضرہ الفقیہ‘‘ ہے کہ جس کے مولف چوتھی صدی ہجری کے ایک ممتاز شیعہ مجتہد شیخ صدوق علیہ الرحمہ ہیں۔اس کتاب کو حدیث اور فقہ کے اہم ترین منابع میں شمار کیا جاتا ہے۔محمد بن علی بن حسین بن بابویہ قمی المعروف ’’شیخ صدوق‘‘ ۳۰۵ھ میں قم کے ایک علمی ومذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔شیخ طوسیؒ اُن کی ولادت کے بارے میں لکھتے ہیں: علی بن بابویہ نے اپنی چچازاد سے شادی کی لیکن اس سے اُن کی کوئی اولاد نہیں ہوئی ،اُنہوں نے ایک خط کے ذریعے امام زمانہ(عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف)کے نواب خاص شیخ ابو القاسم حسین بن روح کو لکھا اور اُن سے درخواست کی کہ وہ حضرت بقیۃ اللہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کی خدمت میں دعا کی درخواست کریں کہ خدا اُن کو نیک، صالح اور فقیہ وعالم اولاد عطا کرے۔

کچھ عرصے بعد اُنہیں امام زمانہ علیہ السلام کی جانب سے یہ جواب ملا: تم اس بیوی سے صاحب اولاد نہیں ہو گے لیکن بہت جلد تمہیں ایک دیلمیہ کنیز ملے گی کہ جس سے تمہارے دو فقیہ فرزند متولد ہو نگے‘‘۔شیخ صدوقؒ نے بھی اپنی ولادت کا یہ واقعہ اپنے والد کی زبانی اپنی کتاب ’’کمال الدین‘‘ میں ایک حدیث کی صورت میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ جب بھی ابو جعفر محمد بن علی الاسود، مجھے حصول علم کے لئے اپنے اساتذہ کے حضور دیکھتے تو فرماتے تھے:’’تمہارے اندر علم ودانش کی طرف یہ میلان اور اشتیاق باعث تعجب نہیں چونکہ تم امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی دعا سے پیدا ہوئے ہو‘‘۔

اس کتاب کا موضوع فقہی اور شرعی احکام کے بارے میں اہل بیت اطہار علیہم السلام سے نقل ہونے والی روایات ہیں کہ جس کو شیخ نے مختلف فقہی ابواب کے تحت اس کتاب میں جمع کیا ہے۔اس کتاب میں شیخ صدوق نے وہ فقہی روایات جمع کی ہیں کہ جو اُن کی نظر میں صحیح اور معتبر تھیں۔

یہ کتاب بہت سے فقہی مباحث وموضوعات پر مشتمل ہے جن میں سے اہم ترین موضوعات یہ ہیں:

۱۔پانی،طہارت اور نجاست

۲۔نماز کے واجبات اور مقدمات (وضو،غسل اور تیمم)

۳۔احکام اموات

۴۔احکام نماز

۵۔احکام قضاوت

۶ ۔مکاسب

۷۔احکام از دواج و اِرث

(۳) کتاب تہذیب الاحکام

اس کتاب کے مصنف شیخ طوسیؒ کو شیعہ محدثین میں اہم مقام حاصل ہے ۔اس کتاب کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

تہذب الاحکام" کافی " من لا یحضرہ الفقیہ " کے بعد کتب اربعہ میں سے تیسری اہم کتاب ہے ۔ یہ کتاب شیخ مفید علیہ الرحمہ کی کتاب" المقنعہ " کی شرح کے طور پر لکھی گئی ہے جس کی روایات کی تعداد ۱۳۵۹۰ ہے جو " طہارت" سے لے کر " دیات " تک "۳۹۳ فصلوں (فقہی کتابوں) پر مشتمل ہے۔

شیخ طوسی علیہ الرحمہ فقط ایک محدث ہی نہیں تھے بلکہ اسلامی علوم کے دوسرے شعبوں منجملہ علم کلام،فقہ،اُصول فقہ ،رجال اور تفسیر پر بھی اُنہیں عبور حاصل تھا لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تہذیب الاحکام میں فقط موضوع سے متعلق روایات نقل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ فقہی اور اُصولی قواعد و ضوابط پر بھی روایات کو پرکھتے ہیں لہٰذا وہ فقہی روایات کہ جن کے درمیان ظاہری اختلاف پایا جاتا ہے ان کے درمیان علمی قواعد کی رو سے اس اختلاف اور تناقض کا حل پیش کرتے ہیں اور پھر اُن میں جمع کرتے ہیں ۔تہذیب الاحکام کی تدوین کا بڑا مقصد موافق و مخالف روایات کا ذکر کر کے اُنہیں جمع کرنے کا راستہ تلاش کرنا تھا جس میں شیخ طوسی بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں اور یہ چیز اس کتاب کی بہت بڑی خصوصیت ہے۔شیخ طوسیؒ نے کوشش کی ہے کہ کسی بھی روایت کی سند پر تنقید کرتے ہوئے اُسے رد نہ کیا جائے تاکہ متعارض روایات کے درمیان ہم آہنگی برقرار کی جا سکے۔اس لئے تہذیب الاحکام کو ہم شیخ طوسی کے علمی مقام و منزلت کی وجہ سے ایک خاص نظر سے دیکھتے ہیں چونکہ اس کتاب میں بعض ایسی خصوصیات ہیں کہ جو کسی دوسری کتاب میں نظر نہیں آتیں ۔اس کی سب سے بڑی وجہ شیخ کا فقہ اور اُصول میں ماہر ہونا ہے۔

۴) کتاب الاستبصار

یہ کتاب" الاستبصار فیما اختلف من الاخبار" شیخ الطائفہ،ابوجعفر محمد بن حسن المعروف شیخ طوسیؒ کی علم حدیث میں دوسری بڑی تالیف ہے ۔اس کتاب کا موضوع اہلبیتؑ سے منقول اختلافی احادیث ہیں (ایسی روایات کو جو آپس میں اختلاف رکھتی ہوں) ۔شیخ طوسیؒ نے اس

کتاب میں مختلف فقہی موضوعات میں نقل ہونے والی روایات جمع کی ہیں ۔ یہ کتاب تہذب الاحکام کے بعد تین جلدوں میں لکھی گئی ہے ۔ جلد اول و دوم" عبادات" کے بارے میں جبکہ تیسری جلد" عقود و ایقاعات" اور دوسرے فقہی ابواب کے متعلق ہے لیکن جدید اشاعت میں یہ کتاب چار جلدوں میں چھپی ہے ۔ یہ کتاب ۱۹۲۵ ابواب اور ۵۵۱۱ روایات پر مشتمل ہے اور کتب اربعہ میں چوتھی کتاب شمار ہوتی ہے ۔ ہر فقیہ اور مجتہد کیلئے ضروری ہے کہ وہ شرعی احکام کے استنباط کے وقت اس کتاب کی طرف رجوع کرے ۔ چونکہ اس کتاب کا شمار شیعوں کی چار اہم کتابوں،" کافی" ،"من لا یحضرہ الفقیہ" اور" تہذیب الاحکام" کی صف میں ہوتا ہے جن کے بغیر فقہ اہل بیتؑ میں استنباط اور اجتہاد مکمل نہیں ہوسکتا۔ کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب شیخ طوسیؒ نے تہذب الاحکام کے بعد بعض اہل علم دوستوں کی درخواست پر لکھی ہے اور تہذیب الاحکام کا خلاصہ ہے ۔استبصار تمام فقہی ابواب پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس میں فقط اُن ابواب کو لایا گیا ہے جن میں مخالف روایات نقل ہوئی ہیں لیکن ابواب کی ترتیب فقہی کتابوں کے مطابق ہی ہے یعنی کتاب طہارت سے شروع ہو کر کتاب دیات پر ختم ہوتی ہے، دوسرے الفاظ میں اس کتاب کا موضوع فقط وہ ابواب فقہ ہیں جن کے بارے میں روایات میں ظاہری اختلاف پایا جاتا ہے جس کو شیخ علیہ الرحمۃ نے علمی طریقے سے حل کیا ہے ۔

شہید مصطفی چمرانؒ کا اپنی والدہ کے نام خط

اے مادر عزیز!

جب میں آپ سے وداع کر کے امریکہ جا رہا تھا تو آپ نے ایئر پورٹ پر مجھے نصیحت فرمائی تھی کہ بیٹا جہاں بھی رہنا ہمیشہ خدا کو یاد رکھنا، باقی ہمیں تم سے کچھ نہیں چاہیئے۔

اے مادر عزیز!

آج جب میں ۲۲ سال کے بعد وطن عزیز واپس آیا ہوں تو آپ کو اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ اس عرصہ میں، میں ایک لحظہ کیلئے بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں رہا، ہمیشہ یاد خدا کو اپنا نصب العین بنا کر رکھا اور خدا کا عشق میرے وجود میں حیات کا باعث بنا رہا۔

شبہات کے جوابات

سوال: رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات پڑھتے وقت کیوں آل کا اضافہ کرتے ہیں اور: اللّٰھم صل علی محمد وآل محمد کہتے ہیں؟

جواب: یہ ایک مسلم اور قطعی بات ہے کہ خود پیغمبر اکرمؐ نے مسلمانوں کو درود پڑھنے کا یہ طریقہ سکھایا ہے جس وقت یہ آیہ شریفہ:

إِنَّ اللهَ وَ مَلائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۱)

نازل ہوئی تو مسلمانوں نے آنحضرتؐ سے پوچھا: ہم کس طرح درود پڑھیں؟

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "لا تُصلّوا عليَ الصلاة البتراء" مجھ پر ناقص صلوات مت پڑھنا" مسلمانوں نے پھر آنحضرتؐ سے سوال کیا: ہم کس طرح درود پڑھیں؟ پیغمبر خداؐ نے فرمایا کہو: اللھم صلِّ علی محمد و آل محمد۔(۲)

اہل بیتؑ قدر و منزلت کے ایک ایسے عظیم درجہ پر فائز ہیں جسے امام شافعی نے اپنے ان مشہور اشعار میں قلمبند کیا ہے:

یاأهل بیت رسول الله حبُکم	فرض من الله في القرآن انزله
کفاکم من عظیم القدر أنکم	مَن لم یصلِّ علیکم لاصلاة له

ترجمہ: اے اہل بیت پیغمبرؐ آپ کی محبت کو خدا نے قرآن میں نازل کر کے واجب قرار دے دیا ہے۔ آپ کی قدر و منزلت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ جو شخص بھی آپ پر صلوات نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔(۳)

سوال: اذان میں أشهد أن علیًا ولي الله کیوں کہتے ہیں اور حضرت علیؑ کی ولایت کی شہادت کیوں دیتے ہیں؟

جواب: بہتر ہے کہ اس سوال کے جواب میں درج ذیل نکات کو مدنظر رکھا جائے:

۱۔ تمام شیعہ مجتہدین نے فقہ سے متعلق اپنی استدلالی یا غیر استدلالی کتابوں میں اس بات کو صراحت کیساتھ بیان کیا ہے کہ ولایت علیؑ کی شہادت اذان اور اقامت کا جزء نہیں ہے اور کسی بھی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ولایت علیؑ کی شہادت کو اذان اور اقامت کا جزء سمجھ کر

زبان پر جاری کرے۔

۲۔قرآن مجید کی نگاہ میں حضرت علیؑ ولی خدا ہیں اور خداوند عالم نے اس آیت میں مومنین پر حضرت علیؑ کی ولایت کو بیان کیا ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ

ایمان والو بس تمہارا ولی اللہ ہے اس کا رسول ہے اور وہ صاحبان ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوۃ دیتے ہیں۔(۴)

اہل سنت کی صحیح اور مسند کتابوں نے بھی اس بات کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ آیہ شریفہ حضرت علیؑ کی شان میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب آپ نے اپنی انگشتر مبارک حالت رکوع میں فقیر کو عطا کی تھی (۵)

جب یہ آیت حضرت امیر المومنینؑ کی شان میں نازل ہوئی تو شاعر اہل بیتؑ حسان بن ثابت نے اس واقعہ کو اس طرح اپنے اشعار میں ڈھالا تھا:

فأنت الذي أعطيت اِذ أنت راكع فدتک نفوس القوم یا خیر راكع

فأنزل فیک الله خیر ولایۃ وبیّنها في محكمات الشرائع

آپ وہ ہیں کہ جنہوں نے حالت رکوع میں بخشش کی اے بہترین رکوع کرنے والے آپ پر تمام قوم کی جانیں نثار ہو جائیں۔

خداوند کریم کی ذات نے آپ کے حق میں بہترین ولایت نازل کی ہے اور اسے شریعتوں کے خلل ناپذیر احکام میں بیان کیا ہے۔

۳۔پیغمبر گرامی اسلامؐ نے فرمایا: "اِنَّما الأعمال بالنیّات" بے شک اعمال کا دارمدار نیتوں پر ہے۔

اس بنا پر جب "ولایت علیؑ" ان اصولوں میں سے ایک ہے کہ جنہیں قرآن مجید نے صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور دوسری طرف سے اس جملہ (اشهدان علیاً ولي الله) کو اذان کا جزء سمجھ کر نہ کہا جائے تو پھر ہمارے لئے رسالت پیغمبرؐ کی گواہی کے ہمراہ ولایت علیؑ کا بھی اعلان کرنے میں کیا حرج ہے؟ یہاں پر ایک نکتہ کا ذکر ضروری ہے اور وہ یہ کہ اگر اذان میں کسی جملے کا اضافہ کرنا مناسب نہیں ہے اور اسکے ذریعہ شیعوں پر اعتراض کیا جاتا ہے تو ذیل میں بیان ہونے والی ان دو باتوں کی کس طرح توجیہ کی جائے گی:

۱۔معتبر تاریخ گواہ ہے کہ یہ جملہ "حيّ علیٰ خیر العمل" اذان کا جزء تھا (۶) لیکن خلیفہ دوم نے اپنی خلافت کے زمانے میں یہ تصور کیا کہ کہیں لوگ اس جملے کو اذان میں سن کر یہ گمان نہ کر بیٹھیں کہ تمام اعمال کے درمیان صرف نماز ہی بہترین عمل ہے اور پھر جہاد پر جانا چھوڑ دیں گے لہٰذا اس جملے کو اذان سے حذف کر دیا اور پھر اذان اسی حالت پر باقی رہی۔(۷)

۲۔ الصلاۃ خیر من النوم یہ جملہ رسول اکرمؐ کے زمانے میں اذان کا جزء نہیں تھا بعد میں یہ جملہ اذان میں بڑھایا گیا ہے (۸)

اسی وجہ سے امام شافعی نے اپنی کتاب "الامّ" میں کہا ہے:

أكره في الأذان الصلاة خير من النوم لأن أبا محذورہ لم یذكره (۹)

اذان میں الصلاۃ خیر من النوم کہنا مجھے پسند نہیں ہے کیونکہ ابومحذورہ (جو کہ ایک راوی اور محدث ہیں) نے اس جملے کا (اپنی

حدیث میں) ذکر نہیں کیا ہے۔

سوال: کیا غیر خدا سے مدد مانگنا شرک ہے؟

جواب: عقل اور منطق وحی کے اعتبار سے تمام انسان بلکہ کائنات کے تمام موجودات جس طرح وجود میں آنے کے لئے خدا کے محتاج ہیں اسی طرح دوسروں پر اثر انداز ہونے کے لئے بھی اس کے محتاج ہیں۔

قرآن مجید اس بارے میں فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ وَاللهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ

اے لوگو تم سب اللہ کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ صاحب دولت اور قابل حمد وثنا ہے۔(۱۰)

اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے کہ ہر قسم کی فتح اور نصرت پروردگار جہان کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ

مدد تو ہمیشہ صرف خدائے عزیز وحکیم ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔(۱۱)

اسلام کی اس مسلم الثبوت اصل کی بنیاد پر ہم سب مسلمان اپنی ہر نماز میں اس آیہ شریفہ کی تلاوت کرتے ہیں:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔

اس مقدمہ کی روشنی میں اب ہم مذکورہ سوال کے جواب میں یہ کہنا چاہیں گے کہ: غیر خدا سے مدد مانگنا دو صورتوں میں قابل تصور ہے:

۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ہم کسی انسان یا موجودات میں سے کسی سے اس طرح مدد مانگیں کہ اسے اس کے وجود یا اس کے اپنے کاموں میں مستقل سمجھیں اور اسے مدد پہنچانے میں خدا سے بے نیاز تصور کریں۔ ایسی صورت میں شک نہیں ہے کہ غیر خدا سے مدد مانگنا شرک ہوگا جیسے قرآن مجید درج ذیل آیت میں اس کو باطل قرار دیتا ہے۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا

کہہ دیجئے کہ اگر خدا برائی کا ارادہ کرلے یا بھلائی ہی کرنا چاہے تو تمہیں اس سے کون بچا سکتا ہے اور یہ لوگ اس کے علاوہ نہ کوئی سرپرست پاسکتے ہیں اور نہ مددگار۔(۱۲)

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی انسان سے مدد مانگتے وقت اسے خدا کی مخلوق اور اس کا محتاج بندہ سمجھا جائے اور یہ عقیدہ ہو کہ وہ اپنی طرف سے کسی قسم کا استقلال نہیں رکھتا اور اسے بندوں کی مشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت خدا ہی نے عطا فرمائی ہے۔

اس فکر کی رو سے اگر کسی چیز میں ہم اس انسان سے مدد مانگ رہے ہیں تو وہ اس سلسلے میں واسطے کا کام کرتا ہے کیونکہ پروردگار نے

اسے بندوں کی حاجات کو پورا کرنے کے لئے ''وسیلہ'' قرار دیا ہے۔

اس قسم کی مدد مانگنا حقیقت میں خداوند کریم سے مدد مانگنا ہے کیونکہ اسی نے ان وسائل اور اسباب کو وجود بخشا ہے اور اسی نے اس شخص کو انسانوں کی حاجات کو پورا کرنے کی صلاحیت اور قدرت عطا کی ہے اصولی طور پر بشر کی زندگی کی اساس ان اسباب اور مسببات سے مدد مانگنے پر استوار ہے اس طرح کہ ان سے مدد نہ لینے کی صورت میں انسان کی زندگی اضطراب کا شکار ہو جائیگی یہاں پر ہم اگر انہیں اس نگاہ سے دیکھیں کہ وہ خدا کی مدد پہنچانے کا وسیلہ ہیں اور ان کا وجود اور ان کی تاثیر خدا کی طرف سے ہے تو ان سے مدد مانگنا کسی بھی اعتبار سے توحید اور یکتا پرستی کے خلاف نہیں ہے۔

ایک موحد اور خدا شناس کسان جو کہ زمین پانی ہوا اور سورج سے مدد لے کر ایک بیج کو ایک پھل دار درخت میں تبدیل کر دیتا ہے تو حقیقت میں وہ کسان خدا سے مدد مانگتا ہے کیونکہ وہی ہے کہ جس نے ان اسباب کو قدرت اور استعداد بخشی ہے۔

واضح ہے کہ یہ مدد مانگنا توحید اور یکتا پرستی سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے بلکہ قرآن مجید تو ہمیں بعض چیزوں (جیسے صبر اور نماز) سے مدد لینے کا حکم دیتا ہے اور فرماتا ہے:

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلاةِ

صبر اور نماز کے ذریعہ مدد مانگو۔ (۱۳)

واضح ہے کہ صبر اور پائیداری انسان کا کام ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ان سے مدد حاصل کریں جب کہ اس قسم کی استعانت خدا سے مانگی جانے والی اس مدد کی مخالف نہیں ہے جسے اِیّاکَ نَستعینَ کے ذریعہ طلب کیا جاتا ہے۔

سوال: کیا دوسروں کو پکارنا ان کی عبادت اور شرک ہے؟

جواب: اس قسم کے سوال کا سبب قرآن مجید کی وہ آیتیں ہیں جو اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے غیر خدا کو پکارنے سے روکتی ہیں:

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا

اور مساجد سب اللہ کے لئے ہیں لہذا اس کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ (۱۴)

وَلاتَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لايَنْفَعُكَ وَلايَضُرُّكَ

اور خدا کے علاوہ کسی ایسے کو آواز نہ دو جو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان۔ (۱۵)

بعض لوگ اس قسم کی آیتوں کو سند بنا کر یہ کہتے ہیں کہ اولیائے خدا اور صالحین کو ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد پکارنا شرک اور ان کی عبادت ہے۔

جواب: اس سوال کے جواب میں مناسب یہ ہے کہ سب سے پہلے ان دو کلمات ''دعا'' اور ''عبادت'' کے معنی واضح کر دئے جائیں اس میں شک نہیں کہ عربی زبان میں لفظ دعا کے معنی ندا اور پکارنے کے ہیں اور لفظ عبادت کے معنی پرستش کے ہیں اس اعتبار سے

یہ دونوں الفاظ ہرگز ہم معنی نہیں ہیں یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہر ندا اور طلب عبادت اور پرستش ہے اس کی مندرجہ ذیل دلیلیں ہیں:

۱۔قرآن مجید میں لفظ دعوت بعض ایسی جگہوں پر استعمال ہوا ہے جہاں ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے مراد عبادت ہے جیسے:

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلاً وَنَهَارًا

انہوں نے کہا پروردگار میں نے اپنی قوم کو دن میں بھی بلایا اور رات میں بھی۔ (۱۶)

کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت نوحؑ کی مراد یہ تھی کہ میں نے دن رات ان کی عبادت کی ہے۔

لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دعوت (پکارنا) اور عبادت ہم معنی کلمات ہیں لہذا اگر کوئی شخص پیغمبر اکرمؐ یا کسی اور صالح بندے سے مدد طلب کرے اور انہیں پکارے تو اس کا یہ عمل ان کی عبادت شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ دعوت کے معنی میں پرستش کی بہ نسبت زیادہ عمومیت ہے۔

۲۔آیات کے اس مجموعے میں دعا سے مراد ہر قسم کا پکارنا نہیں ہے بلکہ ایک خاص قسم کا پکارنا مقصود ہے جو کہ لفظ پرستش کا لازمہ ہو سکتا ہے کیونکہ یہ آیات ان بت پرستوں کے بارے میں آئی ہیں جو اپنے بتوں کو چھوٹے خدا تصور کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ بت پرستوں کا خضوع ان کی دعا اور ان کی فریاد یہ سب ایسے بتوں کے مقابلے میں تھا جنہیں وہ حق شفاعت اور مغفرت کا مالک سمجھتے تھے ان کی نگاہ میں یہ بت دنیا اور آخرت کے امور میں مستقل طور پر حق تصرف رکھتے تھے اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان شرائط کے ساتھ ان موجودات کو پکارنا اور ان سے کسی قسم کی التجا کرنا ان کی عبادت شمار ہوگا کیونکہ وہ ان کو خدائی حیثیت سے پکارتے تھے اور اس کا بہترین گواہ درج ذیل آیت ہے:

فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ مِنْ شَيْءٍ

عذاب کے آجانے کے بعد انکے وہ خدا بھی کام نہ آئے جنہیں وہ خدا کو چھوڑ کر پکار رہے تھے۔ (۱۷)

لہذا یہ آیتیں ہماری بحث سے کوئی ربط نہیں رکھتیں کیونکہ ہماری بحث کا موضوع ایک بندے کا دوسرے بندے سے کوئی التجا کرنا ہے جبکہ یہ بندہ اسے نہ تو اپنا خدا سمجھتا ہے اور نہ ہی اسے دنیا و آخرت کے امور میں اپنا مالک، تام الاختیار یا تصرف کرنے والا مانتا ہے بلکہ اسے خدا کا ایسا معزز اور محترم بندہ سمجھتا ہے جسے پروردگار عالم نے منصب رسالت یا امامت سے نوازا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اس کی دعا کو اپنے بندوں کے حق میں قبول کرے گا اس سلسلے میں خدا فرماتا ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَحِيمًا

اور کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتے تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے۔ (۱۸)

۳۔مذکورہ آیات اس بات پر شاہد ہیں کہ دعوت سے مراد ہر قسم کی درخواست اور حاجت نہیں ہے بلکہ اس دعوت سے مراد پرستش ہے اسی لئے ایک آیت میں لفظ دعوت کے بعد بلا فاصلہ اسی معنی کیلئے لفظ ''عبادت'' استعمال کیا گیا ہے

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ

اور تمہارے پروردگار کا ارشاد ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا اور یقینا جو لوگ میری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ذلت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔(۱۹)

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا اس آیت کے آغاز میں لفظ 'ادعونی'' ہے اور اس کے ذیل میں لفظ 'عبادتی'' آیا ہے یہ اس بات پر شاہد ہے کہ ان آیتوں میں لفظ دعوت سے مراد وہ التجا و استغاثہ ہے جو ایسے موجودات سے کیا جاتا ہے جنہیں وہ خدا کی صفات سے متصف سمجھتے تھے۔

نتیجہ:

ان گزشتہ تین مقدموں کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان آیات میں قرآن مجید کا بنیادی مقصد بت پرستوں کو بتوں کو پکارنے سے روکنا ہے وہ بت کہ جنہیں وہ خدا کا شریک یا مدبر یا صاحب شفاعت جانتے تھے۔کفار کا ان بتوں کے سامنے ہر قسم کا خضوع اور احترام یا گریہ اور استغاثہ کرنا اور ان سے شفاعت کا طلب کرنا یا پھر ان سے اپنی حاجت طلب کرنا یہ سب اس وجہ سے تھا کہ وہ ان بتوں کو چھوٹے خدا سمجھتے تھے اور انہیں خدا کے کاموں کو انجام دینے والا تصور کرتے تھے بت پرستوں کا یہ عقیدہ تھا کہ خدا نے دنیا اور آخرت کے متعلق بعض کام ان بتوں کو سونپ دیئے ہیں اس اعتبار سے ان آیتوں کا ایک ایسے روح رکھنے والے انسان سے استغاثہ کرنے سے کیا تعلق ہے جو پکارنے والے کی نظر میں ذرہ برابر بھی بندگی کی حد سے باہر قدم نہیں رکھتا بلکہ اس کی نگاہ میں خداوند عالم کا محبوب و محترم بندہ ہے۔

اگر قرآن مجید فرماتا ہے:

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا

اور مساجد سب اللہ کے لئے ہیں لہٰذا اس کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔(۲۰)

تو اس سے مراد پرستش کے قصد سے پکارنا ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت کے عرب بتوں، ستاروں، فرشتوں، اور جنوں کی پوجا کیا کرتے تھے یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیتیں کسی شخص یا کسی شے کو معبود سمجھ کر پکارنے سے متعلق ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ان موجودات سے اس قسم کا عقیدہ رکھتے ہوئے کسی چیز کی درخواست کرنا ان کی عبادت شمار ہوگا لیکن ان آیتوں کا کسی ایسے شخص سے دعا کرنے سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کے سلسلے میں دعا کرنے والا شخص اس کی ربوبیت یا الوہیت کا قائل نہیں ہے بلکہ اس شخص کو خدا کا بہترین اور محبوب بندہ سمجھتا ہے؟

ممکن ہے کوئی یہ تصور کرے کہ اولیائے خدا کو صرف ان کی زندگی میں پکارنا جائز ہے اور ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد انہیں پکارنا شرک ہے۔

اس سوال کے جواب میں ہم کہیں گے:

۱۔ہم خاک میں سونے والے جسموں سے مدد نہیں مانگتے ہیں بلکہ ایسے نیک بندوں کی پاک ارواح (جیسے پیغمبرؐ اور اماموںؑ) سے مدد مانگتے ہیں جو قرآنی آیات کی صراحت کے مطابق زندہ ہیں اور شہداء سے بھی بلند و بالا مقام و منزلت کے ساتھ برزخ کی زندگی گزار رہے ہیں اور اگر ہم ان کی قبروں پر جا کر ان سے اس طرح کی درخواستیں کرتے ہیں تو یہ اس وجہ سے ہے کہ یہاں آ کر ہم ان کی مقدس

ارواح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان سے رابطہ قائم کرتے ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ روایات کے مطابق یہ مقدس مقامات وہ ہیں جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

۲۔ان اولیائے الٰہی کا بقید حیات ہونا یا حیات سے متصف نہ ہونا شرک یا توحید کی شناخت کا معیار نہیں ہے اور ہماری گفتگو شرک اور توحید کے معیار کے بارے میں ہے لیکن ان کو پکارنا فائدہ مند ہے یا نہیں؟ تو یہ ہماری گفتگو سے خارج ہے۔البتہ اس مسئلے (کہ کیا اس قسم کے استغاثے فائدہ مند ہیں؟) کے بارے میں گفتگو اس کی مناسب جگہ پر موجود ہے۔

سوال: کیا شیعہ قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں؟

جواب: شیعوں کے مشہور علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی قسم کی تحریف نہیں ہوئی ہے اور وہ قرآن جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے بعینہ وہی آسمانی کتاب ہے جو پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور اس میں کسی قسم کی زیادتی اور کمی نہیں ہوئی ہے اس بات کی وضاحت کے لئے ہم یہاں چند شواہد کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔پروردگار عالم مسلمانوں کی آسمانی کتاب کی صیانت اور حفاظت کی ضمانت لیتے ہوئے فرماتا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(۲۱)

واضح ہے کہ ساری دنیا کے شیعہ چونکہ قرآن مجید کو اپنے افکار اور کردار کے لئے اساس قرار دیتے ہیں لہذا اس آیہ شریفہ کی عظمت کا اقرار کرتے ہوئے اس آیت میں موجود اس پیغام پر کامل ایمان رکھتے ہیں جو اس کتاب خدا کی حفاظت سے متعلق ہے۔

۲۔شیعوں کے عظیم الشان امام حضرت علیؑ نے جو ہمیشہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے اور کاتبان وحی میں سے ایک تھے آپ نے لوگوں کو مختلف موقعوں اور مناسبتوں پر اسی قرآن کی طرف دعوت دی ہے ہم اس سلسلے میں ان کے کلام کے کچھ حصے یہاں پیش کرتے ہیں:

واعلموا أن هذا القرآن هو الناصح الذی لایغش والهادی الذی لایضلّ

جان لو کہ یہ قرآن ایسا نصیحت کرنے والا ہے جو ہرگز خیانت نہیں کرتا اور ایسا رہنمائی کرنے والا ہے جو ہرگز گمراہ نہیں کرتا۔(۲۲)

إن اللّٰه سبحانه لم یعط أحداً بمثل هذا القرآن فإنه حبل اللّٰه المتین و سببه المبین

بے شک خداوند سبحان نے کسی بھی شخص کو اس قرآن کے جیسی نصیحت عطا نہیں فرمائی ہے کہ یہی خدا کی محکم رسی اور اس کا واضح وسیلہ ہے۔(۲۳)

ثم أنزل علیه الکتاب نورًا لا تطفأ مصابیحه و سراجًا لا یخبو توقده۔ ومنهاجًا لا یضل نهجه ۔ ۔۔ و فرقانا لا یخمد برهانه

اور پھر آپؐ پر ایسی کتاب کو نازل کیا جس کا نور کبھی خاموش نہیں ہوگا اور جس کے چراغ کی لو کبھی مدھم نہیں پڑسکتی وہ ایسا راستہ ہے جس پر چلنے والا کبھی بھٹک نہیں سکتا اور ایسا حق اور باطل کا امتیاز ہے جو کمزور نہیں پڑسکتا۔(۲۴)

شیعوں کے امام عالی شان امام حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے گہربار کلام سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کی مثال ایک ایسے روشن چراغ کی ہے جو ہمیشہ اپنے پیروکاروں کے لئے مشعل راہ کا کام کرے گا۔اور ساتھ ہی ساتھ اس میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں ہوگی جو اس کے نور کے خاموش ہو جانے یا انسانوں کی گمراہی کا باعث ہو۔

۳۔شیعہ علماء اس بات پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

''میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک کتاب خدا (قرآن) ہے اور دوسرے میرے اہل بیتؑ ہیں جب تک تم ان دو سے متمسک رہو گے ہر گز گمراہ نہیں ہو گے۔''

یہ حدیث اسلام کی متواتر احادیث میں ایک ہے جسے شیعہ اور سنی دونوں فرقوں نے نقل کیا ہے۔

اس بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شیعوں کی نظر میں کتاب خدا میں ہر گز کسی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر قرآن مجید میں تحریف کا امکان ہوتا تو اس سے تمسک اختیار کر کے ہدایت حاصل کرنا اور گمراہی سے بچنا ممکن نہ ہوتا اور پھر اس کے نتیجہ میں قرآن اور حدیث ثقلین کے درمیان ٹکراؤ ہو جاتا۔

۴۔شیعوں کے اماموں نے اپنی روایات میں (جنہیں ہمارے تمام علماء اور فقہا نے نقل کیا ہے) اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ قرآن مجید حق و باطل اور صحیح وغلط کے درمیان فرق پیدا کرنے والا ہے لہذا ہر کلام حتیٰ ہم تک پہنچنے والی احادیث معصومینؑ کے لئے ضروری ہے کہ انہیں قرآن مجید کے میزان پر تولا جائے اگر وہ قرآنی آیات کے مطابق ہوں تو حق ہیں ورنہ باطل۔اس سلسلے میں شیعوں کی فقہ اور احادیث سے متعلق کتابوں میں بہت سی روایتیں ہیں ہم یہاں ان میں سے صرف ایک روایت کو پیش کرتے ہیں:

امام صادقؑ فرماتے ہیں:

مالم یوافق من الحدیث القرآن فهو زخرف

ہر وہ کلام باطل ہے جو قرآن سے مطابقت نہ رکھتا ہو۔(۲۵)

اس قسم کی روایات سے بھی یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی قسم کی تحریف نہیں کی جاسکتی اسی وجہ سے اس کتاب کی یہ خاصیت ہے کہ وہ حق و باطل میں فرق پیدا کرنے والی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

۵۔شیعوں کے بزرگ علماء نے ہمیشہ اسلام اور تشیع کی آفاقی تہذیب کی حفاظت کی ہے ان سب نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ قرآن مجید میں کبھی کوئی تحریف نہیں ہوئی ہے چونکہ ان تمام بزرگوں کے نام تحریر کرنا دشوار کام ہے لہذا ہم بطور نمونہ ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں:

ا۔جناب ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بابویہ قمی (متوفی ۳۸۱ھ) جو ''شیخ صدوق'' کے نام سے مشہور ہیں فرماتے ہیں:

''قرآن مجید کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے وہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں باطل نہیں آسکتا وہ پروردگار حکیم و علیم کی بارگاہ سے نازل ہوا ہے اور اسی کی ذات اس کو نازل کرنے اور اس کی محافظت کرنے والی ہے۔''(۲۶)

۲۔ جناب سید مرتضیٰ علی بن حسین موسوی علوی (متوفی ۴۳۶ھ) جو ''علم الہدیٰ'' کے نام سے مشہور ہیں فرماتے ہیں:

''پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ کرام جیسے عبد اللہ بن مسعود اور اُبَی بن کعب وغیرہ نے بارہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں قرآن مجید کو اول سے لے کر آخر تک پڑھا ہے یہ بات اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ قرآن مجید ترتیب کے ساتھ اور ہر طرح کی کمی یا پراگندگی کے بغیر اسی زمانے میں جمع کر کے مرتب کیا جا چکا تھا۔''(۲۷)

۳۔ جناب ابو جعفر محمد بن حسن طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) جو کہ شیخ الطائفہ کے نام سے مشہور تھے وہ فرماتے ہیں:

''قرآن مجید میں کمی یا زیادتی کا نظریہ کسی بھی اعتبار سے اس مقدس کتاب کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ تمام مسلمان اس بات پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کسی طرح کی زیادتی واقع نہیں ہوئی ہے اسی طرح ظاہراً سارے مسلمان متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی ہے اور یہ نظریہ کہ (قرآن میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی ہے) ہمارے مذہب سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے جناب سید مرتضیٰ نے بھی اس بات کی تائید کی ہے اور روایات کے ظاہری مفہوم سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کچھ لوگوں نے بعض ایسی روایتوں کی طرف اشارہ کیا ہے

جن میں قرآن مجید کی آیات میں کمی یا ان کے جا بجا ہو جانے کا ذکر ہے ایسی روایتیں شیعہ اور سنی دونوں ہی کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ روایتیں خبر واحد ہیں ان سے نہ تو یقین حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی ان پر عمل کیا جا سکتا ہے۔(۲۸) لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس قسم کی روایتوں سے روگردانی کی جائے۔''(۲۹)

۴۔ جناب ابو علی طبرسی صاحب تفسیر ''مجمع البیان'' فرماتے ہیں:

''پوری امت اسلامیہ اس بات پر متفق ہے کہ قرآن مجید میں کسی بھی قسم کا اضافہ نہیں ہوا ہے اس کے برخلاف ہمارے مذہب کے کچھ افراد اور اہل سنت کے درمیان ''حشویہ'' فرقہ کے ماننے والے قرآن مجید کی آیات میں کمی کے سلسلے میں بعض روایتوں کو پیش کرتے ہیں لیکن جس چیز کو ہمارے مذہب نے مانا ہے جو صحیح بھی ہے وہ اس نظریہ کے برخلاف ہے۔''(۳۰)

۵۔ جناب علی بن طاؤس حلی (متوفی ۶۶۴ھ) جو ''سید بن طاؤس'' کے نام سے مشہور ہیں فرماتے ہیں:

''شیعوں کی نگاہ میں قرآن مجید میں کسی بھی قسم کی تبدیلی واقع نہیں ہوئی ہے''(۳۱)

۶۔ جناب شیخ زین الدین عاملی (متوفی ۹۷۷ھ) اس آیہ کریمہ:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''یعنی ہم قرآن مجید کو ہر قسم کی تبدیلی اور زیادتی سے محفوظ رکھیں گے۔''(۳۲)

۷۔ کتاب احقاق الحق کے مؤلف سید نور اللہ شوستری (شہادت ۱۰۱۹ھ) جو کہ شہید ثالث کے لقب سے مشہور ہیں فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں نے شیعوں کی طرف یہ نسبت دی ہے کہ وہ قرآن میں تبدیلی کے قائل ہیں لیکن یہ سارے شیعوں کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ ان میں سے بہت تھوڑے سے افراد ایسا عقیدہ رکھتے ہیں اور ایسے افراد شیعوں کے درمیان مقبول نہیں ہیں۔'' (۳۳)

۸۔ جناب محمد بن حسین (متوفی ۱۰۳۰ھ) جو 'بہاء الدین عاملی' کے نام سے مشہور ہیں فرماتے ہیں کہ:

''صحیح یہ ہے کہ قرآن مجید ہر قسم کی کمی و زیادتی سے محفوظ ہے اور یہ کہنا کہ امیر المومنین علی- کا نام قرآن مجید سے حذف کر دیا گیا ہے'' ایک ایسی بات ہے جو علماء کے نزدیک ثابت نہیں ہے جو شخص بھی تاریخ اور روایات کا مطالعہ کرے گا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مجید متواتر روایات اور پیغمبر اکرمؐ کے ہزاروں اصحاب کے نقل کرنے کی وجہ سے ثابت و استوار ہے اور پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں ہی پورا قرآن جمع کیا جا چکا تھا۔'' (۳۴)

۹۔ کتاب وافی کے مؤلف جناب فیض کاشانی (متوفی ۱۰۹۱ھ) نے آیت إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ کو اور اس جیسی آیتوں کو قرآن مجید میں عدم تحریف کی دلیل قرار دیتے ہوئے یوں لکھا ہے:

''اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن مجید میں تحریف واقع ہو ساتھ ہی ساتھ تحریف پر دلالت کرنے والی روایتیں کتاب خدا کی مخالف بھی ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ اس قسم کی روایات کو باطل سمجھا جائے۔'' (۳۵)

۱۰۔ جناب شیخ حر عاملی (متوفی ۱۱۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

''تاریخ اور روایات کی چھان بین کرنے والا شخص اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ قرآن مجید، متواتر روایات اور ہزاروں صحابہ کرام کے نقل کرنے سے ثابت و محفوظ رہا ہے اور یہ قرآن پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں ہی منظم صورت میں جمع کیا جا چکا تھا۔'' (۳۶)

۱۱۔ بزرگ محقق ''جناب کاشف الغطاء'' اپنی معروف کتاب ''کشف الغطاء'' میں لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید خداوند کریم کی صیانت و حفاظت کے سائے میں ہر قسم کی کمی و تبدیلی سے محفوظ رہا ہے اس بات کی گواہی خود قرآن مجید بھی دیتا ہے اور ہر زمانے کے علماء نے بھی یک زبان ہو کر اس کی گواہی دی ہے اس سلسلے میں ایک مختصر سے گروہ کا مخالفت کرنا قابل اعتناء نہیں ہے۔''

۱۲۔ اس سلسلہ میں انقلاب اسلامی کے رہبر حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بھی موجود ہے جسے ہم ایک واضح شاہد کے طور پر پیش کرتے ہیں:

ہر وہ شخص جو قرآن مجید کے جمع کرنے اس کی حفاظت کرنے، اس کو حفظ کرنے، اس کی تلاوت کرنے اور اس کے لکھنے کے بارے میں مسلمانوں کی احتیاط سے آگاہی رکھتا ہو وہ قرآن کے سلسلے میں نظریہ تحریف کے باطل ہونے کی گواہی دے گا اور وہ روایات جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں جن کے ذریعے استدلال نہیں کیا جا سکتا یا پھر مجہول ہیں جس سے ان کے جعلی ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے یا یہ روایتیں قرآن کی تاویل اور تفسیر کے بارے میں ہیں یا پھر کسی اور قسم کی ہیں جن کے بیان کے لئے ایک جامع کتاب تالیف

کرنے کی ضرورت ہے اگر موضوع بحث سے خارج ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو یہاں پر ہم قرآن کی تاریخ بیان کرتے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی واضح کرتے کہ ان چند صدیوں میں اس قرآن پر کیسے حالات گزرے ہیں اور اس بات کو بھی روشن کر دیتے کہ جو قرآن مجید آج ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بعینہ وہی آسمان سے آنے والی کتاب ہے اور وہ اختلاف جو قرآن کے قاریوں کے درمیان پایا جاتا ہے وہ ایک جدید امر ہے جس کا اس قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے جسے لے کر جبرئیل امینؑ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مطہر پر نازل ہوئے تھے۔''(۳۷)

نتیجہ:

مسلمانوں کی اکثریت خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی اس بات کی معتقد ہے کہ یہ آسمانی کتاب بعینہ وہی قرآن ہے جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور وہ ہر قسم کی تحریف، تبدیلی، کمی اور زیادتی سے محفوظ ہے۔

ہمارے اس بیان سے شیعوں کی طرف دی جانے والی یہ نسبت باطل ہو جاتی ہے کہ وہ قرآن میں تحریف کے قائل ہیں اگر اس تہمت کا سبب یہ ہے کہ چند ضعیف روایات ہمارے ہاں نقل ہوئی ہیں تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ ان ضعیف روایات کو شیعوں کے ایک مختصر فرقے ہی نے نہیں بلکہ اہل سنت کے بہت سے مفسرین نے بھی اپنے ہاں نقل کیا ہے یہاں ہم نمونے کے طور پر ان میں سے بعض روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی اپنی تفسیر میں ابو بکر انبازی سے اور نیز ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ سورہ احزاب (جس میں تہتر آیتیں ہیں) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں سورہ بقرہ (جس میں دو سو چھیاسی آیتیں ہیں) کے برابر تھا اور اسوقت اس سورہ میں آیہ ''رجم'' بھی شامل تھی۔(۳۸)

(لیکن اب سورہ احزاب میں یہ آیت نہیں ہے) اور نیز اس کتاب میں عائشہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

''پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں سورۂ احزاب میں دو سو آیتیں تھیں پھر بعد میں جب مصحف لکھا گیا تو جتنی اب اس سورہ میں آیتیں ہیں ان سے زیادہ نہ مل سکیں''(۳۹)

۲۔ کتاب ''الاتقان'' کے مؤلف نقل کرتے ہیں کہ ''اُبی'' کے قرآن میں ایک سو سولہ سورے تھے کیونکہ اس میں دو سورے حفد اور خلع بھی تھے۔ جب کہ ہم سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید کے سوروں کی تعداد ایک سو چودہ ہے اور ان دو سوروں (حفد اور خلع) کا قرآن مجید میں نام و نشان تک نہیں ہے۔

۳۔ ہبۃ اللہ بن سلامہ اپنی کتاب ''الناسخ والمنسوخ''، میں انس بن مالک سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں: ''پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں ہم ایک ایسا سورہ پڑھتے تھے جو سورۂ توبہ کے برابر تھا مجھے اس سورہ کی صرف ایک ہی آیت یاد ہے اور وہ یہ ہے:

لوأن لابن آدم وادیان من الذھب لابتغی إلیھما ثالثاً ولو أن لہ ثالثاً لابتغی إلیھا رابعاً ولا یملأ جوف

ابن آدم الا التراب ویتوب اللّٰہ علیٰ مَن تاب!

جب کہ ہم سب جانتے ہیں کہ اس قسم کی آیت قرآن میں موجود نہیں ہے اور یہ جملے قرآنی بلاغت سے بھی مغایرت رکھتے ہیں۔

۴۔ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر درالمنثور میں عمر بن خطاب سے روایت کرتے ہیں کہ سورہ احزاب سورہ بقرہ کے برابر تھا اور آیہ ''رجم'' بھی اس میں موجود تھی۔(۴۰)

لہٰذا شیعہ اور سنی دونوں فرقوں کے کچھ افراد نے قرآن میں تحریف کے بارے میں ایسی ضعیف روایتوں کو نقل کیا ہے جنہیں مسلمانوں کی اکثریت نے خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی قبول نہیں کیا ہے۔

حوالہ جات

(۱) سورہ احزاب آیت ۵۶

(۲) الصواعق المحرقۃ (ابن حجر) طبع دوم مکتبۃ القاہرہ مصر باب ۱۱ فصل اول ص ۱۴۶ اور ایسی روایت تفسیر درالمنثور جلد ۵ سورہ احزاب کی آیت ۵۶ کے ذیل میں بھی موجود ہے اس روایت کو صاحب تفسیر نے محدثین اور کتب صحاح اور کتب مسانید (جیسے عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن مردویہ) سے نقل کیا ہے۔ مذکورہ راویوں نے کعب ابن عجرہ سے اور انہوں نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے۔

(۳) الصواعق المحرقۃ (ابن حجر) باب ۱۱ ص ۱۴۸ فصل اول اور کتاب اتحاف (شبراوی) ص ۲۹ اور کتاب

(۴) سورہ مائدہ آیت: ۵۵۔

(۵) اس سلسلے میں کہ یہ آیہ حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے، بہت سی کتابیں موجود ہیں لیکن ان تمام کتابوں کا یہاں تذکرہ ممکن نہیں ہے لیکن پھر بھی ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتے ہیں: ۱۔ تفسیر طبری جلد ۶ ص ۱۸۶۔ ۲۔ احکام القرآن (تفسیر جصاص) جلد ۲ ص ۵۴۲۔ ۳۔ تفسیر البیضاوی جلد ۱ ص ۳۴۵۔ ۴۔ تفسیر الدرالمنثور جلد ۲ ص ۲۹۳

(۶) کتاب کنزالعمال، کتاب الصلوۃ جلد ۴ ص ۲۶۶ طبرانی سے منقول ہے: ''کان بلال یؤذن بالصبح فیقول: حی علی خیر العمل''، بلال جب اذان صبح دیتے تھے تو کہتے تھے حیّ علیٰ خیر العمل۔ اور سنن بیہقی جلد ۱ ص ۴۲۴ اور ص ۴۲۵ اور مؤطا جلد ۱ ص ۹۳ میں بھی یہ بات درج ہے۔

(۷) کنزالعرفان جلد ۲ ص ۱۵۸ اور کتاب ''الصراط المستقیم'' و جواہر الاخبار والآثار اور شرح تجرید (قوشچی) ص ۴۸۴ میں ہے کہ:
صعد المنبر وقال:

أيها الناس ثلاث كنّ على عهد رسول اللّه أنا أنهى عنهنّ و أحرمهن و أُعاقب عليهن و هى متعة النساء و متعة الحج و حيّ على خير العمل

(۸) کنزالعمال، کتاب الصلوۃ جلد ۴ ص ۲۷۰

(۹) دلائل الصدق جلد ۳ القسم الثانی ص ۹۷ سے ماخوذ۔

(۱۰) سورہ فاطر آیت ۱۵

(۱۱) سورہ آل عمران آیت ۱۲۶

(۱۲) سورہ احزاب آیت: ۱۷

(۱۳) سورہ بقرہ آیت ۴۵

(۱۴) سورہ جن آیت: ۱۸

(۱۵) سورہ یونس آیت: ۱۰۶

(۱۶) سورہ نوح آیت: ۵

(۱۷) سورہ ہود آیت: ۱۰۱

(۱۸) سورہ نساء آیت: ۶۴

(۱۹) سورہ غافر آیت ۶۰

(۲۰) سورہ جن آیت ۱۸

(۲۱) سورہ حجر آیت: ۹

(۲۲) نہج البلاغہ (صبحی صالح) خطبہ نمبر ۱۷۶

(۲۳) گذشتہ حوالہ

(۲۴) نہج البلاغہ (صبحی صالح) خطبہ نمبر ۱۹۸

(۲۵) اصول کافی جلد ۱ کتاب فضل العلم باب الاخذ بالسنۃ وشواہد الکتاب روایت نمبر ۴

(۲۶) الاعتقادات ص ۹۳

(۲۷) مجمع البیان جلد ۱ ص ۱۰ میں سید مرتضیٰ کی کتاب ''المسائل الطرابلسیات'' سے نقل کرتے ہوئے۔

(۲۸) ایسی روایت جو حد تواتر تک نہ پہنچتی ہو اور اس کے صدق کا یقین بھی نہ کیا جاسکتا ہو وہ خبر واحد کہلاتی ہے۔ (مترجم)

(۲۹) تفسیر تبیان جلد ۱ ص ۳۔

(۳۰) تفسیر مجمع البیان جلد ۱ ص ۱۰

(۳۱) سعد السعود ص ۱۱۴۴

(۳۲) اظہار الحق ج ۲ ص ۱۳۰

(۳۳) آلاء الرحمن ص ۲۵

(۳۴) آلاء الرحمن ص ۲۵

(۳۵) تفسیر صافی جلد ۱ ص ۵۱

(۳۶) آلاء الرحمن ص ۲۵

(۳۷) تہذیب الاصول، جعفر سبحانی (دروس امام خمینی قدس سرہ) جلد ۲ ص ۹۶

(۳۸) تفسیر قرطبی جز ۱۴ ص ۱۱۳ سورہ احزاب کی تفسیر کی ابتداء میں

(۳۹) گذشتہ حوالہ

(۴۰) اتقان جلد ۱ ص ۶۷۔

آیات موضوعی

۱) آیۂ ولایت:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ

ایمان والو! بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ صاحبان ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔(مائدہ:۵۵)

۲) آیۂ مباہلہ:

مَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَائَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَائَنَا وَأَبْنَائَكُمْ وَنِسَائَنَا وَنِسَائَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ

اے پیغمبرؐ علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے کٹ حجتی کریں ان سے کہہ دیجئے آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزند، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں اور خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔(آل عمران:۶۱)

۳) آیۂ تطہیر:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

پس اللہ کا ارادہ ہے! اے اہلبیتؑ کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جس طرح پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔(احزاب:۳۳)

۴) آیۂ ابلاغ:

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

اے رسولؐ! جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپؐ پر نازل کیا گیا ہے اُسے پہنچا دیجئے اور اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپؐ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپؐ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا، بے شک اللہ کافروں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ (مائدہ:۶۷)

۵) آیۂ اکمال:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

آج ہم نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا ہے اور اپنی تمام نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسندیدہ بنا دیا ہے۔ (مائدہ:۳)

۶) آیۂ اولی الامر:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں اُن کی اطاعت کرو۔ (نساء:۵۹)

۷) آیۂ وضو:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُؤُسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

اے ایمان والو جب تم نماز کیلئے اُٹھو تو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرو نیز اپنے سر کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرو۔ (مائدہ:۶)

۸) امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اورتم میں سے ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہیے جو نیکی کی طرف دعوت اور بھلائی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔(آل عمران:۱۰۴)

۹)فضیلت اہل علم:

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

اگرتم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔(نحل:۴۳)

۱۰)صالحان وارث زمین:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

اور ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا کہ زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہونگے۔(نساء:۱۰۵)

۱۱)توکل:

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے پس اُس کیلئے اللہ کافی ہے اور اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے۔(طلاق:۳)

۱۲)تقویٰ:

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

اور جو تقویٰ اختیار کرے (اللہ سے ڈرتا رہے) اللہ اُسے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بتا دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے وہ سوچ بھی نہ سکتا ہو۔(طلاق:۲:۳)

۱۳)شکران نعمت وکفران نعمت:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ

اگر ہمارا شکر کروگے تو ہم نعمتوں میں اضافہ کر دیں گے اور اگر کفران نعمت کروگے تو ہمارا عذاب بھی بہت سخت ہے۔(ابراہیم:۷)

۱۴)صبر:

وَاصْبِرُوا إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

صبر کرو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔(انفال:۴۶)

۱۵)والدین کا احترام:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو (نیکی کرو)، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے پاس ہوں اور بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا بلکہ ان سے عزت و تکریم کے ساتھ بات کرنا اور ان کیلئے انکساری کے ساتھ اپنے کندھوں کو جھکا دینا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ پروردگارا اُن دونوں پر اسی طرح رحمت نازل فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے ۔(اسراء:۲۳،۲۴)

۱۶)غیبت سے منع:

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ

اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم اس سے نفرت کرو گے ۔(حجرات:۱۲)

۱۷)سوءظن:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ

اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بعض بدگمانیاں یقیناً گناہ ہیں ۔(حجرات:۱۲)

۱۸)برائی کا پھیلانا:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

جو لوگ چاہتے ہیں کہ صاحبان ایمان میں بدکاری کا چرچا پھیل جائے ان کیلئے بڑا دردناک عذاب ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ۔(نور:۱۹)

۱۹) اخلاص:

فَادْعُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

لٰہذا تم خالص عبادت کے ساتھ خدا کو پکارو چاہے کافروں کو یہ کتنا ناگوار کیوں نہ ہو۔ (غافر: ۱۴)

۲۰) قطع رحم:

وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ

اور جو لوگ عہد خدا کو توڑ دیتے ہیں اور جن سے تعلقات کا حکم دیا گیا ہے ان سے قطع تعلق کر لیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کیلئے سخت اور بدترین گھر ہے۔ (رعد: ۲۵)

احادیث موضوعی

۱۔انسان کی اصلاح تین چیزوں میں

امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

إذا أرادَ اللّٰهُ سُبْحانَهُ صَلاحَ عَبْدٍ أَلْهَمَهُ قِلَّةَ الكَلامِ وَقِلَّةَ الطَّعامِ وَقِلَّةَ المَنامِ

جب اللہ کسی بندہ کی اصلاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو تین چیزیں عطا کرتا ہے: کم بولنا، تھوڑا کھانا، اور کم سونا۔
(میزان الحکمۃ ج ا ص ۱۸۴)

۲۔توہین کرنے والا

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أذلُّ النّاسِ مَنْ أهانَ النّاسَ

ذلیل ترین وہ شخص ہے جو دوسروں کی توہین کرے۔(میزان الحکمۃ ج ا ص ۱۲۴)

۳۔بداخلاقی کی مذمت

امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا:

إنَّ سُوءَ الْخُلُقِ لَيُفْسِدُ الْإِيمانَ كَما يُفْسِدُ الْخَلُّ الْعَسَلَ

بتحقیق بداخلاقی ایمان کو ایسے فاسد کر دیتی ہے جیسے سرکہ عسل [شہد] کو خراب اور فاسد کر دیتا ہے۔(کافی ج ۲ ص ۳۲۱)

۴۔ پسندیدہ اخلاق

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثَلَاثٌ مِنْ مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ تَصِلُ مَنْ قَطَعَكَ وَ تُعْطِي مَنْ حَرَمَكَ وَ تَعْفُو عَمَّنْ ظَلَمَكَ

تین چیزیں پسندیدہ اخلاق کی علامت ہیں: جس نے تمہارے ساتھ قطع تعلق کیا ہے تم اس کے ساتھ صلح کرو۔ جس نے تمہیں محروم کیا ہے تم اسے عطا کرو اور جس نے تمہارے اوپر ظلم کیا ہے تم اسے معاف کردو۔ (تحف العقول ص ۷)

۵۔ آخری زمانے میں امام مہدی علیہ السلام کا قیام

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْمَهْدِيَّ مِنْ عِتْرَتِي مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ تُنْزِلُ لَهُ السَّمَاءُ قَطْرَهَا وَ تُخْرِجُ لَهُ الْأَرْضُ بَذْرَهَا فَيَمْلَأُ الْأَرْضَ عَدْلًا وَ قِسْطاً كَما ملئت ظُلْماً وَ جَوْرا

مہدی علیہ السلام میری عترت اور اہلبیت علیہم السلام میں سے ہیں جو آخری زمانے میں قیام کریں گے آسمان ان کے لیے باران رحمت برسائے گا اور زمین اپنے خزانے اگل دے گی اور وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جیسا کہ وہ ظلم وجور سے بھری ہوگی۔ (بحار الانوار ج ۵۱ ص ۷۴)

۶۔ مصیبت میں دینداروں کو پہچانو

امام حسین علیہ السلام نے کربلا کے سفر میں فرمایا:

إنّ النّاسَ عَبيدُ الدُّنيا و الدِّينُ لَعْقٌ على أَلْسِنَتِهِم يَحُوطونَهُ ما دَرَّتْ مَعايِشُهُم، فإذا مُحِّصوا بالبلاءِ قَلَّ الدَّيّانونَ

بتحقیق لوگ دنیا کے غلام ہیں اور دین صرف ان کی زبانوں پر لقلقہ زبانی ہے جب تک دین ان کی معاشی ضروریات پورا کرتا رہتا ہے تو دیندار دکھائی دیتے ہیں اور جب کسی مصیبت اور بلا میں مبتلا ہوتے ہیں تو دیندار بہت کم نظر آنے لگتے ہیں۔ (میزان الحکمۃ ج ۲ ص ۴۴)

۷۔ باطنی نصیحت کی ضرورت

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللهُ لَهُ مِنْ نَفْسِهِ وَاعِظاً فَإِنَّ مَوَاعِظَ النَّاسِ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُ شَيْئاً

وہ شخص جس کے باطن میں خدا نے نصیحت کرنے والے کو نہ رکھا ہو لوگوں کی نصیحتیں اس پر کوئی اثر نہیں کرتیں۔
(تحف العقول ص ۲۹۴)

۸۔تفکر کی قیمت

امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

لَیسَتِ الْعِبادَةُ کَثْرَةُ الصِّیامِ وَ الصَّلاةِ وَ إنَّمَا الْعِبادَةُ کَثْرَةُ التَّفَکُّرِ فِی أَمرِ اللهِ

عبادت زیادہ نمازیں پڑھنا اور روزے رکھنا نہیں ہے بلکہ خدا کے بارے میں زیادہ تفکر کرنا عبادت ہے۔
(تحف العقول/ص ۴۴)

۹۔آسمان سے بڑا گناہ

امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

البُهتانُ علی البَرِیءِ أعظَمُ مِن السَّماءِ

بے گناہ انسان پر تہمت لگانا آسمان سے بھی بڑا گناہ ہے۔(بحار الانوار ج ۷ ص ۳۱)

۱۰۔عالم بنو یا متعلم

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لَستُ أُحِبُّ أن أری الشّابَّ مِنکُم إلاّ غادیا فی حالَیْنِ إمّا عالِما أو مُتَعَلِّما فإن لَم یَفعَلْ فَرَّطَ فإن فَرَّطَ ضَیَّعَ وإنْ ضَیَّعَ أَثِمَ وإن أَثِمَ سَکَنَ النارَ و الذی بَعَثَ مُحمّدا بِالحَقّ

میں تمہارے نوجوان کو ان دو حالتوں کے علاوہ دیکھوں تو اسے پسند نہیں کروں گا: یا عالم ہو یا متعلم [علم حاصل کرنے والا]۔اس لیے کہ اگر ایسا نہ ہو تو اس نے کوتاہی کی ہے اور کوتاہی کرنے والا اپنے آپ کو ضائع کرنے والا ہے اور ضائع کرنے والا گناہ گار ہے اور گناہ کرنے والا اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا ہے جہنم میں جائے گا۔(میزان الحکمۃ ج ۵ ص ۴۶۰)

۱۱۔توبہ کرنے والا جوان

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا

ما مِن شَیءٍ أحَبَّ إلی اللّه تعالی مِن شابٍّ تائِبٍ و ما مِن شَیءٍ أبغَضَ إلی اللّه تعالی مِن شَیخٍ مُقیمٍ

علی مَعاصِیهِ

کوئی چیز اللہ کے نزدیک اس جوان سے زیادہ محبوب نہیں ہے جو توبہ کرنے والا ہے اور کوئی چیز اللہ کے ہاں اس بوڑھے سے زیادہ مبغوض نہیں ہے جو اپنے گناہوں پر اصرار کر رہا ہے۔ (میزان الحکمۃ ج ۵ ص ۴۶۰)

۱۲۔ جوان اور دینی تعلیم

امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

لَو اُتِیتُ بِشابٍّ مِن شَبابِ الشِّیعَةِ لا یَتَفَقَّهُ فِی الدِّینِ لَأَدَّبتُهُ

اگر ایک شیعہ جوان کو میرے پاس لائیں جو دینی سوجھ بوجھ نہ رکھتا ہو تو میں اس کو تادیب اور تنبیہ کروں گا۔

(میزان الحکمۃ ج ۵ ص ۴۶۰)

۱۳۔ حیاء ایمان کی نشانی

امام کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

الحیاءُ مِن الإیمانِ و الإیمانُ فی الجَنّةِ و البَذاءُ مِن الجَفاءِ و الجَفاءُ فی النّارِ

شرم و حیاء ایمان کی نشانی ہے اور ایمان کا مقام بہشت ہے اور فحاشی بے ادبی ہے اور بے ادبی کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ (میزان الحکمہ ج ۳ ص ۲۷۸)

۱۴۔ اچھا اخلاق اور گناہ

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

أَوحَى اللهُ تَبارَكَ وَ تَعالَىٰ إِلَىٰ بَعضِ أَنبِیائِهِ الْخُلُقُ الْحَسَنُ یَمِیثُ الْخَطِیئَةَ کَما تَمِیثُ الشَّمسُ الْجَلِیدَ

خداوند عالم نے اپنے ایک پیغمبر کو وحی کی:

اچھا اخلاق گناہوں کو ایسے پگھلا دیتا ہے جیسے سورج برف کو پگھلا دیتا ہے۔ (کافی ج ۲ ص ۱۰۰)

۱۵۔ خدا کے ساتھ رابطہ کی اصلاح کا نتیجہ

علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا:

مَن أَصلَحَ فیما بَینَهُ وَبَینَ اللّٰهِ أَصلَحَ اللّٰهُ فیما بَینَهُ وَبَینَ النّاس

جوشخص خدا کے ساتھ اپنے رابطہ کی اصلاح کرے گا خدا لوگوں کے ساتھ اس کے رابطہ کی اصلاح کر دے گا۔

(بحار الانوار ج ۱۷ ص ۳۶۶)

۱۶۔محبوب ترین دوست

امام صادق علیہ السّلام نے فرمایا:

قَالَ أَحَبُّ إِخْوَانِي إِلَيَّ مَنْ أَهْدَى إِلَيَّ عُيُوبِي

میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو میرے عیوب کا مجھے تحفہ دے۔[یعنی میرا خیر خواہ ہو]

(کافی ج ۲ ص ۶۳۹)

۱۷۔دعا مومن کا اسلحہ

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا:

الدُّعاءُ سِلاحُ المُؤمِنِ وَعَمودُ الدّينِ وَنورُ السَّماواتِ و الأرضِ

دعا مومن کا اسلحہ، دین کا ستون اور زمین اور آسمان کا نور ہے۔(میزان الحکمہ ج ۴ ص ۱۴)

۱۸۔معصیت کی ذلت، اطاعت کی عزت

پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا:

مَن خَرَجَ مِن ذُلِّ المعصيةِ إلى عِزِّ الطّاعةِ آنسَهُ اللّه عزّو جلّ بغَيرِ أنيسٍ و أعانَهُ بغيرِ مالٍ

جوشخص معصیت کی ذلت اور رسوائی سے نکل کر اطاعت کی عزت کو اختیار کرے خدا اس سے مانوس ہو جاتا ہے چاہے وہ مونس نہ رکھتا ہو اور اس کی مدد کرتا ہے چاہے وہ مال و دولت نہ رکھتا ہو۔(میزان الحکمہ ج ۱ ص ۴۸۶)

۱۹۔علم کا حصول واجب

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا:

طَلَبُ العِلمِ فَرِيضَةٌ عَلى كُلِّ مُسلِمٍ ۔۔۔ بِهِ يُطاعُ الرَّبُّ و يُعبَدُ و بِهِ تُوصَلُ الأرحامُ و يُعرَفُ الحَلالُ مِنَ الحَرامِ العِلمُ إمامُ العَمَلِ و العَمَلُ تابِعُهُ يُلهَمُهُ بِهِ السُعَداءُ و يُحرَمُهُ الأشقِياءُ

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے ۔۔۔علم کے ذریعے خدا کی عبادت اور اطاعت کی جاتی ہے اس کے

ذریعے صلہ رحم کیا جاتا ہے حلال و حرام کی تمیز کی جاتی ہے علم عمل کا امام ہے اور عمل اس کا تابع ہے نیک لوگوں کو علم الہام کیا جاتا ہے اور بدبختوں کو علم سے محروم رکھا جاتا ہے۔ (میزان الحکمۃ ج ۸ ص ۱۵)

۲۰۔ ہر برائی کی کنجی

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

الغَضَبُ مِفتاحُ کُلِّ شَرٍّ

غصہ ہر برائی کی کنجی ہے۔ (میزان الحکمۃ ج ۸ ص ۴۲۰)

دعائے وحدت

اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِلٰهاً وَاحِداً وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّ اٰبَائِنَا الْاَوَّلِيْنَ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَحْدَهٗ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ

وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

فَلَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ

يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَيُمِيْتُ وَيُحْيِيْ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ

بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ